

۰ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰

جمعیت المسلمین مالیگاؤں کے زیر اہتمام اولین نصاب

تخصّص

فی الدلائل الشرعیہ من مسائل الفقہ الحنفیہ

فقہ حنفی کے چند مسائل کے شرعی دلائل میں

تخصّص

تعلیم بالمراسلہ

کلی نمبر ۱، سروے نمبر ۱۵۶، مولوی محمد عثمان پورہ، مالیگاؤں-423203 (ضلع ناسک) مہاراشٹر، الہند

تفصیلات طباعت

نام کتاب : فقہ حنفی کے چند مسائل کے شرعی دلائل میں تخصص

تالیف : مولوی ہلال احمد مولوی محمد عثمان

صفحات : ۲۵۵

طابع : مفتی عبداللہ ہلال احمد قاسمی، مظاہری

ناشر : مولانا انوار احمد افضال احمد ندوی مظاہری

ناظم جمعیت المسلمین مالیکاؤں

۱۴۳۱ھ

اشاعت اول :

طباعت : کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند Ph:(o)223294,(R)224556

.....﴿رابطہ کے لئے﴾.....

مولوی ہلال احمد مولوی محمد عثمان موبائل نمبر 09423477065

دفتر جمعیت المسلمین مالیکاؤں

کلی نمبر ۱، سر دے نمبر ۱۵۶، مولوی محمد عثمان پورہ، مالیکاؤں-423203 (ضلع ناسک) مہاراشٹر، الہند

تخصّص فی الدلائل الشرعیہ من مسائل الفقہ الحنفیہ

فقہ حنفی کے چند مسائل کے شرعی دلائل میں تخصّص

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۶	عرض مؤلف	۱
۱۱	تائیدات نصاب	۲
	حصہ اول	
۱۶	شرعی دلائل	۳
۲۲	تعریفات	۴
۲۴	فقہی اصطلاحات	۵
	مسائل نماز	
۲۶	نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟	۶
۴۷	مسئلہ قرأت خلف الامام	۷
۷۳	مسئلہ آمین	۸
۹۰	کیا مقتدی امام کی قرأت کا جواب دے سکتا ہے؟	۹
	حصہ دوم	
۹۳	رفع یدین کا مسئلہ	۱۰
۱۱۸	سجدے میں جانے اور سجدے سے اٹھنے کی کیفیت	۱۱
۱۲۰	سجدے سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا زمین پر ٹیکنا منع ہے	۱۲
۱۲۳	مسئلہ جلسہ استراحت	۱۳
۱۲۷	نماز میں قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ	۱۴

۱۲۷	مسئلہ تورک	۱۵
۱۲۹	مسئلہ اشارہ بالسبابہ	۱۶
۱۳۲	نماز وتر	۱۷
۱۴۱	نماز تراویح	۱۸
	حصہ سوم	
۱۵۷	نماز فجر کا افضل وقت	۱۹
۱۶۴	جب تک جماعت ملنے کا امکان ہو فجر کی سنت نہیں چھوڑنا چاہئے	۲۰
۱۶۷	جن روایات میں فجر کی جماعت کے وقت سنت پڑھنے کی کراہیت آئی ہے ان کا کیا مطلب ہے؟	۲۱
۲۱۱	عورتوں کی نماز کے بارے میں غیر مقلدین کی فکر مندی کی حقیقت	۲۲
۲۱۲	فی زمانہ مساجد میں عورتوں کی نماز کی حقیقت	۲۳
۲۱۴	قضاء نمازوں کا بیان	۲۴
	مسائل متفرقہ	
۲۲۰	قربانی کے ایام	۲۵
۲۲۵	ایک بکری یا ایک بکری پورے گھر کی طرف سے کافی نہیں	۲۶
۲۲۹	ایک مجلس کی تین طلاقیں کا حکم	۲۷
۲۳۸	وسیلہ کی حقیقت	۲۸
۲۴۱	ایصال ثواب	۲۹
	حصہ چہارم (عملی کام)	
	عوام میں اشتہار کیلئے	۳۰
	احناف کے پمفلٹس	۳۱
	عقائد	۳۲
	واقعات	۳۳

۳۳	احناف کی کچھ کتابوں کی فہرست
۳۵	رد غیر مقلدیت میں کام کرنے والے کچھ علماء
۳۶	غیر مقلدین کی کتابوں کے جائزے
۳۷	غیر مقلدین کے پمفلٹس کے جائزے
۳۸	غیر مقلدین کے سوالات کے جوابات
۳۹	غیر مقلدین سے سوالات
۴۰	غیر مقلدین میں عملی کام کے عکس
۴۱	غیر مقلدین سے تحریری مناظرات کے عکس
۴۲	غیر مقلدین سے مناظرات کی رودادات
۴۳	غیر مقلدین کے کام کے ذریعے
۴۴	غیر مقلدین کے کام کے طریقے
۴۵	مریحات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

ترجمہ:- اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں سے جو اولو الامر ہیں انکی۔ (سورہ نساء آیت نمبر) قرون اولیٰ ہی سے مسلمانوں کا وطیرہ رہا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے آئے ہیں اور اجتہادی مسائل میں صحابہ کرام کی تقلید کرتے رہے۔ جب نئے علاقوں کی فتوحات ہوئیں، نئے مسائل پیدا ہوتے گئے اور اجتہادات کی ضرورت شدید ہوتی گئی، زمانہ کے تقاضہ کے مطابق مجتہدین کی کثرت ہوئی اور مختلف مکاتب فکر بنتے گئے۔ مسالک احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ باقاعدہ ممدون ہوئے اور انہیں مسالک اربعہ کی پیروی کرنیوالوں کی کثرت ہوئی۔ آہستہ آہستہ چوتھی صدی ہجری تک صرف یہی چار مسالک پر عملاً امت کا اجماع ہو گیا اور دیگر مسالک ختم ہو گئے۔ اگرچہ کبھی کبھی کچھ افراد ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے ان میں اختلاف کیا لیکن اجماع کے بعد اختلاف کرنیوالوں کا اختلاف اجماع پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ تقریباً ہزار سال تک معاملہ یونہی رہا، سو اسو سال سے کچھ علاقوں میں ایک نئے مسلک کی بنیاد ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ فرقہ سازی کیلئے فرقہ بندی کا ماتم کیا جا رہا ہے۔ اگر براہ راست نئے فرقہ کا اعلان کر دیا جائے تو واضح طور پر اجماع امت کا خلاف ظاہر ہو جائیگا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی توضیحات، اجتہادات، فقہاء کی عرق ریزیاں اور مسالک اربعہ کی تحقیقات سے انکار کی کوشش جاری ہے۔ بنیاد ”تقلید“ کو بنایا گیا اور اسکے خلاف یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ یہ شرک ہے، بدعت ہے، جہالت ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور مسالک اربعہ جس پر اجماع امت ہے، ان کی حقانیت کا انکار کر دیا گیا۔ غیر مقلدین کے مسلک کی بنیاد انکارِ تقلید ہے۔ جب کہ تقلید کے بغیر اسلام کے ارکان تک پر مل کرنا مشکل ہے۔ اذان، طہارت، وضو یہاں تک کہ نماز کی ایک رکعت بھی بغیر تقلید کے ممکن ہی نہیں ہے۔ روزہ، زکوٰۃ، حج کے بہت سے مسائل تقلید کے بغیر ممکن نہیں۔ منکرین تقلید ان مسائل میں خود تقلید کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں غیر مقلدیت کا۔ یعنی انکے فرقہ کی بنیاد جھوٹ یا دھوکہ پر مبنی ہے۔ غیر مقلدین کے بہت سے امور اہل سنت والجماعت سے جدا ہیں۔ بیس رکعات تراویح، جمعہ کی دوسری اذان، ایک مجلس کی تین طلاقیں جن پر اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے، ان غیر مقلدین کے نزدیک بدعات ہیں۔ انکے عقائد الگ، ان کے نزدیک کثرت عبادت بدعت ہے، غرض اسلام کے بیشتر بنیادی مسائل اہلسنت والجماعت سے جدا ہیں۔

غیر مقلدیت گمراہی کی ڈھلان ہے:- دراصل غیر مقلدیت کی بنیاد خواہشات کی اتباع ہے اور اسی وجہ سے

اجماع امت کے خلاف اس نوزائیدہ فرقہ میں زبردست اختلاف اور انتشار ہے۔ یہ چھوٹا سا فرقہ جو تمام فرقوں کو ختم کر نیکا

دعویٰ کرتا ہے کثیر ذیلی فرقوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً اہل حدیث، غرباء، ثنائیہ، محمدی، سلفی، اثنیہ، اہل قرآن، جماعت المسلمین وغیرہ وغیرہ۔ اور اتنے فرقے کیوں نہ ہوں؟ جب کہ ان میں کا ہر شخص خود ایک امام ہے۔ دین کے مسائل کو اپنی عقل و سمجھ پر پرکھنے کا مدعی ہے اور ایسی صلاحیت کا دعویٰ کرتا ہے کہ جس مسئلہ کو اختیار کرے وہی قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ مسائل اور تحقیقات کو جانچنے اور انہیں صحیح اور غلط سمجھنے میں مہارت کا مدعی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ غیر مقلدیت گمراہی کی ایک ڈھلان ہے۔ کوئی فرقہ ڈھلان کے اوپری سرے پر ہے، اُسے مسائل کی باریکیوں، تحقیقات کے تدوّن سے انکار ہے اسے فقہ کو نہیں ماننا ہے، اسلئے اپنے آپ کو اہل حدیث کہتا ہے۔ یعنی وہ منکر فقہ ہے۔ چونکہ اسے فقہ کا انکار کرنا ہے اسلئے ایک مفروضہ پیش کرتا ہے کہ فقہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے اسلئے اس کا انکار کرنا چاہئے۔ اسی گمراہی کی ڈھلان پر ایک اور فرقہ مزید نیچے ہے۔ اسے احادیث و سنن رسول اللہ ﷺ اور تفاسیر قرآن کی پابندی پسند نہیں اور ان کا انکار کرنا ہے تو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے، دراصل یہ فرقہ منکر حدیث ہے۔ اور مفروضہ یہ بیان کرتا ہے کہ احادیث و تفاسیر چونکہ قرآن کے خلاف ہیں اسلئے ان کا انکار کرنا چاہئے۔ ایک گروہ گمراہی کی اس ڈھلان کی اتھاہ گہرائیوں میں ہے۔ اسے اسلام کو نہیں ماننا ہے اسلئے اس میں تاویلات کر لیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ جنت کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان کا اچھا مستقبل ہے، اور جہنم کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان کا خراب مستقبل ہے، وغیرہ وغیرہ۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان غیر مقلدین کے تمام فرقوں کے عقائد جدا جدا ہیں، عبادات کے احکام میں فرق ہے، اسکے بعد بھی یہ تمام فرقے ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ اور وجہ یہ ہے کہ ان میں ایک قدر مشترک موجود ہے اور وہ ہے ”غیر مقلدیت“۔ یہ تمام فرقے اہلسنت والجماعت کی مخالفت میں اکٹھا ہیں۔ اسکے ثبوت میں بیشتر مثالیں موجود ہیں۔ صرف تین مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) ”حق گو“ کے نام سے کسی شخص نے انکار حدیث میں ایک رسالہ شائع کیا جس کا عنوان تھا ”میں منکر حدیث

کیوں ہوا“۔ احادیث کے حجت نہ ہونے کے دلائل میں بڑی دہائی جابہی باتیں اس رسالے میں لکھا۔ محدث کبیر و جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے اسکے دہن میں ایک رسالہ ”نصرۃ اللہ“ کے نام سے شائع کیا۔ جس میں قرآن کریم کی آیات اور دیگر دلائل سے احادیث کا حجت ہونا ثابت کیا۔ یہ رسالہ ۱۹۳۳ء میں لکھا گیا۔ مولانا موصوف نے اخیر میں ایک شکایت تحریر کی جسے من و عن پیش کرتا ہوں۔

”ایڈیٹر اہل حدیث امرتسر سے ایک شکایت“

”حق گو“ صاحب سے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا، اب سب سے آخر میں مجھے مولوی ثناء اللہ صاحب ایڈیٹر اہل حدیث سے ایک شکایت کرنا ہے، مجھ کو نہایت تعجب ہوا جب میں نے دیکھا کہ منکرین حدیث کا یہ رسالہ ثنائی برقی پریس میں طبع ہوا ہے، اور میں نہیں سمجھ سکا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے با ایں ہمہ ادعائے عشق حدیث، دشمنان حدیث کے اس الحاد پر ور

رسالہ کو جس میں حدیث اور محدثین کی تنقیص و تکذیب اور توہین و تحقیر کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا ہے، کیوں اپنے پریس میں طبع کرایا، اور ان کی مذہبی حمیت و غیرت نے اس کو کس طرح گوارہ کر لیا، کیا مولوی صاحب مجھے بتائیں گے کہ یہ تعاون ”علی الاثم والعدوان“ میں داخل ہے یا نہیں؟ اور کیا حدیث میں دشمنوں کے ہاتھ اسلحہ بیچنے کی ممانعت آئی ہے یا نہیں؟ اگر آئی ہے تو اس میں کیا راز ہے؟ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس رسالہ کو چھاپ کر آپ خاموش ہو گئے جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے آپ نے مستقل جواب تو درکنار اپنے اخبار میں بھی شاید اس کی خبر نہیں لی،

مولوی صاحب! گستاخی معاف! ”الحدیث“ کہلانے کیلئے تو آپ ہیں، اور حدیثوں سے مدافعت کرنے کیلئے خفی؟

واذا يحاس الحيس يدعى جندب

فاذا تكون كريهة ادعى لها

(”مطلب یہ کہ“) جب کوئی سختی پیش آتی ہے، تو اس کیلئے میں بلایا جاتا ہوں ☆ اور جب حلوا پکتا ہے، تو جندب (ایک شخص کا نام ہے) کو بلایا جاتا ہے۔

(۲) شہر مالیگاؤں کا ایک شخص جو فرقہ اہل حدیث سے متاثر تھا اس نے دعویٰ کیا کہ ”ایام قربانی چاردن ہیں“ ہمارے ایک ساتھی نے تین دن کا دعویٰ کیا۔ دونوں میں تحریری مناظرہ ہوا۔ چاردن کی قربانی کا مدعی، ایک شخص کو اپنا وکیل بنا کر اس سے اپنا جواب لکھواتا رہا۔ اس شخص کے وکیل نے یہ تحریر کیا کہ قربانی اکیس دن یا پورا مہینہ ہے۔ دراصل جو شخص جواب لکھواتا تھا اس کا وکیل غیر مقلد تھا اور منکر حدیث تھا۔ لکھوانے والے کو یہ شعور بھی نہ تھا کہ یہ منکر حدیث ہے، اہل حدیث نہیں۔ یہ تحریری مناظرہ ہمارے پاس محفوظ ہے، جو ۲۰۰۳ء میں ہوا تھا۔

(۳) شہر مالیگاؤں میں غیر مقلدین کا ایک گروہ موجود ہے جو اپنے آپ کو ”اہل قرآن“ ظاہر کرتا ہے۔ اسکے مختلف افراد ”درس قرآن“ کے نام پر پروگرام کرتے رہتے ہیں، اور غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت کے نام پر غیر مسلموں سے گھرے مراسم رکھتے ہیں۔ اور یہی نہیں مندروں سے سادھوؤں کو اپنے پروگراموں میں بلاتے ہیں اور خود بھی انکے پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں۔ اس گروہ کے افراد کا موقف ہے کہ تمام مذہبی کتابیں صحیح ہیں، چاہے وہ گیتا ہو یا وید، توریت ہو یا انجیل۔ خود بھی گیتا کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی بتاتے ہیں اور جب کوئی اعتراض کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ پتہ نہیں کس کتاب سے ہدایت مل جائے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصل میں یہ طرز ہو ”بہائی مذہب“ والوں کا ہے۔ بہائیوں کی دو قسمیں ہیں دونوں اس گروہ میں موجود ہیں۔ ان کا ہیڈ کوارٹر اسرائیل میں ہے اور ہندوستان میں ان کا مرکز ”لوٹس ٹیمپل“ دہلی میں ہے۔ یہ لوگ ”بہائی“ ہیں مسلمان نہیں ہیں، لیکن غیر مقلدیت کے راستے مسلمانوں میں گھسے ہوئے ہیں۔ دوسرے غیر مقلدین مختلف طریقوں سے ان کی حمایت و تعاون کرتے رہتے ہیں۔

غیر مقلدین کے اپنے فرقہ کی توسیع کا ڈھنگ اسلام مخالفین مستشرقین اور روافض جیسا ہے، یعنی سوالات اور گفتگو کے ذریعہ تشکیک و شبہات پیدا کرنا۔ یہ علمی فتنہ ہے۔ ہمارے اسلاف نے ان کا منہ توڑ جواب دیا ہے۔ ان جوابات کی بنیاد پر

اور زمانہ کی حکمتوں اور تقاضوں کے مطابق ان کا سد باب ضروری ہے۔ اسلئے کافی عرصہ سے ارادہ تھا کہ ایک نصاب تیار کیا جائے جس کے ذریعہ ”افراسازی“ ہو۔ اور ہر علاقہ میں افراد ان سے دفاع کیلئے خود کفیل ہو جائیں۔ ماشاء اللہ نصاب تیار ہو چکا ہے۔ اور اللہ رب العزت نے اس عاجز بندہ کو ذریعہ بنادیا۔ یہ بتادینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے معتبر اساتذہ سے باقاعدہ علم دین حاصل کیا ہے۔ محترم علم وہی ہے جو سبقاً سبقاً استاذ سے پڑھ کر حاصل ہو۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶ میں تعلیقاً روایت ہے **مهما العلم بالتعلم**، طبرانی نے اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔ اس میں الفقہ با لتفقہ کے الفاظ بھی ہیں۔ یعنی علم نہایت وہ ہے جو سبقاً سبقاً (عالم صالح) استاذ سے پڑھ کر حاصل ہو۔ والمعنى ليس العلم بالمعنى الا المأخوذ من الالنباء اور رتھم علی سبیل التعلیم (فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۴)۔

علم دین میں میرے اساتذہ کرام تین ہیں، جن کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

(۱) **مولانا محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ**۔ حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ سے میری نسبت دوہری ہے۔ وہ نہ صرف میرے والد ہیں بلکہ میرے استاذ بھی ہیں۔ اور استاذ بھی ایسے کہ مجھے ”قاعدہ بغدادی سے بخاری شریف کی کتاب الوضوء تک“ بنفس نفیس پڑھایا۔ مالیکاؤں اور مضامین کے علاقوں میں دارالعلوم دیوبند کے اولین فاضلوں میں سے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بخاری اور ترمذی کی تعلیم حاصل کی، اور انہیں سے بیعت بھی تھے۔ حافظ قرآن بھی تھے۔ بتیس (۳۲) سال سے زائد عرصہ تک محلے کی مسجد میں تراویح پڑھائی اور وہیں امام بھی تھے۔ با اصول، وقت اور معمولات کے انتہائی پابند تھے۔ متقی اور پرہیزگار تھے۔ علاقہ کی مشہور درس گاہ معہد ملت کے اولین اساتذہ میں سے تھے۔ صوبہ بمبئی (ریاست مہاراشٹر، گجرات اور آندھرا پردیش کے کچھ علاقوں کا مجموعہ) کے جمعیۃ العلماء کے صدر رہ چکے ہیں۔ لڑکیوں کی اولین اور مشہور بین الاقوامی درس گاہ جامعۃ الصالحات مالیکاؤں کے بانی اور روح رواں تھے۔ اپنی تمام مصروفیات اور معمولات کے بعد بھی مجھے اور میرے ساتھیوں کو روزانہ پڑھانے کا معمول تھا۔ ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ مطابق یکم فروری ۱۹۸۴ء کو انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزاء خیر عطا فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے اور اپنے قرب میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

(۲) **مولانا عبدالستار صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ**۔ حضرت مولانا عبدالستار صاحب اعظمیؒ نے مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی۔ مالیکاؤں کی قدیم درس گاہ جامعہ بیت العلوم کے شیخ الحدیث تھے۔ کچھ عرصہ ممبئی کے مدرسہ امدادیہ میں بھی رہے۔ ملک کی مشہور درس گاہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک دہائی سے زائد عرصہ شیخ الحدیث رہے۔ ریاست مہاراشٹر کی جمعیۃ العلماء کے شعبہ شرعیہ کے امیر تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے۔ علم حدیث میں زبردست مہارت حاصل تھی۔ ساٹھ سال تک بخاری شریف پڑھانے کے بعد اپنی ضعیفی اور پیرانہ سالی کے باوجود مجھے اور میرے ساتھیوں کو صحیح بخاری ترمذی شریف تفصیل سے پڑھائی۔ ۲۳ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۶ جنوری ۱۹۹۴ء کو انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ

انہیں جزاءِ جزیل عطاء فرمائے، اپنی خاص عنایتوں سے نوازے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

(۳) مولانا عبدالاحد صاحب ازہری دامت برکاتہم:- حضرت مولانا عبدالاحد صاحب ازہری دامت برکاتہم معہد ملت کے اولین فارغین میں سے ہیں۔ وہاں سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند اور اس کے بعد جامعہ ازہر مصر سے تعلیم حاصل کی۔ امارت شرعیہ بہار سے قضاۃ کا علم حاصل کیا۔ حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمائی سے بیعت ہوئے۔ معہد ملت مالیکاؤں کے شیخ الحدیث، صدر مدرس اور ناظم جیسے کلیدی عہدوں پر فائز ہیں۔ دارالقضاء مالیکاؤں کے قاضی شریعت ہیں۔ کل ہند فقہ اکیڈمی کے نائب صدر ہیں۔ اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود مجھے اور میرے ساتھیوں کو حدیث کی تعلیم دی۔ ماشاء اللہ ابھی بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر خیر و عافیت کے ساتھ ہم پر قائم رکھے۔ ان کے ذریعہ ہمیں خوب علم نافع عطاء فرمائے اور دارین میں انہیں اپنی عنایت و رحمت سے نوازے۔ آمین۔

اس نصاب کی تحقیق و ترتیب میں مولوی مجاہد الاسلام محمد حسن مظاہری (فارغ مدرسہ اسلامیہ مالیکاؤں و فاضل مظاہر علوم سہانپور) اور مولوی عبدالمجید محمد حنیف رشیدی (فارغ مدرسہ اسلامیہ مالیکاؤں و فاضل اشرف العلوم رشیدی گنگوہ) نے نیز میرے اہل خانہ نے مسلسل ساتھ دیا۔ ملک کے مشاہیر علماء کرام نے اس نصاب کی تائید کر کے اس کام کو آگے بڑھانے میں بڑی مدد فرمائی، ان میں سے بعض کی تائیدات اسی ایڈیشن میں رقم ہیں اور بعض کی تائیدات انشاء اللہ آئندہ رقم ہوں گی۔ ہم سبھوں کے مشکور و ممنون ہیں۔ رد غیر مقلدیت کی تحریک میں مولوی محمد عمر حاجی ظہیر الدین صاحب عرف عمر ملا صدر جمعیۃ المسلمین (ان کا انتقال ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے آخرت کی تمام منازل آسان فرما کر اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین)، حافظ اقبال احمد صاحب ملتی، جمعیۃ المسلمین مالیکاؤں کے قدیم اور جدید اراکین، میرے اکثر عزیز و اقارب، احباب و متعلقین، میرے اسٹاف کے افراد، مالیکاؤں، اورنگ آباد اور ممبئی کے علماء کرام اور کثیر تعداد میں متعلقین نے تعاون کیا یا حوصلہ افزائی کا باعث بنے۔ بعض لوگوں کا تذکرہ نہ آسکا۔ بہر حال جن لوگوں نے جس طرح سے بھی میرا تعاون کیا اللہ تعالیٰ انہیں جزاء خیر عطاء فرمائے، انہیں قبول فرمائے اور اپنی عنایتوں اور رحمتوں سے نوازے۔ نیز جو حضرات اس نصاب کا مطالعہ کریں اور جدوجہد کریں اللہ تعالیٰ انہیں بھی قبول فرمائے آمین۔

احقر

ہلال احمد مولوی محمد عثمان مالیکاؤں

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۸ فروری ۲۰۱۰ء

تائیداتِ نصابِ ہذا
حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیر آبادی دامت برکاتہم
مفتی دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين و الصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى اله وصحبه

اجمعين. وبعد!

غیر مقلدین کا فتنہ یقیناً امت میں انتشار کا باعث ہے۔ جمعیۃ المسلمین مالیگاؤں کی طرف سے اس فتنہ کو دور کرنے کے لئے دفاع کی جو کوشش جاری ہے یہ ایک مستحسن اقدام ہے۔ جمعیۃ نے جو مراسلاتی کورس تخصّص فی الدلائل الشرعیہ من مسائل الفقہ الحنفیہ کے نام سے تیار کیا ہے۔ بہت کارآمد اور مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ان کی سرکوبی کا ذریعہ بنائے۔ اور ان کی ریشہ دوانیوں کو ختم کرنے کا باعث بنائے آپ حضرات کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین۔

حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ

مفتی دارالعلوم دیوبند

۱۴۳۰/۶/۲۸ھ

حضرت مولانا محمد سعیدی صاحب دامت برکاتہم
ناظم مظاہر علوم سہارنپور (وقف)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نیک ارادہ کے لئے میری جانب سے نیک خواہشات قبول فرمائیں۔ اعتدال اس امتِ اُمیہ کا وصف ممتاز ہے ہمہ وقت
ملاحظہ رہنا ضروری ہے۔
محمد سعیدی
ناظم مظاہر علوم (وقف)
سہارنپور

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم
ناظم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ
محترم المقام زید کریمکم ! علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مزاج گرامی!

والا نامہ ملا، احوال معلوم ہوئے، آپ نے اہل حق کے دفاع کے لئے جس اقدام کا ارادہ کیا ہے وہ بہت مبارک ہے، اور امید ہے کہ انشاء اللہ اس سے امت کو بہت نفع ہوگا۔ اور ”لانڈھب“ گروپ کی طرف سے چلائی جا رہی جارحانہ مہم کو روکنے میں آپ کا یہ اقدام موثر ثابت ہوگا، اور جو لوگ دور دراز علاقوں میں رہنے کی وجہ سے بروقت معلومات حاصل نہیں کر پاتے ان تک صحیح معلومات کا پہنچانا آسان ہوگا۔ بہر حال احقر آپ کے منصوبہ کی بڑی قدر کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے سبھی ہم فکر ساتھیوں کو جزاء خیر دیں، اور کامیابی سے نوازیں۔ آمین۔
احقر بھی دعاؤں کا خواستگار ہے۔

فقط والسلام
احقر محمد سلمان منصور پوری

۱۴۳۰/۶/۲۹ھ

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

محترم و مکرم جناب مولانا ہلال احمد صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا، واقعہ یہ ہے کہ غیر مقلدیت کا فتنہ دورِ حاضر کے بڑے فتنوں میں سے ہے اور اپنے دائرہ اثر و ضرر کی وسعت کے اعتبار سے بے انتہاء خطرناک ہے، اس فتنہ سے نبرد آزما ہونے کیلئے آپ کے ادارہ جمعیت المسلمین مالگائوں نے جس کورس کو ترتیب دے کر شائع کرنے کا ارادہ فرمایا جس کا مختصر خاکہ آپ کے اسی گرامی نامہ میں پیش کر دیا گیا ہے، اس کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مدارس عربیہ سے فارغ التحصیل فضلاء تو حقیقی معنی میں دین اور علم دین کی ترویج و اشاعت کی خدمات نہایت خاموشی کیساتھ سنجیدہ اور پر وقار انداز میں کر رہے ہیں، خصوصاً مکاتب جو بچوں کی ایمانی و اسلامی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اس میں تو ہمارے فضلاء کی کارگزاری ایسی ظاہر و باہر ہے کہ دیگر مخالف فرقوں کے لوگ بھی اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے ہمارے مکاتب ہی کو ترجیح دیتے ہیں، چونکہ ہمارے مدارس عربیہ میں تیار ہونے والے فضلاء کی تربیت کیلئے تعمیری انداز اختیار کیا گیا ہے اور پورے نصابِ تعلیم میں دیگر فرقوں کو مد نظر رکھ کر کوئی تربیت نہیں دی جاتی اور مخالف فرقوں کے یہاں جو ادارے فضلاء تیار کرتے ہیں، ان کو ایمان و اسلام اور احکام شرعیہ کی ترویج و اشاعت کے تعمیری طریقہ پرہ کر علمی خدمات انجام دینے کے بجائے محض تخریبی طور و طریق سکھلا کر تیار کیا جاتا ہے، ایسے لوگ جب عوام میں آتے ہیں تو اختلافی مسائل ہی کو چھیڑ کر انتشار و اشتعال پیدا کرتے ہیں جب کہ ان کے پاس دین کی بنیادی تعلیمات سے نئی نسل کو آراستہ کرنے کی صلاحیت کا فقدان ہے، انکے اس طرزِ عمل سے عوام کے قلوب میں اہل حق کے متعلق جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کو دور کر

نے کیلئے جس تربیت کی ضرورت تھی اس کے نہ ملنے کی وجہ سے ہمارے فضلاء مقابلہ کے میدان میں ایک نوع کی کمزوری محسوس کرتے ہیں اگرچہ اہل حق کی جماعت میں جنہوں نے اس موضوع پر محنت کی ہے ان کا تو نام سن کر یہ لوگ راہ فرار اختیار کرتے ہیں، ضرورت تھی کہ اس نوع کے ماہرین کے ذریعہ ایک عمومی نصاب جو تمام ائمہ مساجد تک پہنچایا جاسکے، تیار کیا جاتا تاکہ غیر مقلدین کی فتنہ انگیزی کے موقعہ پر وہ حضرات اس نصاب سے فائدہ اٹھا کر ان کی طرف سے پیدا کئے گئے شکوک و شبہات کا قلع قمع کر کے عوام کے دل و دماغ کو مطمئن کر سکیں، یہ معلوم ہو کر بڑی مسرت ہوئی کہ آپ کے ادارہ نے اس خدمت کو انجام دینے کا بیڑا اٹھایا ہے اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو بحسن و خوبی اس کی انجام دہی کی توفیق عطا فرمائے اور ایک عرض یہ بھی ہے کہ یہ نصاب صرف کتابی شکل میں نہیں بلکہ سی ڈی (C.D) اور کیسٹ کی شکل میں بھی تیار کیا جائے، دور حاضر میں لوگوں کو ایسی ضروری چیزیں پڑھنے کا بھی وقت میسر نہیں، ان کے حق میں یہ سلسلہ انشاء اللہ مفید و موثر ہوگا کہ عموماً لوگ اپنی خانگی سواریوں میں دوران سفر یا اپنے فارغ اوقات میں اس قسم کی سی ڈیوں کو سن لیتے ہیں۔ دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقصد میں نمایاں اور مکمل کامیابی نصیب فرمائے۔

فقط والسلام

املاً ہ: احمد خانپوری

۲۱ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصہ اول

شرعی دلائل

اسلام نے قرآن و سنت کو اصل الاصول کی حیثیت سے بتلایا۔ پھر ان دو اصل الاصول سے ماخوذ اور بھی ماخذ و اصول ہیں، جن کی روشنی میں دینی احکام مستنبط ہوتے رہیں گے، اس طرح اولہ شرع (شرعی دلائل) چار ہو گئے (۱) قرآن مجید (۲) سنت رسول اللہ ﷺ (۳) اجماع۔ جس میں سنت خلفائے راشدین، خیر القرون کے سنن و آثار ہیں (۴) قیاس و اجتہاد (۱) **قرآن مجید** :- دینی احکام کا پہلا ماخذ قرآن مجید ہے۔

قرآن کریم میں کچھ احکام نہایت وضاحت اور صراحت سے بیان کئے گئے ہیں۔ جیسے ایمانیات، اخلاقیات، قانون شہادت، قانون حدود، قانون وراثت۔ مگر کچھ احکام ایسے ہیں جسے قرآن کریم نے مجمل طور پر بیان کیا ہے۔ اسی طرح کچھ مسائل ایسے ہیں جن کی کوئی تصریح قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ مثلاً پانی کی پاکی اور ناپاکی کے مسائل، بیع جنس بالجنس کی کیا صورت ہے۔ جو جرائم حدود کے تحت نہیں ان کی سزا کیا ہے؟ زمینوں کے مسائل میں مضاربہ کے احکام وغیرہ۔ مساجد کے تفصیلی شرعی احکام، وغیرہ وغیرہ ہزاروں مسائل ہیں جو ہمیں قرآن کریم میں واضح طور پر نہیں ملتے۔

دورِ حاضر میں اہل قرآن کے نام سے ایک نیا فرقہ وجود میں آیا ہے جو اصول شرع میں سے صرف قرآن کو مانتا ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع کو نہیں مانتا۔ یہ فرقہ گمراہ ہے اور اسلام سے خارج ہے۔

(۲) **سنت رسول اللہ ﷺ** :- دینی احکام کا دوسرا ماخذ سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات عمل کے پہلو سے ذکر کی جائیں تو سنت کہا جاتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ”سنت“ شرعی دلائل میں سے ہے نہ کہ حدیث۔ سنت اور حدیث میں فرق ہے۔ سنت ثابتہ وہی ہے جس پر اکابر صحابہ و تابعین کا تعامل رہا۔ اور جو روایت ان کے تعامل کے خلاف ہو وہ یا تو منسوخ کہلائے گی یا اس میں تاویل کی ضرورت ہوگی۔ ایسی روایات جو تعاملِ سلف کے خلاف ہوں صدرِ اول میں ”شاذ“ شمار کی جاتی تھیں۔ اور جس طرح متاخرین محدثین کی اصطلاح میں ”شاذ“ روایت حجت نہیں، اسی طرح متقدمین کے نزدیک ایسی شاذ روایت حجت نہیں تھیں۔

تعاملِ سلف :- تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں حضراتِ صحابہ کرامؓ اور اکابر تابعین کا تعامل کسی مسئلہ میں حجت قاطعہ شمار ہوتا تھا۔ اور احادیث کی صحت و سقم کے لئے معیار کی حیثیت رکھتا تھا۔ جو احادیث کہ اکابر صحابہ و تابعین کے تعامل کے خلاف ہوتیں انہیں شاذ۔ منسوخ یا مؤول سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ مؤطا میں جگہ جگہ تعاملِ اہل مدینہ کا حوالہ دیتے

ہیں۔ اور جو احادیث اہل مدینہ کے تعامل کے خلاف ہوں انہیں غیر معمول بہا قرار دیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ دوسری صدی میں احادیث کے جتنے مجموعے مرتب کئے گئے ہیں ان میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات کیساتھ حضرات صحابہ و تابعین کا تعامل بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً ترمذی شریف میں حدیث باب بیان کرنے کے بعد امام ترمذی اس قسم کا جملہ لاتے ہیں ”والعمل علیٰ هذا الحديث عند اکثر اهل العلم“ وغیرہ۔ لیکن خیر القرون کے بعد چونکہ معیاری تعامل آنکھوں کیسا مننے نہیں رہا تھا اسلئے احادیث کی صحت و سقم اور ان کے معمول بہا ہونے یا نہ ہونے کا مدار صرف سند کی صحت و ضعف اور راویوں کی جرح و تعدیل پر رہ گیا اور روایات کے مقابلہ میں تعاملی سلف کی اہمیت نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کو خیال ہونے لگا کہ ایک ایسی روایت جس کے راوی ثقہ ہوں..... اس کے مقابلہ میں حضرات خلفاء راشدینؓ کا تعامل بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کسی روایت کے راویوں کی ثقاہت و عدالت اور فہم و دیانت کو حضرات خلفاء راشدینؓ کے تعامل پر ترجیح دے ڈالنا نہ صرف یہ کہ صحت مندانہ طرز فکر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر اسے رفض کا خفی شعبہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ رفض کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ بعد کے راویوں کی روایات کے بھروسے حضرات صحابہ کرامؓ اور خلفاء راشدینؓ کو نص نبوی کی مخالفت سے مطعون کیا جائے۔

اس لئے سنت رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ میں تعاملی سلف حجت قاطعہ شمار ہوتا ہے۔

نوٹ: سنت کے ماہرین کو مجتہدین، فقہاء اور اہل الرا۱ بھی کہتے ہیں۔ اور حدیث کے ماہرین کو محدثین، اہل الحدیث، اصحاب الحدیث بھی کہتے ہیں۔

محدثین کا دائرہ کار: محدثین کی مہارت اور انکی تحقیق کا دائرہ حدیث کی اسناد اور الفاظ تک محدود ہے۔ یہ بھی دین کا اہم باب ہے۔ اس علم کی برکت سے وضاع، کذاب لوگوں کو جھوٹی اور من گھڑت حدیثیں بنانے کی جرأت نہ ہوگی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں اگر تحقیق سند کا مسئلہ نہ ہوتا تو جو آدمی جو کچھ چاہتا وہ کہہ ڈالتا۔

مجتہدین کا دائرہ کار: مجتہدین، فقہاء، اہل الرا۱ کی تحقیق کا دائرہ اسناد سے وسیع تر ہے۔ مجتہدین پانچ امور کی تحقیق کرتے ہیں۔

(۱) بنیادی طور پر حدیث ثابت ہے یا نہیں؟ (۲) احادیث کے معانی کی تشریح و توضیح؟ (۳) حدیث معمول بہ ہے یا متروک؟ (۴) حدیث سے ثابت شدہ حکم کی شرعی حیثیت کا تعین، یعنی وہ فرض ہے یا واجب؟ سنت ہے یا مستحب ہے؟ مباح ہے یا مکروہ ہے؟ مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی یا حرام؟ (۵) اس حدیث سے متعارض دوسری حدیث کے تعارض و تضاد کو دور کرنا۔

ان امور خمسہ کی تحقیق کیلئے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اسناد کیساتھ آثار صحابہ کو بھی بنیاد بنایا ہے۔ آثار صحابہ نہ ملنے کی صورت میں کتاب و سنت سے ماخوذ اپنے اجتہادی اصولوں اور خداداد فقہی صلاحیت سے کام لیا ہے۔ صاحبینؒ نے آثار صحابہ کے ساتھ اقوال تابعین و تبع تابعین کو بھی بنیاد بنایا ہے۔

(۳) **اجماع امت:-** دینی احکام کا تیسرا ماخذ اجماع امت ہے یعنی جس بات پر تمام صحابہ نے بلا اختلاف اتفاق کر لیا ہے، اور کسی نے بھی نکیر نہیں کی، اور پھر اسکے بعد پورے دور صحابہ اور دور تابعین میں اس پر عمل کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری ہو چکا ہو۔ جن مسائل پر اجماع ہوا ہے ان میں سے چند بطور مثال ملاحظہ ہوں۔

(۱) جماع بدون الانزال کے موجب غسل ہونے پر صحابہ کا اجماع ہوا۔ (طحاوی ج ۱ ص ۴۷)

(۲) خیار رویت مشتری کو حاصل ہوگا۔ بائع کو نہیں ہوگا۔ (اشرف الہدایہ ج ۸ ص ۱۱۲)

(۳) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پورے رمضان مواظبت کے ساتھ بیس رکعت باجماعت تراویح پر صحابہ کا اجماع۔

(نصب الراية ج ۲ ص ۱۵۴)

(۴) دور فاروقی میں ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ اس پر اجماع ہوا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ عن ابن عباس)

(۵) دور فاروقی میں نماز جنازہ کی چار تکبیرات پر اجماع ہوا۔ (البدائع للکاسانی ج ۲ ص ۳۱۳)

(۶) تیسری اور چوتھی مرتبہ چوری کر نیوالے کا قطع نہ ہوگا۔ دور فاروقی میں اجماع ہوا (بدائع ج ۷ ص ۸۸، دارقطنی ج ۳ ص ۱۸۰)

(۷) بخاریؒ کے استاذ ابن المدینیؒ نے کہا کہ حدیث قلنیں کے خلاف حضرت ابن عباسؓ وابن زبیرؓ کا صحابہ کے مجمع میں

زمزم کے کل پانی نکالنے پر اجماع ہوا۔ (انتصار الحق ص ۲۷۵)

(۸) جمعہ کی اذان اول ضرورت کی وجہ سے دو عثمانی میں رائج ہوئی۔ اور تمام صحابہ نے اس پر بلا اختلاف اتفاق کر لیا۔ اور

اس کے بعد سواد اعظم نے عمل کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری کیا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۵)

نوٹ:- دور حاضر کے اہل حدیث، جن کو لوگ غیر مقلد، لادینی فرقہ کہتے ہیں وہ اپنے کو اہل الحدیث، محمدی، سلفی وغیرہ

کہتے ہیں، اولہ شرع چار میں سے صرف دو کو یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو مانتا ہے۔ اجماع صحابہ کو حجت شرعیہ

نہیں مانتا۔ لہذا یہ فرقہ بلا خوف اہل السنہ میں داخل اور الجماعۃ سے خارج ہے (منہاج السنہ لابن تیمیہ ج ۲ ص ۲۷۳)۔ یہ

لوگ مطلب ہوتا ہے تو مان بھی لیتے ہیں جیسے تراویح جماعت سے پورے رمضان پڑھنا، صفوں میں قدم کو قدم سے ملانا

حضور ﷺ کا قول نہیں ہے، حضرت انسؓ صحابی کا قول ہے جیسا کہ ”بخاری ص ۱۰۰ عن انس باب الزايق المنكب

بالمنكب و القدم بالقدم فی الصف“ میں موجود ہے۔

سنت خلفاء راشدین بھی اجماع امت کا ماخذ ہے۔ خیر القرون (صحابہ، تابعین، تبع تابعین) کے آثار بھی حجت شرعیہ ہیں

(۴) **قیاس، رائے یا اجتہاد:** دینی احکام کا چوتھا ماخذ ارباب علم وفقہ کا قیاس (رائے) یا اجتہاد ہے۔ قیاس شرعی یعنی

مجتہد کا اجتہاد، حجت شرعی ہے۔

قیاس شرعی کا مطلب: کتاب و سنت میں مذکور حکم یا اجماعی حکم کے ضمن میں مستور قاعدہ کلیہ کو تلاش کر کے غیر منصوص

مسئلہ کو اس قاعدہ کلیہ کے ذریعہ حل کرنا، اور اس کا حکم شرعی معلوم کرنا، مثلاً حدیث میں ہے کہ کھانے میں اگر مکھی گر جائے تو غوطہ دے

کر اسکو نکال دو، اور کھانا کھالو۔ اگر کھانے میں مکوڑا، بھڑ، مڈی، چھرو وغیرہ گر جائیں تو کیا حکم ہے؟ چونکہ ان چیزوں کا حکم نہ کتاب و سنت میں ہے نہ اجماع سے ثابت ہے۔ اسلئے امام ابو حنیفہؒ نے قیاس شرعی کے ذریعہ انکا حکم بتایا ہے، اس طور پر کہ انہوں نے مکھی کے بارے میں جو حکم منصوص ہے اسکے اندر غور کیا تو انکو اس منصوص حکم کے ضمن میں ایک مخفی قاعدہ کلیہ مل گیا، وہ یہ کہ مکھی کی وجہ سے کھانا اسلئے حرام اور ناپاک نہیں ہوتا، کہ اسکی رگوں میں گردش کرنیوالا خون موجود نہیں ہے۔ لہذا اتمام ایسی چیزیں جنکی رگوں میں گردش کرنیوالا خون نہیں ہے انکا حکم بھی مکھی والا ہوگا یعنی انکو نکال دو، اور کھانے پینے کی چیزیں کھاپی لو لیکن غوطہ دیکر نکالنا مکھی کی خصوصیت ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اسکے ایک پر میں بیماری ہے دوسرے میں شفاء ہے، وہ گرتی ہے تو ہمیشہ بیماری والا پر پہلے ڈبوتی ہے۔ لہذا انکا لئے سے پہلے اسکو غوطہ دے دیا جائے تاکہ شفاء والا بھی ڈوب جائے، اس نوع کی بات باقی چیزوں میں نہیں ہے اس لئے غوطہ دینے کی ضرورت نہیں۔

غیر مجتہد کو تقلید :- اجتہاد مجتہد کا کام ہے، غیر مجتہد کو اجتہاد کا حق نہیں ہے۔ اگر غیر مجتہد اجتہاد کرے گا تو خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ غیر مجتہد کو ان تین قسموں میں اس مجتہد کی تقلید واجب ہے جو ان کے نزدیک باقی مجتہدین کے مقابلہ میں کتاب و سنت کا زیادہ ماہر ہو۔ اور اس کے اجتہاد میں نسبتاً باقی مجتہدین کے درستی غالب ہو۔ یہ اجتہادی مسئلہ حدیث کے ضعف و صحت کا ہو یا نماز روزہ وغیرہ کا شرعی مسئلہ ہو یا احادیث کے معانی کی تشریح ہو۔ غیر مجتہد، مجتہد کے اجتہاد کی تحقیق کر سکتا ہے کہ مجتہد نے کس بنیاد پر اجتہاد کیا ہے۔ غیر مجتہدین کو نہ مجتہدین کی تحقیق پر اعتراض کا حق ہے، اور نہ ہی ان کو مجتہدین کے مقابلہ میں جاہلانہ اجتہاد کی اجازت ہے۔

فقہ کے چار مذاہب (مسالک) ہیں :- شیخ عبدالغنی نابلسیؒ اپنے رسالہ خلاصۃ التحقيق میں وضاحت کرتے ہیں ”اس وقت مذاہب (مسالک) اربعہ کو چھوڑ کر دیگر مجتہدین کے مذاہب پر عمل کی اجازت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دیگر مجتہدین کے مذہبوں میں کچھ نقصان ہے۔ اور مذاہب اربعہ ہی رائج ہیں۔ اسلئے کہ ان مجتہدین میں ایسے بھی ہیں جو تمام امت پر بھاری ہیں، بلکہ اصل وجہ ان مذاہب کو اختیار نہ کرنے کی یہ ہے کہ (۱) انکے مذاہب باقاعدہ مرتب و مدون نہیں ہو سکے (۲) ہمیں آج ان مذاہب کی شرائط و قیود کا پورا علم نہیں ہے (۳) اور وہ مذاہب ہم تک تو اتر کے طریقہ پر نہیں پہنچے۔ اگر وہ اس طریقہ پر ہم تک پہنچتے تو ہمارے لئے ان کی تقلید کرنا جائز ہوتا، مگر ایسا نہیں ہوا۔“

بہر حال چوتھی صدی میں عملاً اس بات پر اجماع ہو گیا کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید شخصی باضابطہ نہیں کی جائیگی۔

(حجۃ اللہ بالآخر ج ۱ ص ۱۵۴، عقد الجید)

غیر مقلدین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید حرام ہے، شرک ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب کہ وہ ایک رکعت بھی بغیر تقلید کے نہیں پڑھ سکتے۔ اور جب نشان دہی کی جاتی ہے اور ان کی گاڑی اٹکتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم غیر نبی کے قول و فعل کو بھی حجت مانتے ہیں۔ لیکن کسی ایک کی تقلید نہیں کرتے بلکہ جس کی چاہتے ہیں اسکی تقلید کر لیتے ہیں۔ یہ دراصل غیر مقلدیت کا چور دروازہ ہے۔

مسائل اربعہ مدون ہیں، اب کچھ ادھر اور کچھ ادھر سے مسائل نکالنا دراصل ایک نئے مسلک کی بنیاد ڈالنا ہے جو اجماع امت کے خلاف ہے۔

چاروں مسائل حق پر ہیں

شریعت اسلامیہ میں ہزاروں احکام ایسے ہیں جن پر امت مسلمہ متفق ہے، مثلاً اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، ایمان، نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ پانچ وقت کی نماز، نماز میں قیام، ایک رکوع، دو سجدے، ایک مہینہ کا روزہ، حج میں عرفات کے میدان میں جمع ہونا وغیرہ تمام احکامات پر امت مسلمہ میں کوئی اختلاف نہیں، کیوں کہ ایسے تمام احکامات کیلئے قرآن کریم کی صریح آیات یا احادیث صریحہ متواترہ (نصوص) موجود ہیں جن پر سب متفق ہیں کچھ احکامات و مسائل ایسے ہیں جن میں احادیث مختلف فیہ ہیں، اسی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان بھی اسی نوعیت کا اختلاف رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب حق و ہدایت پر تھے اور قرآن کریم نے ناصرف ان کو بلکہ ان کی پیروی کرنے والوں کو بھی رضا و مغفرت کا ابدی پیمانہ عطا فرمایا ہے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے ”وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ“۔ ترجمہ:- اور جو مہاجرین و انصار ایمان لانے میں (سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے اخلاص کیساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اس سے (اللہ سے) راضی ہوئے، اور اس نے ان کیلئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے (سورہ توبہ آیت ۱۰۰)

پس جو امور صحابہ کرامؓ کے درمیان متفق علیہ تھے وہ بعد کی امت کے حق میں حجت قطعیہ ہیں، اور کسی کو انکے خلاف کرنا جائز نہیں، اور جن مسائل میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہوا اس میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ ہر فریق عند اللہ مصیب ہے۔ دوم یہ کہ ایک فریق مصیب ہے اور دوسرا خطا پر، لیکن حدیث شریف کی رو سے جو شخص مصیب یعنی صحیح ہے اس کیلئے دو اجر اور جو خطا پر ہے اس کیلئے ایک اجر ہے۔ صحابہ کرامؓ کا اختلاف حق و ہدایت ہی کے دائرے میں تھا اور ان میں سے ہر فریق اپنے فہم و اجتہاد کے مطابق حق تعالیٰ شانہ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کوشاں تھا، جو مسائل ان اکابر کے درمیان مختلف فیہ رہے ہیں ان میں بعد کے مجتہدین کو یہ غور و فکر کا تو حق ہے کہ ان میں سے کسی کا قول رائج ہو اور کسی کا مرجوح۔ لیکن یہ حق کسی کو نہیں کہ ان میں سے کسی کو بدعت و ضلالت کی طرف منسوب کرے اور ان مسائل میں جو موقوف کسی کے نزدیک رائج ہو، اس کو اختیار کر سکتا ہے، اور قرآن کریم و سنت نبویؐ اور صحابہؓ و تابعینؒ کے تعامل کی روشنی میں اپنے موقف کی ترجیح کے دلائل بھی پیش کر سکتا ہے، لیکن کسی ایک فریق کا اپنے موقف کو قطعی حق سمجھنا اور فریق مخالف کو تارکِ حدیث سمجھنا اور اس کے موقف کو قطعی باطل اور بدعت و ضلالت کہنا درست نہیں، کیوں کہ اس سے ان کا تمام اکابر امت صحابہ و تابعین کی تسلیل لازم آتی ہے جنہوں نے یہ موقف اختیار کیا ظاہر ہے کہ اسے شرعاً و عقلاً درست نہیں کہا جاسکتا۔

اہل سنت والجماعت کا موقف ہے اپنے موقف کو صواب (صحیح) سمجھتے ہوئے فریق مخالف کے قول کو خطا و اجتہاد دی سمجھ کر اسے معذور و ماجر تصور کریں کیوں کہ حدیث شریف کی رو سے جو شخص مصیب یعنی صحیح ہے اس کیلئے دواجر اور جو خطا پر ہے اس کیلئے ایک اجر ہے۔ لیکن غیر مقلدین کا موقف گمراہ فرقوں کے مانند ہے کیونکہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ اجتہادی مسائل کا اختلاف حق و ناحق کا اختلاف ہے اور صرف ایک فریق حق پر ہے اور باقی سب گمراہ، یہ موقف اہل سنت و الجماعت کا نہیں ہے بلکہ باطل فرقوں مثلاً خوارج اور روافض کا ہے اور یہ موقف بدعت ہے۔ عام گناہ براہ راست شریعت سے ٹکراتا ہے اس کا دین و شریعت کے خلاف ہونا بالکل نمایاں ہوتا ہے لیکن ”بدعت“ کبھی سامنے سے کھلم کھلا نہیں آتی ہے، یہ کوئی ایسا دروازہ تلاش کرتی ہے جس کے خلاف شریعت کا ہونے کا وہم نہیں ہوتا بلکہ یہ دروازہ اور اس میں داخل ہونا بظاہر مستحسن معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں داخل ہو جانے کے بعد جو صورت حال پیدا ہوتی ہے اسے ”بدعت“ کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا اس کی مثال ملاحظہ ہو شریعت میں فروعی اختلافی مسائل مثلاً قرآنہ خلف الامام، آمین بالجہر، وضع یدین تحت السرہ، جلسہ استراحت، رفع یدین کا معاملہ دور صحابہ بلکہ دور نبوت سے رہا ہے، اور لوگ مختلف طریقوں سے عمل کرتے رہے ہیں، کسی نے کسی کے خلاف اصرار نہیں کیا، نہ کسی مسئلہ کو خلاف سنت کہا، نہ کسی کی تفصیل و تفسیق کی، اب آپ لوگوں نے دین میں ایک نئی بات نکالی، حدیث کے کسی ایک پہلو لے کر اڑ گئے، اور اس کے علاوہ کو خلاف سنت کہنے لگے، اور اسی کو آپ نے اپنا دین و مذہب بنالیا، یہی آپ کے نزدیک معیار حق و باطل بن گیا، اسی کی روشنی میں عقائد ڈھلنے لگے، جب کہ اس غلو، اصرار اور تنگ نظری کا دین میں اس دین میں جس پر رسول اللہ ﷺ حضرات صحابہ کو چھوڑ کر گئے تھے پتہ اور نشان نہیں ہے، اور آپ کے دین کیلئے یہی ماہ الا تمیاز بنا ہوا ہے، پس یہ بدعت ہے۔

ایک ہی امام کی اتباع کیوں؟۔ علامہ نوویؒ شرح المہذب ج ۱ ص ۵۵ میں لکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر جس مذہب کی چاہے اتباع کی اجازت دے دی جائے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہوئے مذاہب کی رخصتوں کو چبا جائیگا، اور حلال و حرام اور وجوب و جواز کے درمیان عمل کا اختیار دیا جائیگا جس کا نتیجہ بالآخر شرعی تکلیف کا چولا اتار پھینکنے کی صورت میں نمودار ہوگا۔

حنفیت کی ترجیح کی وجہ:۔ امام ابو حنیفہؒ تابعی تھے۔ (الخیرات الحسان ص ۲۱ فصل سادس لابن حجر الہیثمی مکی)۔

مبدأ و معاد ص ۳۹ میں مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں ”فقہ کے اکثر مختلف فیہ مسائل میں حق بجانب مسلک احناف ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فیوض الحرمین ص ۱۳۶ میں فرماتے ہیں ”فقہ حنفی میں ایک عمدہ طریقہ ہے جو دیگر طرق سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔“

تعریفات

حدیث: حضور ﷺ کی تعلیمات بیان کے پہلو سے ذکر کی جائیں تو حدیث کہلاتی ہے۔

مرفوع: جس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

موقوف: جس حدیث میں صحابہ کرام کے اقوال، احوال اور تقریرات کا بیان ہو۔

مقطوع: جس حدیث میں تابعین کے اقوال، افعال، اور تقریرات کا بیان ہو۔

متصل: جس حدیث کی سند سے کوئی راوی ساقط نہ ہو۔

معلق: جس حدیث کی سند کے شروع سے روایت کو حذف کر دیا جائے خواہ یہ حذف بعض کا ہو یا کل کا۔

مرسل: جس حدیث کی سند کے اخیر سے راوی کو ساقط کر دیا جائے مثلاً تابعی حضور ﷺ سے روایت کرے اور صحابی کو چھوڑ دے

معضل: درمیان سند سے دو متوالی راویوں کو چھوڑ دیا جائے۔

منقطع بمعنی اخص: دو سے زیادہ راویوں کو سند میں ایک جگہ سے یا دو راویوں کو متعدد جگہ سے چھوڑ دیا جائے۔

مضطرب: سند یا متن حدیث میں زیادتی، نقصان یا تقدیم و تاخیر کر دی جائے۔

مدرج: متن حدیث میں راوی اپنا یا غیر کا کلام ملا دے۔

شاذ: جس میں ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے (اس کا مقابل محفوظ ہے)

منکر: جس روایت میں زیادہ ضعیف راوی کم ضعیف کی مخالفت کرے (اس کا مقابل معروف ہے)

معلل: جس حدیث میں علت خفیہ قادم ہو مثلاً مرسل کو موصولاً روایت کیا جائے۔

صحیح لذاتہ: جس حدیث کے تمام راوی متصل، عادل، تام الضبط ہوں اور وہ حدیث غیر شاذ اور غیر معلل ہو۔

صحیح لغيرہ: جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور ضبط کی کمی تعدد طرق روایت سے

پوری ہو جائے

حسن لذاتہ: جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور یہ کمی تعدد طرق سے پوری نہ ہو۔

حسن لغيرہ: جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو لیکن یہ کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے

ضعیف: جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو۔ اور تعدد طرق سے وہ کمی پوری نہ ہو۔

متروک: جس حدیث کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب ہو۔

موضوع: جس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس سے وضع فی الحدیث ثابت ہو۔

غریب: جس حدیث کی سند کا کوئی راوی سلسلہ سند کے کسی شیخ سے روایت میں منفرد ہو۔

عزیز:- جس حدیث کے دو راوی ہوں پھر سلسلہ سند کے ہر راوی سے کم از کم دو شخص روایت کرتے ہوں۔
مشہور:- جو حدیث دو سے زیادہ طرق سے مروی ہو (یعنی سلسلہ سند میں کسی شخص سے بھی تین سے کم راوی نہ ہوں اور یہ زیادتی حد تو اتر سے کم ہو۔

متواتر:- جو حدیث ہر دور میں اتنے کثیر طرق سے مروی ہو کہ ان روایات کا توفیق علی الکذب عاۃً محال ہو۔

اقسام کتب حدیث

- کتب حدیث کی انواع اور اقسام کافی زیادہ ہیں یہاں پر بعض ضروری اقسام کو بیان کیا جا رہا ہے۔
- صحیح:-** جس کتاب کے مصنف نے صرف احادیث صحیحہ کا التزام کیا ہو جیسے صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ۔
- جامع:-** جس کتاب میں آٹھ عنوانوں کے تحت احادیث لائی جائیں اور وہ یہ ہیں۔ سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب جیسے بخاری اور ترمذی وغیرہ۔
- سنن:-** جس کتاب میں فقط احکام سے متعلق احادیث ہوں جیسے سنن ابوداؤد، نسائی۔
- مسند:-** جس کتاب میں ترتیب صحابہ سے احادیث لائی جائیں، جیسے مسند احمد بن حنبل۔
- معجم:-** جس کتاب میں ترتیب شیوخ سے احادیث لائی جائیں جیسے معجم طبرانی۔
- مستخرج:-** جس کتاب میں کسی اور کتاب کی احادیث کو ثابت کرنے کیلئے ان احادیث کو مصنف کتاب کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دیگر اسناد سے وارد کیا جائے۔ جیسے مستخرج لابن نعیم علی البخاری۔
- مستدرک:-** جس کتاب میں مختلف ابواب کے تحت ان احادیث کو لایا جائے جو ان ابواب میں کسی اور مصنف سے رہ گئی ہوں جیسے حاکم کی مستدرک علی الصحیحین۔
- رسالہ:-** جس کتاب میں جامع کے آٹھ عنوانوں میں سے کسی ایک عنوان کے تحت احادیث ہوں جیسے امام احمد کی کتاب الزہد، آداب میں اور ابن جریر طبری کی کتاب تفسیر میں۔
- جز:-** جس کتاب میں صرف ایک موضوع پر احادیث ہوں جیسے امام بخاری کی جزء القراءة خلف الامام۔
- اربعین:-** جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں جیسے اربعین نووی۔
- امالی:-** جس کتاب میں شیخ کے املاء کرائے ہوئے فوائد حدیث ہوں جیسے امالی امام محمد۔
- اطراف:-** جس کتاب میں حدیث کا صرف وہ حصہ ذکر کیا جائے جو بقیہ پر دلالت کرے اور پھر اس حدیث کے تمام طریق اور اسانید بیان کر دیے جائیں یا بعض مخصوصہ کی اسانید بیان کی جائیں۔ جیسے اطراف الکتب الخمسة لابن العباس اور اطراف المزی۔

فقہی اصطلاحات

فقہاء کرام نے مآخذ شرعیہ سے ثابت شدہ حکم کی شرعی حیثیت کا تعین کیا ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

فروض :- وہ حکم ہے جس کا لزوم دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ دلیل قطعی تین چیزیں ہیں۔

(۱) قرآن کی آیت جس کے معنی میں ائمہ کا اختلاف نہ ہو۔ (۲) حدیث متواتر جس حدیث کے راوی اس قدر زیادہ ہوں

کہ ان سب کا جھوٹا ہونا عقلاً محال ہو۔ اور یہ زیادتی شروع سے اخیر راوی تک ہر طبقہ میں رہے۔ (۳) اجماع امت جیسے

نماز پنجگانہ وغیرہ۔

فرض کا منکر کا فر ہے۔ بلا عذر چھوڑنے والا فاسق اور عذاب الیم کا مستحق ہے۔

فرض کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ۔

فرض عین :- جس کا ادا کرنا ہر شخص پر ضروری ہو۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اسلامی عقائد اور فرض عبادتوں کا سیکھنا۔ فرض

عین کا بلا عذر چھوڑنے والا فاسق اور گناہ گار ہے۔

فرض کفایہ :- جو ایک دو آدمیوں کے ادا کرنے سے سب کے ذمہ سے اتر جائیگا۔ کوئی بھی نہ کرے تو سب گنہگار ہو

ں گے جیسے نماز جنازہ، عالم دین بننا۔

نماز کے فرائض :- سے مطلب وہ چیزیں ہیں کہ ان کے چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوتی۔ اور نماز لوٹانا فرض ہوتا ہے

واجب :- وہ حکم ہے جس کا لزوم دلیل ظنی سے ہو۔ دلیل ظنی تین چیزیں ہیں۔ (۱) قرآن کی آیت جس کے معنی میں دوسرا بھی احتمال

ہو (۲) ایسی حدیث جس کے راوی بہت نہ ہوں کہ تواتر کے درجہ کو پہنچے۔ (۳) قیاس اہل اجتہاد۔

واجب کی مثال فرض نماز کی جماعت، عیدین کی نمازیں۔

واجب کی دو قسمیں ہیں (۱) واجب عین (۲) واجب کفایہ۔

واجب عین :- جس کا ادا کرنا ہر مسلمان پر علیحدہ علیحدہ واجب ہے۔ جیسے نماز وتر، نماز عید وغیرہ۔

واجب کفایہ :- ایسا واجب کہ اگر کچھ مسلمان ادا کریں تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے، ورنہ سب گنہگار ہوں گے

جیسے تبلیغ دین۔

نماز کے واجبات :- کا حکم یہ ہے کہ جس کا نماز میں ادا کرنا ضروری ہے اس کو قصد اچھوڑنے سے نماز تو ہو جاتی ہے مگر

ناقص یعنی مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہوتی ہے۔ ہاں اگر واجب بھولے سے چھوٹ جائے تو اس کیلئے سجدہ سہو کافی ہوتا

ہے۔ ہاں اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز وقت کے اندر لوٹانی واجب ہے۔

سنت :- جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا ہو یا کرنے کا حکم دیا ہو۔

سنت کی دو قسمیں ہیں (۱) سنتِ موکدہ (۲) سنتِ غیر موکدہ۔

سنتِ موکدہ:- وہ کام جسے حضور ﷺ اکثر کرتے رہے ہوں یا کرنے کے لئے فرمایا ہو۔ اور بلا عذر کبھی نہ چھوڑا ہو جیسے صبح کی سنتیں۔ اس کا چھوڑنا گناہ ہے۔

سنتِ غیر موکدہ:- وہ کام جسے حضور ﷺ نے اکثر کیا ہو، اور کبھی بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو، ایسی سنت کے چھوڑنے سے گناہ نہیں ہوتا۔

پھر سنت کی اور دو قسمیں ہیں (۱) سنتِ عین (۲) سنتِ کفایہ۔

سنتِ عین:- جس کا ادا کرنا ہر مسلمان کے لئے علیحدہ علیحدہ سنت ہے جیسے عام سنتیں۔

سنتِ کفایہ:- ایسی سنت کہ اگر کچھ مسلمان ادا کریں تو سب کی طرف سے ادائیگی ہو جائے ورنہ سب پر سنت چھوڑنے کا بار رہیگا۔ جیسے اعتکاف

نوٹ:- (۱) جس سنت کا ثبوت حدیث متواتر سے ہے اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ اور جس سنت کا ثبوت حدیث مشہور سے ہو اس کا منکر فاسق ہو جاتا ہے۔ اگر سنت کا ثبوت حدیث احاد سے ہے تو اسکے منکر کو بدعتی اور مسمی کہتے ہیں۔ اگر سنت اتفاقاً ترک ہو جائے کچھ حرج نہیں۔ اگر عادت کر لی تو اسکے ترک پر اس کو ملامت کرنا چاہئے۔ وہ گمراہ ہے اور شفاعت سے محروم رہے گا۔ (۲) نماز میں سنتِ موکدہ قصد آیا سہواً چھوٹ جائے تو نماز مکروہ تنزیہی ہوگی۔ نماز کا اعادہ یعنی دہرانا نہیں ہے، البتہ ثواب کم ہو جائے گا۔

مستحب:- جس کام کے کرنے کا ثواب حضور ﷺ نے بیان فرمایا ہو، اور گاہے خود بھی عمل کیا ہو، اور وہ عبادت کے باب سے ہو عادت کے باب سے نہ ہو۔ مستحب کے کرنے میں ثواب ہے، نہ کرنے میں کوئی عذاب نہیں ہے مستحب کا منکر نہ تو کافر ہے نہ فاسق، نہ مبتدع نہ مسمی۔ ہاں کرنے والا ثواب اور فضیلت کا مستحق ہے۔

مباح:- وہ کام جس کے کرنے میں نہ ثواب ہو اور نہ، نہ کرنے میں گناہ ہو۔

نفل:- جس چیز کی فضیلت آئی ہو اور کرنے میں ثواب ہو، اور چھوڑنے میں عذاب نہ ہو، نفل کو مستحب، مندوب اور تطوع بھی کہتے ہیں۔

حرام:- وہ کام جس کی حرمت اور مخالفت دلیل قطعی سے ثابت ہو جیسے جھوٹی گواہی دینا، چغلی، چوری، شراب پینا، سود لینا، رشوت، جوا وغیرہ۔

حرام کا منکر کافر ہو جاتا ہے، اور بغیر عذر کے اس کا مرتکب فاسق اور مستحق عذاب و سزا ہوتا ہے۔

مکروہ:- یعنی ناگوار اور برا۔ مکروہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مکروہ تحریمی (۲) مکروہ تنزیہی۔

مکروہ تحریمی:- جس کی ممانعت اور ناپسندیدگی دلیل ظنی سے ہو۔ ایسا برا کام جو حرام کے قریب قریب ہو۔ مکروہ

تحریکی کا منکر کافر تو نہیں ہوتا لیکن عمل میں لانے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔

مکروہ تنزیہی:۔ تنزیہ کے معنی پاک و صاف۔ مکروہ تنزیہی ایسا فعل جو پاکباز کو نہیں کرنا چاہئے۔ یعنی ایسا برا کام جس کی برائی معمولی ہو، شریعت میں غیر مناسب سمجھا جاتا ہو، اس کا چھوڑنا اچھا ہوتا ہے، اور کرنا پاکبازی کے خلاف ہے بچ جائے تو ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

نوٹ:۔ نماز میں مکروہ تحریکی سے بچنا ضروری ہے اور اسکے کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ اور مکروہ تنزیہی کا کرنا خلاف اولیٰ ہے

مسائل نماز

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟

نماز میں ہاتھ باندھنا تو جمہور کے نزدیک سنت ہے (سوائے مالکیہ کے)۔ لیکن ”محل وضع“ (کہاں باندھے جائیں) اس میں اختلاف ہے۔

احناف:۔ احناف کے نزدیک نماز میں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔

مالکیہ:۔ مالکیہ کے نزدیک فرض نماز میں مستحب یہ ہے کہ دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں باندھے نہ جائیں۔

شوافع:۔ شوافع کے نزدیک سینہ کے نیچے، ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا مستحب ہے۔

حنابلہ:۔ امام احمد سے تین روایتیں ہیں (۱) ناف کے نیچے (۲) ناف کے اوپر (۳) اور دونوں جگہ باندھنے کی گنجائش ہے، البتہ متون میں جو قول لیا گیا ہے وہ ناف کے نیچے باندھنے کا ہے۔

ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے، جائز اور ناجائز کا نہیں ہے۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حقیقت

غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت ہے، اس کی دلیل میں عام طور پر وہ چار قسم کی روایات پیش کرتے ہیں۔

- (۱) حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت:- اس کی اسناد میں نظر ہے اور ”علیٰ صدہ (سینہ پر)“ کی زیادتی غیر محفوظ ہے۔
- (۲) حضرت قبیصہ بن ہلبؓ کی روایت:- اس میں ”علیٰ صدہ (سینہ پر)“ کی زیادتی غیر محفوظ ہے۔ اور اس کی اسناد میں کلام ہے۔

(۳) حضرت طاؤسؓ کی روایت:- اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اور وہ صحابی کا نام لئے بغیر براہ راست حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں اس لئے یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایات غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہیں۔

(۴) سینہ پر ہاتھ باندھنے کے باب میں دوسری تمام روایات ضعیف ہیں۔ اور اس باب میں کچھ ”آثار“ بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ ”آثار“ سلف (صحابہ و تابعین) کے اقوال یا افعال ہیں اسلئے غیر مقلدین کو دلائل میں ان آثار کو پیش کرنا حق ہی نہیں ہے اور ان کی طرف سے ناقابل قبول ہے

غرض سینہ پر ہاتھ باندھنے کی سنت کی دلیل میں اصول حدیث کی رو سے کوئی ”صحیح مرفوع حدیث“ موجود ہی نہیں ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک صرف ”صحیح حدیث“ حجت ہے اس لئے ان کا سینہ پر ہاتھ باندھنے کا دعویٰ رد ہے اور ان کے پاس اس سلسلہ میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور بغیر دلیل کے عمل کرنا ان کے نزدیک ”شُرک“ ہے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات

- حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز میں داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے دیکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ”وضع الیمین علی الشمال“ ج ۳ ص ۳۲۰ طبع کراچی)
- حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، نماز میں ہتھیلی پر ہتھیلی ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔

(ابن ابی شیبہ ”وضع الیمین علی الشمال“ ج ۳ ص ۳۲۲، ابوداؤد حدیث ۵۶۷۹ ص ۱۲۷)

الکتب السیۃ طبع سعودیہ عربیہ، مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۰، دارقطنی ۱/۲۸۶، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۳۱، مسند بزار ۱۱۰/۱۱۰)

- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا نماز میں ہتھیلیوں کو ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(ابوداؤد حدیث ۵۸۷۹ ص ۱۱۲، الکتب السیۃ طبع سعودیہ عربیہ)

- حضرت حجاج بن حسانؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جہلؓ سے سنا (راوی کہتے ہیں) میں نے ان

سے دریافت کیا کہ (حضور اکرم ﷺ ہاتھوں کو) کیسے رکھتے تھے، تو فرمایا کہ وہ (حضور ﷺ) اپنے دائیں ہتھیلی کے اندرونی حصہ کو اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے ظاہری حصہ پر رکھتے تھے اور ان دونوں کو ناف سے نیچے رکھ لیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ "وضع الیمین علی الشمال" ج ۳ ص ۳۲۳)

● حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ وہ (حضور ﷺ) نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ "وضع الیمین علی الشمال" ج ۳ ص ۳۲۲)

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟

غیر مقلدین کا مسلک:۔ غیر مقلدین (فرقہ اہل حدیث) کا مسلک یہ ہے کہ "بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر سینے پر باندھنا سنت ہے"

احناف کا مسلک:۔ احناف کے نزدیک "بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے"

نکتہ اختلاف:۔ غیر مقلدین (فرقہ اہل حدیث) کا مسلک یہ ہے کہ "بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر سینے پر باندھنا سنت ہے"، اس کے خلاف جائز نہیں ہے۔ اور احناف کے نزدیک "بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے"، یہ اولیٰ ہے۔

یعنی غیر مقلدین اور احناف دونوں کے نزدیک انکا مذکورہ عمل "سنت" ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں کے نزدیک سنت سے کیا مراد ہے؟ چنانچہ شامی میں ہے

وَالسُّنَّةُ نَوْعَانِ: سُنَّةُ الْهُدَى، وَتَرْكُهَا..... فِي لِبَاسِهِ وَقِيَامِهِ وَقُعُودِهِ. **ترجمہ:**۔ اور سنت کی دو قسمیں ہیں: (۱) پہلی قسم ہے سنت ہدیٰ (یعنی سنت اصلی یا سنت مؤکدہ): اور اسکا ترک کر دینا گناہ اور کراہت کو واجب کر دیتا ہے، جیسے جماعت اور اذان اور اقامت اور اسکے مثل چیزیں۔ (۲) اور دوسری قسم ہے سنت زوائد: اور اس کا ترک کر دینا اس کو واجب نہیں کرتا جیسا کہ نبی ﷺ کے عادات و اطوار آپ کے لباس میں آپ کے کھڑے ہونے میں اور آپ کے بیٹھنے میں۔

(شامی کتاب الطہارت حاشیہ، مطلب فی السنة وتعریفہا ج ۱ ص ۲۱۸)

سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہے کہ "السُّنَنُ الْمُؤَكَّدَةُ الْقَرِيبَةُ مِنَ الْوَاجِبِ الَّتِي يُضِلُّ تَارِكُهَا، لِأَنَّ تَرْكَهَا اسْتِخْفَافٌ بِالِدِّينِ. **ترجمہ:**۔ سنت مؤکدہ واجب کے ایسے قریب ہے جس کا چھوڑنے والا گمراہ ہو جاتا ہے اسلئے کہ اس کا ترک کرنا دین کو ہلکا کرنا ہے (شامی کتاب الطہارۃ ج ۱ ص ۲۱۹)۔ معلوم ہوا کہ سنت مؤکدہ کا چھوڑنا نماز کے فساد کو واجب کرتا ہے۔ چونکہ غیر مقلدین کے نزدیک سینہ پر ہاتھ باندھنا "سنت" ہے اور اس کے خلاف جائز نہیں۔ غیر مقلدین ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو خلاف سنت اور گناہ کہتے ہیں، بلکہ یہ حکم لگاتے ہیں کہ اس سے نماز نہیں ہوتی، نیز یہ بھی دعویٰ کر

تے ہیں کہ ہمارے نزدیک صرف ”صحیح حدیث“ حجت ہے۔ اس لئے غیر مقلدین سینہ پر ہاتھ باندھنے کو جو ”سنت“ کہتے ہیں وہ دراصل ”سنتِ مؤکدہ“ کے حکم میں ہے، جو واجب کے قریب ہے۔ جس کا لزوم دلیل ظنی سے ہو۔ یعنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کی دلیل میں غیر مقلدین کو صحیح صریح حدیث پیش کرنا چاہئے۔

احناف کے نزدیک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا جو ”سنت“ ہے۔ وہ دراصل ”سنن زوائد“ میں سے ہے کیونکہ شامی میں ہے کہ (وَسُنَنُهَا) تَرْكُ السُّنَّةِ لَا يُوجِبُ فُسَادًا وَلَا سَهْوًا بَلْ إِسَاءَةٌ لَوْ غَامِدًا غَيْرُ مُسْتَحْفٍ وَقَالُوا: إِلَّا سَاءَةٌ أَذُونُ مِنَ الْكَرَاهَةِ، ثُمَّ هِيَ عَلَى مَا ذَكَرَهُ ثَلَاثَةٌ وَعِشْرُونَ..... (وَالشَّاءُ وَالتَّعَوُّذُ وَالتَّسْمِيَةُ وَالتَّامِينُ) وَكَوْنُهُنَّ (سِرًّا وَضَعٌ يَمِينِهِ عَلَى يَسَارِهِ) وَكَوْنُهُ (تَحْتَ السَّرَّةِ) لِلرَّجَالِ. ترجمہ :- اور اس (نماز) کی سنتیں۔ سنت کا چھوڑنا فساد (نماز کو فاسد کرنا) اور (سجدہ) سہو کو واجب نہیں کرتا۔ بلکہ گناہ کو واجب کرتا ہے اگر جان بوجھ کر چھوڑے (سنت کو) بغیر ہلکا سمجھے ہوئے (سنت کو ہلکا یا معمولی سمجھ کر چھوڑنا تو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے)۔ اور کہا (اساءة) اسکا گناہ مکروہ سے قریب تر ہے۔ اور (نماز کی) سنتیں تیس (۲۳) ہیں..... (اور ثناء اور تعوذ اور تسمیہ اور آمین کہنا) اور ان کا آہستہ ہونا (اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا) اور اس کا ہونا (ناف کے نیچے) مردوں کیلئے،..... (شامی کتاب الصلوٰۃ رباب صفة الصلوٰۃ ج ۲ ص ۱۷۰ تا ۱۷۱)

درج بالا جو سنتیں نماز کی بیان کی گئی ہیں وہ سنن زوائد ہیں کیونکہ اسکا چھوڑنا فساد اور سہو کو واجب نہیں کرتا، اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا بھی انہیں سنتوں میں شامل ہے اسلئے احناف کا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنن زوائد کے حکم میں سے ہے۔

پس ثابت ہوا کہ غیر مقلدین سینہ پر ہاتھ باندھنے کو جو سنت کہتے ہیں وہ سنتِ مؤکدہ ہے۔ اس کی دلیل میں انہیں ”صحیح صریح حدیث“ پیش کرنا چاہئے۔ اور احناف ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو جو سنت کہتے ہیں وہ سنن زوائد میں سے ہے اور سنن زوائد ضعیف احادیث سے بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔

سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایات

جو لوگ سینے پر ہاتھ باندھنے کی سنیت کے قائل ہیں وہ عام طور پر دلائل میں چار قسم کی روایات پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات (۲) حضرت ہلبؓ کی روایات

(۳) حضرت طاووسؓ کی روایت (۴) دیگر روایات اور صحابہؓ و تابعینؓ کے آثار۔

(۱) حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات :- ● أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ، نَا أَبُو بَكْرٍ، نَا أَبُو مُوسَى، نَا مُؤَمَّلٌ، نَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى

عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ. ترجمہ:- حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کیساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھا۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۳)

استدلال پر اعتراضات:-

(۱) آثار السنن سے:- اس کی اسناد میں نظر (کلام) ہے۔ اور زیادتی ”علیٰ صدرہ“ یعنی سینے پر ”غیر محفوظ ہے“۔

(آثار السنن ص ۱۴۰)

(۲) ایضاح الادلہ سے:- علامہ ابن قیمؒ نے ”اعلام الموقعین“ (ج ۳ ص ۹۰ مثلاً نمبر ۶۲) میں لکھا ہے کہ ”علیٰ صدرہ“

کی زیادتی صرف مؤمل بن اسماعیل کی روایت میں ہے اور مؤمل بن اسماعیل کو امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے۔ امام

بخاری جس راوی کے بارے میں منکر الحدیث کہہ دیں اس سے روایت جائز ہی نہیں ہے۔ (ایضاح الادلہ ص ۹۳، ۹۴)

(۳) تخریج صلوٰۃ الرسول سے:- یہ سند ضعیف ہے کیونکہ مؤمل بن اسماعیل سنی الحفظ ہے جیسا کہ ابن حجرؒ نے تقریب

(ج ۲ ص ۲۹۰) میں کہا ہے۔ ابو زرعمہ نے کہا ہے کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے۔ امام بخاریؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔

ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حافظ عالم ہے مگر غلطیاں کرتا ہے میزان ج ۴ ص ۲۲۸۔ (تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۲۸ حاشیہ)

(۴) تجلیات صفدر سے:- ”علیٰ صدرہ“ کی زیادتی غیر محفوظ ہے۔

مذکورہ روایت (حضرت وائل بن حجرؓ) کی سندیں درج ذیل ہیں۔

(۱) نَامُؤْمَلٌ، نَاسُفِيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُثَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۳)۔ صرف

اس سند (صحیح ابن خزیمہ کی بطریق مؤمل بن اسماعیل) میں ”علیٰ صدرہ“ موجود ہے۔

[انہیں مؤمل بن اسماعیل کے طریق سے علیٰ صدرہ والی روایت بیہقی میں بھی موجود ہے۔ اس روایت کو حضرت

وائلؒ سے ان کی اہلیہ ام یحییٰ، پھر ان سے انکے لڑکے عبد الجبار، پھر ان سے انکے لڑکے سعید بن عبد الجبار، پھر ان سے انکے

بھتیجے محمد بن حجر بن عبد الجبار بھی روایت کرتے ہیں، مگر چونکہ محمد کی اپنے چچا سے روایتیں منکر ہوتی ہیں، محمد بن حجر کے متعلق

ذہبی نے کہا ہے کہ اسکے پاس مناکیر ہیں اور امام بخاریؒ سے نقل کیا ہے۔ ”فِيهِ بَعْضُ النَّظَرِ“ اس میں کچھ نظر ہے میزان

(ج ۳ ص ۵۱۱)۔ اور ام یحییٰ مجہول ہیں، اسلئے بیہقی کی یہ روایت متابعت کے قابل بھی نہیں ہے۔]

لیکن انہیں سفیان عن عاصم کی سند سے جو مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۸ پر ہے وہ اس طرح ہے..... عَبْدُ اللَّهِ بْنُ

أَبُو الْوَلِيدِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُثَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، اس میں علیٰ صدرہ نہیں ہے۔

(۲) زَائِدَةُ عَنْ عَاصِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (نسائی باب موضع اليمين من الشمال في الصلوة ج

۱ ص ۱۴۱) اسمیں ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے۔

(۳) بِشْرُ بْنُ مُفَضَّلٍ عَنْ عَاصِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۲) میں ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے

(۴) عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ وَبِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (ابن ماجہ ص ۵۹) انہیں بھی ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے۔

(۵) عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (احمد ج ۴ ص ۳۱۶) میں بھی ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے۔

(۶) زُهَيْرُ بْنُ مَعَاوِيَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (احمد ج ۴ ص ۳۱۸) میں بھی ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے۔

(۷) شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (احمد ج ۴ ص ۳۱۹) میں بھی ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے۔

(۸) سَلَامُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (طیالسی) میں بھی ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے۔

(۹) خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (بیہقی ج ۲ ص ۱۳۱) میں بھی ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے

مذکورہ ۹ سندوں میں سے ۸ سندوں میں ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے اسکا ذکر صرف سفیان کے طریق میں ہے (اور وہ بھی صرف صحیح ابن خزیمہ میں جب کہ سفیان کی اسی سند میں مسند احمد میں علیٰ صدرہ نہیں ہے) اور سفیان (امام سفیان ثوری) خود مجتہد ہیں اور ان کا عمل اس حدیث پر نہیں (یعنی سفیان سینے پر ہاتھ نہیں باندھتے) خود امام نووی شرح مسلم میں تحریر کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ہمارے اصحاب میں سے ابو اسحاق مروزی فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جائیں۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۷۳)

امام سفیان ثوریؒ کی جس روایت میں ”علیٰ صدرہ“ کا لفظ ہے اسے صرف مؤمل بن اسماعیل روایت کرتے ہیں یعنی وہ ”مفرد“ ہیں۔ اور مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں ماہرین اسماء الرجال کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

مؤمل بن اسماعیل: (۱) امام بخاری ان کو منکر الحدیث کہتے ہیں (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۲۲۸) (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۴۰) اور خود امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہر وہ راوی جسکو میں منکر الحدیث کہوں اس سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵)

(۲) ابن سعد کہتے ہیں یہ ثقہ ہیں اور بہت غلطیاں کرتے تھے۔

(۳) ابن قانع کہتے ہیں صالح مگر خطا کار ہیں۔

(۴) دارقطنی کہتے ہیں ثقہ ہیں لیکن بہت خطا کرتے ہیں۔

(۵) امام ابو حاتم انہیں کثیر الخطاء کہتے ہیں۔ اور امام ابو زرہ کہتے ہیں اسکی حدیث میں بہت غلطیاں ہیں (میزان الاعتدال)

(۶) امام ذہبی کہتے ہیں سچے ہیں اور سنت میں شدید ہیں اور کثیر الخطاء ہیں۔ (میزان الاعتدال)

(۷) مروزی نے کہا جب مؤمل حدیث میں مفرد ہوں تو واجب یہ ہے کہ توقف کیا جائے اسلئے کہ خراب حافظے اور کثیر غلطیوں

والے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۴۰)

(۸) ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ مؤمل بن اسماعیل کی جو حدیث ثوری سے ہو اس میں ضعف ہوتا ہے (فتح الباری ج ۹ ص ۲۰۶)

(تجلیات صفدر ج ۳ ص ۵۱۶ تا ۵۱۸)

مختصر یہ کہ مؤمل بن اسماعیل جب اکیلے ہوں تو ان کا تفرّد قبول نہیں کیا جائیگا اور صحیح ابن خزیمہ کی سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت میں مؤمل بن اسماعیل منفرد ہیں اور ان پر درج بالا کلام ہیں اور مؤمل بن اسماعیل ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ ان سے زیادہ ثقہ راوی ”علیٰ صدرہ“ نقل نہیں کرتے۔ اسلئے ”علیٰ صدرہ“ غیر محفوظ ہے۔ ان تمام وجوہات کی بناء پر صحیح ابن خزیمہ کی روایت، سینہ پر ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں قابل استدلال نہیں۔

مزید یہ کہ اس روایت میں سفیان ثوری بھی ہیں اور آج کل کے غیر مقلدین کہتے ہیں کہ سفیان ثوری مدلس ہیں اور ”عن“ سے روایت کرتے ہیں اسلئے خود انکی توجیہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ غرض صحیح ابن خزیمہ کی یہ روایت غیر محفوظ ہے اور اس کی اسناد میں نظر ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک صرف ”صحیح حدیث“ بخت ہے اس لئے اس روایت سے ان کا استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

صحت روایت کی جانچ کا نمونہ: (صحت روایت کی جانچ کیلئے ابتداء میں طریقہ بالتفصیل پیش کیا جا رہا ہے

آئندہ کی روایات میں اختصار سے کام لیا جائیگا، مذکورہ طریقہ کے مطابق کسی بھی روایت کی صحت کی جانچ کی جاسکتی ہے)

صحیح حدیث کی تعریف:۔ جس حدیث کے تمام راوی متصل، عادل، تام الضبط ہوں اور وہ حدیث غیر شاذ اور غیر معلل ہو۔

معلوم ہوا کہ صحیح حدیث کی پانچ شرائط ہیں (۱) متصل (۲) عادل (۳) تام الضبط (۴) غیر شاذ (۵) غیر معلل

اب دیکھا جائے کہ مؤمل ابن اسماعیل کی روایت میں ان پانچوں میں سے کتنی شرائط موجود ہیں۔

(۱) **متصل:**۔ ہماری نظر سے ابھی تک اس روایت کی اتصال میں اختلاف کی بحث نہیں گذری۔

(۲) **عادل:**۔

مؤمل بن اسماعیل:۔ (۱) امام بخاری ان کو منکر الحدیث کہتے ہیں (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۲۲۸) (تہذیب

التہذیب ج ۱۰ ص ۳۴۰) اور خود امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہر وہ راوی جس کو میں منکر الحدیث کہوں اس سے حدیث

روایت کرنا جائز نہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵)

(۲) ابن سعد کہتے ہیں یہ ثقہ ہیں اور بہت غلطیاں کرتے تھے۔

(۳) ابن قانع کہتے ہیں صالح مگر خطا کار ہیں۔

(۴) دارقطنی کہتے ہیں ثقہ ہیں لیکن بہت خطا کرتے ہیں۔

(۵) امام ابو حاتم انہیں کثیر الخطاء کہتے ہیں۔ اور امام ابو زرہ کہتے ہیں اسکی حدیث میں بہت غلطیاں ہیں (میزان الاعتدال)

(۶) امام ذہبی کہتے ہیں سچے ہیں اور سنت میں شدید ہیں اور کثیر الخطاء ہیں۔ (میزان الاعتدال)

(۷) مروزی نے کہا جب مؤمل حدیث میں منفرد ہوں تو واجب یہ ہے کہ توقف کیا جائے اسلئے کہ خراب حافظے اور کثیر غلطیوں والے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۴۰)

(۸) ابن حجر نے کہا ہے کہ مؤمل بن اسماعیل کی جو حدیث ثوری سے ہو اس میں ضعف ہوتا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۲۰۶) (تجلیات صفدر ج ۳ ص ۵۱۶ تا ۵۱۸)

مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں اسماء الرجال کی کتابوں میں اتنے کلام ہیں وہ کس طرح عادل ہو سکتے ہیں؟ اسلئے دوسری شرط پوری نہیں ہوتی۔

(۳) **تام الضبط**:- حضرت وائل بن حجر کی روایت جس میں نماز میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے اس کی سندیں اور ”علی صدرہ یعنی سینہ پر“ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) نَامُؤْمَلٌ، نَاسُفَيَانٌ عَنْ عَاصِمٍ ابْنِ كَلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ۔ صرف اس سند (صحیح ابن خزیمہ کی بطریق مؤمل بن اسماعیل) میں ”علی صدرہ“ موجود ہے۔

انہیں مؤمل بن اسماعیل کے طریق سے علی صدرہ والی روایت بیہقی میں بھی موجود ہے۔ اس روایت کو حضرت وائل سے ان کی اہلیہ ام یحییٰ، پھر ان سے انکے لڑکے عبد الجبار، پھر ان سے ان کے لڑکے سعید بن عبد الجبار، پھر ان سے ان کے بھتیجے محمد بن حجر بن عبد الجبار بھی روایت کرتے ہیں، مگر چونکہ محمد کی اپنے چچا سے روایتیں منکر ہوتی ہیں، محمد بن حجر کے متعلق ذہبی نے کہا کہ اس کے پاس مناکیر ہیں اور امام بخاری سے نقل کیا ہے۔ ”فِيهِ بَعْضُ الضَّلَالِ“ اس میں کچھ نظر ہے میزان (ج ۳ ص ۵۱۱)۔ اور ام یحییٰ مجہول ہیں، اسلئے بیہقی کی یہ روایت متابعت کے قابل بھی نہیں ہے۔

لیکن انہیں سفیان عن عاصم کی سند سے جو مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۸ پر ہے وہ اس طرح ہے..... عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي الْوَلِيدِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كَلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، اس میں علی صدرہ نہیں ہے۔

(۲) زَائِدَةُ عَنْ عَاصِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (نسائی ج ۱ ص ۱۴۱) اسمیں ”علی صدرہ“ نہیں ہے۔

(۳) بِشْرُ بْنُ مَفْضَلٍ عَنْ عَاصِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۲) میں ”علی صدرہ“ نہیں ہے۔

(۴) عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ وَبِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَاصِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (ابن ماجہ ص ۵۹) اسمیں بھی ”علی صدرہ“ نہیں ہے

(۵) عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنْ عَاصِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (احمد ج ۴ ص ۳۱۶) میں بھی ”علی صدرہ“ نہیں ہیں

(۶) زُهَيْرُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ عَاصِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (احمد ج ۴ ص ۳۱۸) میں بھی ”علی صدرہ“ نہیں ہے

(۷) شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (احمد ج ۴ ص ۳۱۹) میں بھی ”علی صدرہ“ نہیں ہے
(۸) سَلَامُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (طیلسی) میں بھی ”علی صدرہ“ نہیں ہے۔

(۹) خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ (بیہقی ج ۲ ص ۱۳۱) میں بھی ”علی صدرہ“ نہیں ہے
مذکورہ ۹ سندوں میں سے ۸ سندوں میں ”علی صدرہ“ نہیں ہے اس کا ذکر صرف سفیان کے طریق میں ہے (اور وہ بھی صرف صحیح ابن خزیمہ میں جب کہ سفیان کی اسی سند میں مسند احمد میں علی صدرہ نہیں ہے) اور سفیان (امام سفیان ثوری) خود مجتہد ہیں اور ان کا عمل اس حدیث پر نہیں (یعنی سفیان سینے پر ہاتھ نہیں باندھتے)۔ خود امام نووی شرح مسلم میں تحریر کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، ہمارے اصحاب میں سے ابو اسحاق مروزی فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جائیں۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۷۳)

ان تمام وجوہات کی بناء پر ”علی صدرہ یعنی سینہ پر“ کا لفظ کس طرح تام الضبط ہو سکتا ہے؟ اسلئے تیسری شرط بھی پوری نہیں ہوتی۔

(۴) **غیر شاذ:**۔ مؤمل بن اسماعیل ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں (کیونکہ وہ رواۃ ”علی صدرہ“ نہیں بیان کرتے)۔ اسلئے یہ روایت شاذ ہے۔

مزید یہ کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کا موقف بھی شاذ ہے کیونکہ نماز میں ہاتھ باندھنا تو جمہور کے نزدیک سنت ہے۔ (سوائے مالکیہ کے) لیکن ”محل وضع“ (کہاں باندھے جائیں) اس میں اختلاف ہے۔

احناف:۔ احناف کے نزدیک نماز میں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔

مالکیہ:۔ مالکیہ کے نزدیک فرض نماز میں مستحب یہ ہے کہ دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں باندھے نہ جائیں۔

شوافع:۔ شوافع کے نزدیک سینہ کے نیچے، ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا مستحب ہے۔

حنابلہ:۔ امام احمد سے تین روایتیں ہیں (۱) ناف کے نیچے (۲) ناف کے اوپر (۳) اور دونوں جگہ باندھنے کی گنجائش ہے، البتہ متون میں جو قول لیا گیا ہے وہ ناف کے نیچے باندھنے کا ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کا مسلک اہلسنت والجماعت میں سے کسی کا نہیں ہے، یہ مسلک شاذ ہے۔ اسلئے چوتھی شرط بھی پوری نہیں ہوتی

(۵) **غیر معلل:**۔ مؤمل بن اسماعیل جب اکیلے ہوں تو ان کا تفرّد قبول نہیں کیا جائیگا اور صحیح ابن خزیمہ کی سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت میں مؤمل بن اسماعیل منفرد ہیں اور ان پر درج بالا کلام ہیں اور مؤمل بن اسماعیل ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ ان سے ثقہ راوی ”علی صدرہ“ نقل نہیں کرتے۔ اس لئے ”علی صدرہ“ غیر محفوظ ہے۔

معلوم ہوا کہ روایت غیر محفوظ ہے۔ اس لئے پانچویں شرط پوری نہیں ہوتی۔

صحیح حدیث کی پانچ شرائط میں سے اس روایت میں چار شرائط یقیناً پوری نہیں ہوتیں۔ اس لئے یہ روایت ”صحیح“ نہیں ہے
غیر مقلدین کی تقلید:۔ اس کے برخلاف غیر مقلدین کا اصرار یہ ہے کہ یہ روایت ”صحیح“ ہے۔

اصل میں ان کے پاس دلیل کے نام پر یہی ایک روایت صریح ہے جس کو صحیح ثابت کرنے کیلئے وہ ہاتھ پیر مارتے رہتے ہیں اور مختلف توجیہات پیش کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں مثلاً

(۱) مذکورہ روایت مؤمل بن اسماعیل سے نہیں مروی ہے بلکہ یہ مؤمل بن فلاں یا بن فلاں ہیں۔

(۲) اس روایت کو علامہ البانی، ابن حجر عسقلانی، امام نووی یا فلاں فلاں پائے کے محققین نے ”صحیح“ کہا ہے۔

جوابات:۔ (۱) صحیح ابن خزیمہ جب سے تالیف کی گئی ہے تب سے اب تک اس روایت پر جو کچھ لکھا گیا ہے کسی میں یہ

بحث نہیں ہے کہ ”اس روایت کے راوی مؤمل بن اسماعیل نہیں بلکہ مؤمل بن فلاں فلاں ہیں“، غیر مقلدوں کا یہ بالکل ہی

جدید انکشاف ہے۔ غیر مقلدوں کی طرف سے اس جدید انکشاف کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام بخاریؒ جس راوی

کو منکر الحدیث کہہ دیں اس سے روایت نہیں لاتے، اور چونکہ امام بخاریؒ مؤمل بن اسماعیل سے روایت لائے ہیں (کہاں

لائے ہیں اور کیسے لائے ہیں؟ یہ علم غیر مقلدین کو ہے) اس لئے مذکورہ روایت کے راوی مؤمل بن اسماعیل نہیں ہیں۔

(۲) اس روایت کے صحیح ہونے کی دوسری توجیہ غیر مقلدین یہ پیش کرتے ہیں کہ ”علامہ البانی، ابن حجر عسقلانی، امام نوویؒ

یا فلاں فلاں پائے کے محققین نے اس روایت کو ”صحیح“ کہا ہے اس لئے اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے (اس روایت مذکورہ

کو محققین نے کس انداز سے اور کیسے صحیح کہا ہے اس کا علم ان غیر مقلدین کو بخوبی ہے) اور اصول حدیث کی رو سے اسکی صحت

کو نہ پرکھا جائے۔

ان توجیہات کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کے اقوال و افعال حجت نہیں ہیں چاہے وہ

صحابہ ہوں یا تابعین یا تبع تابعین۔ لیکن خیر القرون کے بعد کے افراد کا قول و فعل حجت ہے مثلاً (۱) امام بخاریؒ کا فعل حجت

ہے (۲) علامہ البانی، ابن حجر عسقلانی، امام نوویؒ کے اقوال حجت ہیں۔

مؤمل بن اسماعیل سے مذکورہ روایت اصول حدیث سے ”صحیح“ نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔ لیکن غیر مقلدین کا

اصرار یہ ہے کہ اسے اصول حدیث سے نہ پرکھا جائے بلکہ غیر نبی کے فعل یا قول کی بناء پر صحیح مان لیا جائے۔ یہ ہے غیر

مقلدیت کی علم برداری۔ گویا رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

تنبیہ:۔ بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ”علیٰ صدوق“ کیلئے ہمارے پاس ایسی روایات بھی ہیں جن میں مؤمل بن

اسماعیل نہیں ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ (امام بخاریؒ) کا قول ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی سب سے کم ضعیف روایت مؤمل

بن اسماعیل کے طریق سے ہے۔ وہ روایات جو دوسری طریق سے ہیں وہ اس روایت سے زیادہ ضعیف ہیں اور ان کی

اسناد میں ایک نہیں بلکہ متعدد راویوں پر کلام ہے۔ مثلاً:

بیہقی میں یہ روایت محمد بن حجر بن عبد الجبار عن ام عبد الجبار کے طریق سے ہے۔

محمد بن حجر بن عبد الجبار:۔ (۱) ذہبی نے کہا کہ ان کے پاس مناکیر ہیں (میزان الاعتدال ص ۵۱۱ ج ۳)

(۲) امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ ان میں کچھ نظر ہے (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۱۱)

ام عبد الجبار:۔ ابن ترکمانی نے انہیں مجہول کہا ہے۔ (الجوہر النقی)

سعید بن عبد الجبار بن وائل الحضرمی:۔ ضعیف ہیں (تقریب)

روح بن مسیب:۔ (۱) روح بن مسیب متروک ہیں (آثار السنن)

(۲) ابن حبان نے کہا کہ ثقہ راویوں سے موضوع روایت کرتا تھا اور ان سے روایت حلال نہیں ہے۔

(۳) ابن عدی نے کہا کہ ان کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔

(۴) بیہقی نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے ”فَصَلَ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ“ کے متعلق اور یہ صحیح نہیں ہے۔

(۲) **قبیصہ بن ہلب کی روایت:**۔ ● حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ حَدَّثَنِي أَبِي ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ

حَدَّثَنَا سَمَّاكٌ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هَلْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ وَرَأَيْتُهُ

يَضَعُ هَذِهِ عَلَى صَدْرِهِ وَوَصَفَ يَحْيَى الْيَمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فَوْقَ الْمَفْصِلِ . ترجمہ:۔ حضرت ہلبؓ

روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا وہ دائیں اور بائیں طرف سے مڑتے تھے اور میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے

یہ اپنے سینے پر رکھا اور یحییٰ نے بیان کیا کہ دایاں ہاتھ بایاں ہاتھ کی کلائی پر رکھا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶)

استدلال پر اعتراضات:۔

آثار السنن سے:۔ علی صدرہ غیر محفوظ ہے اور اس کی سند میں سماک بن حرب لیں ہیں۔

علی صدرہ یعنی سینہ پر غیر محفوظ:۔ صاحب آثار السنن فرماتے ہیں کہ اس کو روایت کیا احمد نے کعب کے طریق سے اور دارقطنی

نے عبد الرحمن بن مہدی کے طریق سے اور وکیع عن سُفْيَانَ عَنْ سَمَّاكِ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هَلْبٍ عَنْ أَبِيهِ ان تمام

روایات میں ”علی صدرہ“ نہیں ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۱۴۴، ۱۴۵)

قبیصہ بن ہلب:۔ صاحب آثار السنن صفحہ ۱۴۴ پر لکھتے ہیں۔

(۱) صاحب المشکاۃ نے اکمال میں کہا۔ وہ ثقہ ہیں اور ان کا حافظہ خراب تھا اور ابن مبارک اور شعبہ وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے

(۲) ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ ابن مبارک نے سفیان سے روایت کیا ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔

(۳) احمد نے کہا کہ یہ مضطرب الحدیث ہیں۔

(۴) صالح نے کہا کہ جزرہ ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

(۵) نسائی نے کہا کہ جب یہ منفرد ہوں تو حجت نہیں ہیں۔ (میزان ج ۲ ص ۲۳۳)

تخریج صلوٰۃ الرسول سے :- اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں سوائے قبیسہ بن ہلب کے۔
(تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۲۹ حاشیہ)

تجلیات صدر سے :-

علیٰ صدرہ غیر محفوظ ہے :- ”علیٰ صدرہ یعنی سینہ پر“ صرف مسند احمد کی ایک سند میں ہے اور دوسری اسناد میں نہیں ہے۔ حدیث ہلب کی اسناد درج ذیل طریقے پر ہیں۔

- (۱) یحییٰ بن سعید عن سفیان قال . حَدَّثَنَا سِمَاكٌ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۶)
 - (۲) وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۱) اس میں ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے
 - (۳) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ (دارقطنی ج ۱ ص ۱۰۴)
- اس میں بھی ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے۔

(۴) عَنْ أَبِي الْأَخْوَصِ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ (ترمذی باب ما جاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ ص ۵۹، ابن ماجہ باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ ص ۵۹) اس میں بھی ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے۔

(۵) شَرِيكَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ (احمد) اس میں بھی ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے۔
”علیٰ صدرہ“ صرف پہلی سند میں ہے اور بقیہ چار اسناد میں ”علیٰ صدرہ“ نہیں ہے اور پہلی سند کا یہ حال کہ اس کا پہلا راوی یحییٰ بن سعید ہے۔

راویوں پر کلام :-

یحییٰ بن سعید :- امام احمد کے معاصرین ہیں۔ (۱) یحییٰ بن سعید العطار (۲) یحییٰ بن سعید بن سالم القداح (۳) یحییٰ بن سعید القرشی القصبی ہیں اور تینوں کے تینوں ضعیف ہیں۔ اگر کوئی اور یحییٰ بن سعید ہے تو سند میں اس کی صراحت دکھائی جائے۔

تیسرے راوی سماک بن حرب ہیں۔

سماک بن حرب :- (۱) خود سفیان نے ان کو ضعیف کہا ہے۔

(۲) ایک سے زائد ائمہ نے انہیں لٹین کہا ہے۔

(۳) ثقہ ہیں۔ خراب حافظہ والے ہیں۔

(۴) ابن مبارک اور شعبہ وغیرہ نے انہیں ضعیف کہا ہے۔

(۵) ابن مبارک نے کہا کہ عن سفیان وہ ضعیف ہیں۔

(۶) امام احمد نے انہیں مضطرب الحدیث کہا ہے اور صالح جزرہ نے انہیں ضعیف کہا ہے۔

(۷) اور نسائی نے کہا کہ جب یہ منفرد ہوں تو حجت نہیں ہیں۔

چوتھے راوی قبیسہ بن حلب ہیں۔

قبیسہ بن حلب: قبیسہ بن حلب مجہول ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تجلیات صفدر ج ۳ ص ۵۲۰)

یہ روایت بطور دلیل کے نہیں پیش کی جاسکتی۔ قبیسہ بن حلب کی روایت میں ایک تو تحیف کاتب ہے اور بالفرض علی صدرہ مان بھی لیا جائے تو یہ ثقہ راویوں کی مخالفت ہے کیونکہ وہ ”علی صدرہ“ بیان نہیں کرتے اسلئے غیر محفوظ ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں اس روایت کو بطور استدلال نہ امام نووی (سن ۶۷۹ھ) نے اور نہ ہی ابن حجر (سن ۸۵۲ھ) نے کسی اور نے پیش کیا۔ اس روایت کو بطور استدلال سب سے پہلے علامہ محمد حیات سندھی (سن ۱۱۶۳ھ) نے پیش کیا۔ اور علامہ نیموی نے پیش نہ کرنے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ ”علی صدرہ“ تحیف کاتب ہے۔ اصل لفظ یوں تھے ”يَضَعُ هَذِهِ عَلَى هَذِهِ وَوَصَفَ يَحْيَى الْيَمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فَوْقَ الْمَفْصَلِ“ کہ آپ ﷺ نے یہ ہاتھ اس ہاتھ پر رکھا اور یحییٰ نے وضاحت کی کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھا اس میں محل وضع (رکھنے کی جگہ) کا ذکر ہی نہیں۔ کسی کاتب نے غلطی سے ہذہ علی صدرہ لکھ دیا یعنی دوسرے ہذہ کو صدرہ بنا دیا اور اس کی وجہ سے عبارت ہی بے معنی ہو گئی اور اس کا اگلی عبارت سے کوئی ربط ہی باقی نہ رہا۔ کیونکہ یحییٰ نے پہلے ہذہ کے بارے میں فرمایا کہ دایاں ہاتھ اور ”علی صدرہ“ کی تشریح یہ کہ بائیں ہاتھ کے جوڑ پر اس کا سینے سے کیا تعلق۔ علامہ نیموی فرماتے ہیں اس تحیف کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ علامہ ہیشمی مجموعۃ الزوائد میں مسند احمد کی وہ تمام احادیث جمع کر دی ہیں جو صحاح ستہ سے زائد تھیں مگر حدیث ”حلب“ علی صدرہ کے الفاظ بالکل نہیں لائے۔ انکے بعد سید علی متقی بھی کنز العمال میں حدیث حلب ان الفاظ کے ساتھ نہیں لائے۔ اور پھر علامہ جلال الدین سیوطی بھی ”جمع الجوامع“ میں اس حدیث کو نہیں لائے۔

(۳) **حضرت طاؤس کی روایت:** ● حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ ثَنَا الْهَيْثَمُ يَعْنِي ابْنَ حُمَيْدٍ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى عَنْ طَاوُسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَضَعُ يَدَهُ الْيَمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى ثُمَّ يَشُدُّ بِهِمَا عَلَى صَدْرِهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ **ترجمہ:** ”حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ نماز میں اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر اپنے سینے پر باندھا کرتے تھے“ (مراسل ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ص ۶)

استدلال پر اعتراضات:

آثار السنن سے: اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ اس میں سلیمان بن موسیٰ ایک راوی ہیں جنہیں لین الحدیث کہا گیا ہے۔

بخاری نے کہا کہ ان کے پاس مناکیر ہیں۔ اور نسائی نے کہا قوی نہیں ہیں۔ (تفصیل کے لئے آثار السنن ص ۱۳۵)

تخریج صلوٰۃ الرسول سے: سلیمان کونسائی نے غیر قوی کہا ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس حدیث میں کچھ

اضطراب ہے۔ (تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۲۹ حاشیہ)

تجلیات صفر سے: (۱) ایک نسخہ میں ہے حضرت طاؤس روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے۔ یعنی علیٰ صدرہ کا لفظ نہیں ہے۔

(۲) آگے ایک نسخہ میں ہے..... ”علیٰ صدرہ“ اور آگے ہے پھر ان کو سینے پر مضبوط کرتے۔

(۳) دوسرے نسخہ میں..... ”علیٰ صدرہ“ آگے ہے، ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر سینے پر رکھتے۔

اس کی حد کا حال یہ ہے

(۱) یہ حدیث مرسل ہے یعنی تابعی حضرت طاؤس نے صحابی کا نام لئے بغیر یہ روایت ~~اس سے~~ روایت کو پیش کیا۔ او ر مرسل روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہے اسلئے غیر مقلدین اس روایت کو سینے پر ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں بطور دلیل پیش کر سکتے ہی نہیں۔

(۲) اس میں ایک راوی میثم ہیں اور ان کے بارے میں تقریب التہذیب میں ہے وَهُوَ صَدُوقٌ..... یعنی وہ سچے ہیں لیکن ان پر قدریہ ہونے کا الزام ہے (التقریب ص ۲۲۸)

(۳) اور اس میں چوتھے راوی ”سلیمان بن موسیٰ اموی“ ہیں۔

سلیمان بن موسیٰ: (۱) نسائی نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہیں۔

(۲) ابوحاتم نے کہا ہے ان کی حدیث میں کچھ اضطراب ہے۔

(۳) ابن عدی نے کہا ہے یہ بعض احادیث میں منفرد ہیں۔

(۴) بخاری نے کہا کہ ان کے پاس مناکیر ہیں (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۷)

(۵) صدوق اور فقیہ ہیں لیکن انکی حدیث میں لٹین ہیں اور موت سے قبل انکا حافظہ خلط ملط ہو گیا تھا (تقریب ج ۱ ص ۳۳۱) درج بالا وجوہات کی بناء پر اس کی اسناد ضعیف ہیں۔

[**تنبیہ:** غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ امام داؤد نے مراہیل میں اس پر سکوت اختیار کیا ہے اس لئے یہ حسن ہوگی صحیح ہے۔ انہیں تو اصول حدیث سے روایت کو صحیح ثابت کرنا چاہئے۔ دوم یہ کہ ابو داؤد کے سکوت کو جو حسن یا صالح کہا جاتا ہے تو اس میں تفصیل ہے کہ صالح برائے احتجاج (حجت) ہے یا صالح برائے اعتبار۔ تو مذکورہ روایت صالح برائے احتجاج یقیناً نہیں ہے کیونکہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

(۴) **دیگر روایات:** اس سلسلہ کی دیگر تمام روایات ضعیف ہیں۔ (آثار السنن ص ۱۴۵، ۱۴۶ حاشیہ) مثلاً

● سنن بیہقی کی روایت أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصُّوفِيُّ قَالَ أُنْبَأَنَا أَبُو أَحْمَدَ بْنُ عَدِيٍّ الْحَافِظُ ثَنَا ابْنُ صَاعِدٍ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُجْرٍ الْحَضْرَمِيُّ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ ابْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أُمِّهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَضَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ الْمِحْرَابَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ بِالتَّكْبِيرِ ثُمَّ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ .

اس کی اسناد بہت ضعیف ہیں اس میں محمد بن حجر ہیں اور ام عبد الجبار ہیں اور وہ ام یحییٰ ہیں اور مجہول ہیں اور اس میں سعید بن عبد الجبار بھی ہیں جو ضعیف ہیں۔ ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ ان کیلئے مناکیر ہیں۔ کہا گیا کہ ان کی کنیت ابو الخنافس ہے۔ بخاری نے کہا ہے کہ ان میں نظر ہے۔ ابن ترکمانی نے جوہر التقی میں کہا ہے کہ محمد بن حجر بن عبد الجبار بن وائل عن عمہ سعید ان کیلئے مناکیر ہیں۔ ذہبی نے کہا ہے کہ ام عبد الجبار وہ ام یحییٰ ہیں نہ میں ان کا حال جانتا ہوں نہ ان کا نام۔ سعید بن عبد الجبار نسائی نے کہا کہ وہ قوی نہیں ہیں۔ (آثار السنن ص ۱۳۵ حاشیہ)

تفسیر فصل لربک وانحر :- ☆ اور اسی طرح سنن بیہقی کی روایت ہے أَخْبَرَنَا أَبُو زَكْرِيَّا ابْنُ أَبِي اسْحَاقَ أُنْبَأَنَا الْحَسَنُ بْنُ يَعْقُوبَ ابْنِ الْبُخَارِيِّ أُنْبَأَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي طَالِبٍ أُنْبَأَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ ثَنَا رُوْحُ بْنُ الْمُسَيَّبِ ثَنِي عَمْرُو ابْنُ مَالِكٍ الْتُكْرِي عَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) قَالَ وَضَعَ الْيَمِينَ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ النَّحْرِ .

اسمیں روح بن المسیب ہیں جو متروک ہیں اور ابن حبان نے کہا کہ وہ ثقات سے موضوع روایات کرتا تھا اس سے روایت حلال نہیں ہے۔ اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔

☆ اور اسی طرح بیہقی کی روایت حضرت علیؑ سے ہے حضرت ابن عباسؓ جیسی۔ ابن ترکمانی نے کہا کہ اس کی سند میں اور اس کے متن میں اضطراب ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں تفسیر سورہ کوثر میں ج ۴ ص ۵۵۸ پر کہا ہے ”وَقِيلَ الْمُرَادُ بِقَوْلِهِ (وَانْحَرْ) وَضَعَ الْيَدِ الْيُمْنَى عَلَى الْيَدِ الْيُسْرَى تَحْتَ النَّحْرِ ترجمہ :- اور جو یہ کہا گیا ہے کہ وانحر سے مراد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر حلق کے نیچے رکھیں روایت کیا جاتا ہے یہ حضرت علیؑ سے اور یہ صحیح نہیں ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۱۴۵، ۱۴۶ حاشیہ، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اعلیٰ السنن ج ۲ ص ۲۰۰)

طبرانی حضرت وائل :- یہ الفاظ مروی ہیں ثُمَّ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى صَدْرِهِ (تخریج ص ۲۳۱)

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ ”وَانْحَرْ“ سے مراد دایاں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا ”نحر“ کے نیچے یہ قول حضرت علیؑ کے طریق سے پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

عام طور پر جو روایات صریح ہیں یعنی جن میں ”علی صدرہ سینہ پر“ کا لفظ ہے وہ اتنی ہی روایات ہیں۔ اگر اور کوئی صریح روایت غیر مقلدین پیش کریں تو جائزہ لیا جائے کہ وہ روایت موقوف تو نہیں ہے یا آثار میں سے تو نہیں ہے جس کو

مرفوع کے نام سے پیش کر دیا گیا یا اس میں اور کوئی علت تو نہیں ہے۔

صحابہ و تابعین کے آثار:- سینے پر ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث نہیں ہے۔ غیر مقلدین اس سلسلہ میں صحابہ و تابعین کے کچھ آثار پیش کرتے ہیں۔ اول تو ان آثار کی اسناد غیر صحیح ہیں۔ دوم غیر مقلدین کو ان آثار کے پیش کرنے کا کوئی حق ہی نہیں ہے کیونکہ غیر نبی کا قول و فعل ان کے نزدیک حجت نہیں۔

قیاسات:- غیر مقلدین بعض مرتبہ ایسی روایات پیش کرتے ہیں جن میں سرے سے ”علیٰ صدرہ یعنی سینہ پر“ کا لفظ ہی نہیں ہوتا لیکن وہ ان روایات میں قیاس کرتے ہیں اور اپنے قیاس کو حدیث کا نام دیتے ہیں یعنی ”بات اپنی نام حدیث کا“۔ مثلاً مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ وغیرہ سے حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت اور کلائی پر رکھا“ آگے تحریر کرتے ہیں ”شیخ البانی فرماتے ہیں کہ اس کیفیت پر عمل کرنے سے لازماً ہاتھ سینہ پر آئینگے تجربہ کر کے دیکھیں“ (تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۳۰ حاشیہ)۔ حالانکہ اس کیفیت پر عمل کرنے کے بعد ہاتھ سر پر بھی آسکتے ہیں تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ تو یہ ان غیر مقلدین کا قیاس ہے، روایت میں کہیں ”علیٰ صدرہ یعنی سینہ پر“ کا لفظ نہیں ہے، اور اس قیاس کو وہ حدیث کا نام دیتے ہیں یعنی بات اپنی نام حدیث کا

اسی طرح یہ حضرات صحیح بخاری سے حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ ”لوگوں کو (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھیں“۔ اور آگے تحریر کرتے ہیں ”کیونکہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھنے کی صورت میں ہاتھ زیر ناف نہیں ہو سکتے“ (تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۳۱ حاشیہ)۔ صحیح بخاری کا حوالہ دے کر سینہ پر ہاتھ باندھنے کی دلیل پیش کرنے کا نام لے کر، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ روایت میں نہ کہیں ”علیٰ صدرہ“ ہے اور نہ ہی ”تحت السرة یعنی ناف کے نیچے“ کا لفظ ہے، لیکن اپنے قیاس غلط سے سینہ کی تائید اور ناف کے نیچے کی تردید کرتے ہیں اور نام دیتے ہیں حدیث کا۔ یعنی وہی ”بات اپنی نام حدیث کا“ جو ان کا وطیرہ ہے۔ یہ سب ان کے قیاسات ہیں۔ جبکہ ان کے نزدیک قیاس حجت ہی نہیں ہے۔ یہاں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں بطور دلیل ”صحیح صریح“ روایت درکار ہے۔ اس لئے تمام غیر صریح روایات مذکورہ مسئلہ میں صرف قیاس کی حیثیت رکھتی ہیں اس لئے غیر مقلدین کی طرف سے بطور دلیل ناقابل قبول ہیں۔

بعض مرتبہ غیر مقلدین اپنے استدلال میں ایسی روایات بھی پیش کرتے ہیں جن میں فوق السرة یعنی ناف کے اوپر کے الفاظ ہوتے ہیں۔ جبکہ ان کا دعویٰ سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ہے، ناف کے اوپر نہیں، اس لئے فوق السرة کی روایات ان کی طرف سے ناقابل قبول ہیں۔

غیر مقلدین کا دعویٰ ”سینے پر ہاتھ باندھنے کی دلیل میں“ ایک بھی ”صحیح حدیث“ موجود نہیں ہے، جس سے ثابت ہو سکے کہ کسی نے ایک مرتبہ بھی حضور ﷺ کو سینے پر ہاتھ باندھے ہوئے دیکھا ہو، پھر اسکو ”سنت“ ثابت کرنا تو جوئے شیر لانے کا

ہے۔ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے ”سینے پر ہاتھ باندھنا سنت ہے“، یہ غیر مقلدین کا صرف قیاس ہے، (اور قیاس سے سنت مؤکدہ نہیں ثابت ہو سکتی) لہذا ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور بلا دلیل عمل کرنا ان کے نزدیک شرک ہے، اسلئے رد ہے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائلین مذکورہ باب میں بہت سی روایات پیش کرتے ہیں، جن میں سے پانچ درج ذیل ہیں۔

(۱) وائل ابن حجرؓ کی روایت (۲) حضرت علیؓ کی روایت (۳) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت

(۴) حضرت ابو مجلزؓ کی روایت (۵) حضرت ابراہیم نخعیؓ کی روایت

(۱) **حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت:-** ● حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوَضِعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ. ترجمہ:- حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز میں دابنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے دیکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ”وضع اليمين على الشمال“ ج ۳ ص ۳۲۱ طبع کراچی)

استدلال پر اعتراضات:-

تخریج صلوۃ الرسول سے:- اس حدیث سے دلیل لینا صحیح نہیں کیونکہ جس سند سے یہ روایت ابن ابی شیبہ میں ہے بعینہ اسی سند سے یہ مسند احمد میں بھی ہے اور اس میں ”تحت السرة“ (ناف کے نیچے) کی زیادتی نہیں ہے لہذا ابن ابی شیبہ میں زیادتی کسی نسخ کی طرف سے سہوا ہوئی ہے۔ (تخریج صلوۃ الرسول ص ۲۳۰ حاشیہ، تنبیہ)

آثار السنن سے:- علامہ نیوی کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ مصنف ابن ابی شیبہ کے اکثر نسخوں میں موجود ہے لیکن یہ زیادتی ”تَحْتَ السُّرَّةِ“ کی، ’عَلَى صَدْرِهِ‘ کی زیادتی کی طرح غیر محفوظ ہے اس لئے کہ یہ ثقہ راوی کی روایات کی مخالفت ہے۔ اور اس کے ساتھ اس میں اضطراب ہے۔ اور اگرچہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن متن کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ (آثار السنن ص ۱۴۹ حاشیہ)

جواب:- ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت وائل ابن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو نماز میں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھا دیکھا اور اس میں اسکے بعد ”تَحْتَ السُّرَّةِ“ (ناف کے نیچے) کا لفظ نہیں ہے، لہذا ابن ابی شیبہ میں زیادتی کسی نسخ کی طرف سے سہوا ہوئی ہے۔ اس کے جواب کے لئے نسخہ جات کا موازنہ ملاحظہ ہو۔

نسخہ جات:- (۱) پہلا نسخہ شیخ قاسم بن قطلوبغا (۸۷۹ھ) کا ہے اس میں ”تَحْتَ السُّرَّةِ“ کا لفظ موجود ہے۔

(۲) شیخ محمد اکرم نصر پوری کے نسخہ میں ”تَحْتَ السُّرَّةِ“ کا لفظ موجود ہے۔

(۳) شیخ عبدالقادر مفتی مکہ معظمہ کے نسخہ میں ”تَحْتَ السُّرَّة“ کا لفظ موجود ہے۔

(۴) مدینہ منورہ میں قبہ محمودیہ میں ”تَحْتَ السُّرَّة“ کا لفظ موجود ہے۔

(۵) مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب ”عَوْنُ الْمَعْبُود“ کے نسخہ میں بھی ”تَحْتَ السُّرَّة“ کا لفظ موجود ہے اس کی نقل پیر جھنڈا کے پاس ہے اس میں بھی ”تَحْتَ السُّرَّة“ کا لفظ موجود ہے اور اس نسخہ کی نقل مدینہ منورہ میں شیخ عابد سندھی کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے اسمیں بھی ”تَحْتَ السُّرَّة“ ہے ان کی فوٹو اسٹیٹ کا پیاں مصنف مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ مطبوعہ ملتان اور مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان میں بھی موجود ہیں۔ الغرض ان نسخوں میں کوئی نسخہ مصر کا ہے، کوئی مکہ معظمہ کا، کوئی مدینہ منورہ کا، کوئی سندھ کا، کوئی ہند کا، سب نسخوں میں ”تَحْتَ السُّرَّة“ کا لفظ موجود ہے۔

(۶) ملا قاسم سندھی نے الکرام میں لکھا ہے کہ ”تَحْتَ السُّرَّة“ لفظ اکثر صحیح نسخوں میں موجود ہے اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایک صحیح نسخہ میں یہ لفظ دیکھا ہے جس پر تصحیح کرنے والوں کے نشان بھی ہیں۔

(۷) عبداللہ ابن سالم بصری کے نسخہ میں ”تَحْتَ السُّرَّة“ کا لفظ نہیں ہے۔

غرض چھ نسخوں میں ”تَحْتَ السُّرَّة“ کا لفظ ہے اور ایک نسخہ میں نہیں ہے۔ تو سہو (غلطی) ایک نسخہ میں ہوا کہ چھ نسخوں میں؟

(بحث کی مزید تفصیل کیلئے اعلیٰ السنن ج ۲ ص ۱۹۷ تا ۲۰۰ حاشیہ، نیز تجلیات صفدر ج ۳ ص ۵۲۵ تا ۵۲۷ ملاحظہ ہو)

(۲) حضرت علیؑ کی روایت :- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ ثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ زِيَادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ أَنَّ عَلِيًّا قَالَ: السُّنَّةُ وَضَعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ. ترجمہ:- حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، نماز میں ہتھیلی پر ہتھیلی ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ”وضع اليمين على الشمال“ ج ۳ ص ۳۲۲، ابوداؤد حدیث ۵۶۷ ص ۷۹، ۱۱۲۷ لکتاب السنن طبع سعودیہ عربیہ، مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۰، دارقطنی ۱/۲۸۶، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۳۱، مسند بزار ۱۱۰/۱۱۰)

یہ روایت موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ یہ سنت سے ہے اسلئے مرفوع کے حکم میں ہے۔

استدلال پر اعتراض :- اس کی سند میں ایک روای عبد الرحمن بن اسحاق واسطی ہیں۔ احمد بن حنبل اور ابو حاتم نے انہیں منکر الحدیث کہا ہے۔ ابن معین نے کہا ہے ”لَيْسَ بِشَيْءٍ“ اور امام بخاری نے کہا ہے کہ ان میں نظر ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۳۰ حاشیہ)

جواب :- حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ عبد الرحمن بن اسحاق جائز الحدیث ہیں۔ اپنی حدیث لکھتے تھے اسلئے روایت حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔ یہ روایت ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے شواہد میں سے ہے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اعلیٰ السنن ج ۲ ص ۱۹۳ حاشیہ)

(۳) **حضرت ابوہریرہؓ کی روایت:** ● حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ الْكُوفِيِّ عَنْ سَيَّارِ أَبِي الْحَكَمِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَخَذُ الْأَكْفَ عَلَى الْأَكْفِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ الشُّرَّةِ **ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا نماز میں ہتھیلیوں کو ناف کے نیچے رکھا جائے۔ (ابوداؤد حدیث ۵۸ ص ۷۹ ۱۱۲۷ طبع سعودیہ عربیہ)

یہ روایت موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔

استدلال پر اعتراض: اس کی سند میں بھی عبدالرحمن بن اسحاق واسطی ہیں۔

جواب: حضرت عجلؓ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن اسحاق جائز الحدیث ہیں۔ اپنی حدیث لکھتے تھے اسلئے روایت حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔ یہ روایت ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے شواہد میں سے ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوا علاء السنن ج ۲ ص ۱۹۲ حاشیہ)

(۴) **ابو مجلزؓ کی روایت:** ● حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ حَسَّانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مَجْلَزٍ أَوْ سَأَلْتُهُ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ يَضَعُ قَالَ يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِينِهِ عَلَى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهِ وَيَجْعَلُهُمَا اسْفَلَ مِنَ الشُّرَّةِ. **ترجمہ:** حضرت حجاج بن حسانؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو مجلزؓ سے سنا (راوی کہتے ہیں) میں نے ان سے دریافت کیا کہ (حضور اکرم ﷺ ہاتھوں کو) کیسے رکھتے تھے، تو فرمایا کہ حضور ﷺ اپنے دائیں ہتھیلی کے اندرونی حصہ کو اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے ظاہری حصہ پر رکھتے تھے اور ان دونوں کو ناف سے نیچے رکھ لیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ "وضع اليمين على الشمال" ج ۳ ص ۳۲۳)

حضرت ابو مجلزؓ تابعی کبیر ہیں اور ان کا انتقال صحابہ کے زمانہ میں ہوا۔

(۵) **حضرت ابراہیم نخعیؓ کی روایت:** ☆ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ رَبِيعٍ، عَنْ أَبِي مُعَشَّرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ يَضَعُ يَمِينُهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ الشُّرَّةِ. **ترجمہ:** حضرت ابراہیم نخعیؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ "وضع اليمين على الشمال" ج ۳ ص ۳۲۲)

مشہور جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعیؓ کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے (انکے اقوال کے حوالے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں متعدد مقامات پر بطور دلیل تحریر فرمایا ہے مثلاً وَقَالَ حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ إِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ إِزَارٌ فَسَلِّمْ وَالْأَفْلَا تَسَلِّمْ۔ اور حماد نے حضرت ابراہیم نخعیؓ سے روایت کیا کہ جب حمام میں ہو اور ازار باندھے ہوئے ہو تو سلام کرے اور ازار نہ باندھے ہوئے ہو تو سلام نہ کرے (صحیح بخاری باب قراءة القرآن بعد الحدث... الخ ج ۱ ص ۳۰)۔

تحقیق مسئلہ مذکورہ: احادیث دونوں جانب ہیں اگر خدا نخواستہ کوئی فریق صرف ایک قسم کے دلائل کو مانتا ہے

اور دوسری قسم کا انکار کرتا ہے تو گویا وہ احادیث کا انکار کرتا ہے جو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں اجتہاد کیا جائے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ دونوں قسم کی روایات کا جائزہ لیا جائے۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات کا جائزہ

(۱) حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت: اسکی اسناد میں نظر ہے اور ”علیٰ صَدْرہ (سینہ پر)“ کی زیادتی غیر محفوظ ہے
(۲) حضرت قبیصہ بن ہلبؓ کی روایت: اس میں ”علیٰ صَدْرہ (سینہ پر)“ کی زیادتی غیر محفوظ ہے۔ اور اسکی اسناد میں کلام ہے۔

(۳) حضرت طائوسؓ کی روایت: اس کی اسناد ضعیف ہیں حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اور وہ صحابی کا نام لئے بغیر براہ راست حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ اسلئے یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایات غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہیں۔

(۴) سینہ پر ہاتھ باندھنے کے باب میں دوسری تمام روایات ضعیف ہیں۔ اور اس باب میں کچھ ”آثار“ بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ ”آثار“ سلف (صحابہ و تابعین، تبع تابعین) کے اقوال یا افعال ہیں اسلئے غیر مقلدین کو دلائل میں ان آثار کو پیش کرنے کا حق ہی نہیں ہے اور ان کی طرف سے ناقابل قبول ہیں۔

غرض چاروں قسم کی روایات کا جائزہ لینے سے یہ تحقیق سامنے آتی ہے کہ ان میں کہیں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی دلیل میں ایک بھی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے۔ بلکہ روایات غیر محفوظ ہیں۔ جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک صرف صحیح حدیث حجت ہے۔ نیز غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ ”سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت ہے“، اسکے خلاف جائز نہیں اسلئے سنت مؤکدہ کے حکم میں ہے۔ اسکی دلیل میں انہیں صحیح صریح حدیث پیش کرنا چاہئے۔ لیکن غیر مقلدین کے پاس اس سلسلہ میں ایک بھی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے۔ اسلئے غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ”سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت ہے“ رد ہے۔ مزید یہ کہ بغیر دلیل کے عمل کرنا تقلید ہے اور یہ ان کے نزدیک شرک ہے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات کا جائزہ

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ کی حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت میں چھ نسخوں میں ”تحت السرہ یعنی ناف کے نیچے“ کا لفظ موجود ہے۔ صرف ایک نسخہ میں نہیں ہے۔ اور اس کی سند بھی صحیح ہے اسلئے بطور دلیل زیادہ مضبوط ہے۔ لیکن صاحب آثار السنن کی بات تسلیم کی جائے تو روایت غیر محفوظ ہوگی۔ (۲) اور (۳) ابوداؤد اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ سے حضرت علیؓ کی روایت۔ ابوداؤد سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت۔ اگرچہ حضرت عجلؓ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن اسحاق جائز الحدیث ہیں۔ اپنی حدیث لکھتے تھے اسلئے روایت حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔ لیکن صاحب آثار السنن کے قول کے مطابق روایات ضعیف ہیں۔

غرض مرفوع روایات غیر محفوظ ہیں :- (۴) اور (۵) حضرت ابو مجلز کا اثر جید (بہت صحیح) سند کے ساتھ اور حضرت ابراہیم نخعی کا اثر حسن سند کیساتھ۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی مرفوع روایات اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی مرفوع روایات دونوں ”غیر محفوظ“ ہیں اسلئے دونوں جانب روایات یکساں درجہ کی ہو گئیں۔ اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ ”جب احادیث متساویۃ الالقام (یکساں درجہ کی) ہوں تو سلف (صحابہ و تابعین کبار) کے اقوال، افعال سے ایک جانب ترجیح دی جائے گی“۔ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں دو جلیل القدر تابعین حضرت ابو مجلز کا قول ”صحیح“ سند کے ساتھ اور حضرت ابراہیم نخعی کا قول ”حسن“ سند کے ساتھ موجود ہے۔ حنفی مسلک میں اقوال و افعال سلف حجت ہیں۔

قَوْلُ التَّابِعِيِّ الْكَبِيرِ حُجَّتٌ عِنْدَ الْأَحْنَفِ

قَوْلُ التَّابِعِيِّ الْكَبِيرِ الَّذِي ظَهَرَ فَتْوَاهُ فِي زَمَنِ الصَّحَابَةِ. حُجَّةٌ عِنْدَنَا كَمَا الصَّحَابِيُّ، كَذَلِكَ ”التَّوَضُّعُ“ (ج ۲ ص ۱۷۰. وَ عِبَارَةٌ ”التَّوَضُّعُ“ هَكَذَا) ”فَهُوَ كَمَا الصَّحَابِيُّ عِنْدَ الْبَعْضِ لِأَنَّهُ بِعَسَلِيْمِهِمْ إِثَابَهُ دَخَلَ فِي جُمْلَتِهِمْ“ ترجمہ :- جس تابعی کبیر کے فتوے صحابہ کے زمانہ میں شائع تھے، ہمارے نزدیک ان تابعی کا قول حجت ہے، جیسا کہ ہمارے نزدیک صحابی کا قول حجت ہے (التوضیح ج ۲ ص ۱۷۰، اعلاء السنن ج ۱۹ ص ۱۳۲)۔ اور ابو مجلز جن کا نام لاحق بن حمید البصری ہے ان کا انتقال صحابہ کے زمانہ میں سن ۱۰۰ یا ۱۰۱ میں ہوا۔ اسلئے مستحب کی دلیل میں ان کا قول حجت ہے اسی طرح مشہور جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے (انکے اقوال کے حوالے امام بخاری نے صحیح بخاری میں متعدد مقامات پر بطور دلیل تحریر فرمایا ہے)، ان کا قول بھی حسن سند کیساتھ موجود ہے۔

اسلئے دونوں ”آثار“ کی بناء پر احناف کا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا موقف رائج ہو گیا اور اسی کو معمول بہ ٹھہرایا گیا۔ فالحمد لله على ذالك

دعوی اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعوی کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائے گا، لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائے گا کہ یہ حنفی ہے، اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اس کے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لانے والے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا ہاتھ باندھنے کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے

تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئے گا۔

کوئی بایاں ہاتھ کی کہنی دائیں ہاتھ سے اور دائیں ہاتھ کی کہنی کو بائیں ہاتھ سے پکڑتا ہے۔
 کوئی دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں بغل کے نیچے رکھ کر اور دائیں ہاتھ کی کہنی کو پکڑتا ہے۔
 کوئی بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر بائیں ہاتھ کو کہنی کے قریب پکڑتا ہے۔
 اور کوئی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی رکھ کر شانے اور پیٹھ سکڑ کر حلق کے نیچے رکھتا ہے۔
 اس کے علاوہ اور طرح کے بھی دلچسپ مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے اور تقلید میں نظم و ضبط ملت ہے۔

سوالات

- (۱) سینہ پر ہاتھ باندھنے کی ایک صحیح صریح حدیث پیش کریں؟
- (۲) فرقہ اہل حدیث کا ہاتھ باندھنے کا موقف کیا ہے کہ بایاں ہاتھ نیچے رکھ کر بائیں ہاتھ کی کہنی کو دائیں ہاتھ سے پکڑا جائے؟ یا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں بغل کے نیچے رکھ کر اور دائیں ہاتھ کی کہنی کو پکڑا جائے؟ یا بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر بائیں ہاتھ کو کہنی کے قریب پکڑا جائے؟ یا بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی رکھ کر شانے اور پیٹھ سکڑ کر حلق کے نیچے رکھا جائے؟ یا کوئی اور کیفیت؟
- (۳) سینہ پر ہاتھ کیسے باندھا جائے اس کی کیفیت صحیح حدیث سے پیش کیجئے؟

مسئلہ قرأت خلف الامام

انفرادی نمازوں میں قرأت قرآن (سورہ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھنا) جمہور امت کے نزدیک واجب یا فرض ہے۔ اسی طرح مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے اس پر بھی سب متفق ہیں (سورہ فاتحہ کے سوا)۔ لیکن مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے اس میں اختلاف ہے۔

احناف :- احناف کے نزدیک بہر صورت خواہ جہری نماز ہو یا سہری، اور خواہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو مقتدی کیلئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔

مالکیہ :- مالکیہ کے نزدیک بھی جہری نمازوں میں مقتدی کیلئے فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے، خواہ وہ امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو، اور سہری نماز میں فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

شوافع: امام شافعی کا قول قدیم یہ تھا کہ جہری نماز میں مقتدی پر فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے، لیکن وفات سے دو سال پہلے جب آپ مصر میں اقامت پذیر ہوئے تو جدید قول یہ فرمایا کہ جہری نماز میں بھی اور سری نماز میں بھی مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض ہے

حنابلہ: حنابلہ کے نزدیک جہری نماز میں اگر مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو تو امام کیساتھ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اتنا دور ہو کہ امام کی آواز اس تک نہ پہنچ رہی ہو تو فاتحہ پڑھنا جائز ہے، اور جہری نماز میں امام کے سکتوں میں، اسی طرح سری نماز میں فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

”مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض ہے“ اس دعویٰ کی حقیقت

غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے (نماز جہری ہو یا سری)۔ ’فرض‘ کی دلیل میں قرآن کریم کی صریح آیت یا احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ چاہئے (’قیاس‘ سے فرض ثابت نہیں کیا جاسکتا)

غیر مقلدین استدلال میں جو روایات پیش کرتے ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم صریح روایات کی ہے (جن میں نفس مسئلہ الفاظ کیساتھ مذکور ہے۔ مثلاً یہاں جن روایات میں امام اور مقتدی کا ذکر ہے)، یہ تمام روایات غیر صحیح ہیں۔ اور دوسری قسم غیر صریح روایات کی ہے (جن روایات میں امام اور مقتدی کا ذکر نہیں ہے بلکہ جن میں قیاس کرنا ہوتا ہے)، ایسی روایات قابلِ حجت نہیں اگرچہ صحیح ہوں۔

”مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض ہے“ اس کی دلیل میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں، ان میں جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں اس لئے نفس مسئلہ ثابت ہی نہیں ہوتا۔

ایک تو استدلال میں روایات صحیح صریح نہیں ہیں، دوسرے یہ روایات صرف تین صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ (۱) حضرت عبادۃ بن صامتؓ سے روایات (۲) حضرت انسؓ سے روایات (۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایات۔ اسلئے ان روایات کا ”متواترہ“ ہونا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب کہ فرض کیلئے دلیل میں روایات صحیحہ صریحہ متواترہ درکار ہیں۔

غرض مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض ہونے کے سلسلہ میں شرط کے مطابق ایک بھی دلیل نہیں ہے (اگرچہ غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں انکے پاس ایک سو بیس دلیلیں ہیں۔ اگر ہے تو صرف ایک ہی صحیح صریح حدیث پیش کر دیں، متواترہ تو دور کی بات ہے)۔

غیر مقلدین امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ بغیر دلیل کے پڑھتے ہیں، گویا خود ان کے اصول کے مطابق وہ شرک کرتے ہیں، کیونکہ بغیر دلیل کے عمل کرنا انکے نزدیک شرک ہے۔

”مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے“ اس دعویٰ کے دلائل

قرأت اصطلاح میں، قرآن شریف پڑھنے کو کہتے ہیں چاہے وہ سورہ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورہ یا آیت۔

(۱) مقتدی کو امام کے پیچھے بالکل خاموش رہنا اور کان لگائے رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ تَرْجُمہ:** جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (سورہ اعراف پ: ۹ آیت ۲۰۴)۔ ابن ہمام نے کہا کہ بیہقی نے امام احمد سے نقل کیا کہ ”امت اسلا میہ کا اجماع و اتفاق اس بات پر ہے کہ یہ آیت کریمہ نماز کے بار میں نازل ہوئی ہے۔

(بحوالہ تفسیر مظہری ج ۳ ص ۴۵۰، نصب الراية ج ۲ ص ۱۴)

(۲) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَطَبَنَا فَبَيْنَ لَنَا سِتْنَا وَعَلَّمَنَا صَلَاتَنَا فَقَالَ إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِمُْوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لِيُؤْمِكُمْ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا (حدثنا اسحاق بن ابراهيم قال انا جرير عن سليمان التيمي كل هؤلاء عن قتادة في هذا الا سناد) وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا وَإِذَا قَالِ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ يُجِبْكُمْ اللَّهُ..... رَوَاهُ مُسْلِمٌ. **ترجمہ:** حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا پس ہمارے لئے ہمارا طریقہ کار واضح فرمایا اور ہمیں ہماری نماز سکھائی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز شروع کرو تو صفیں خوب اچھی طرح سیدھی کر لیا کرو، پھر تم میں کا ایک شخص امام بنے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو (اور بروایت جریر عن سلیمان عن قتادہ اس حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ) اور جب وہ قرأت شروع کرے تو خاموش ہو جاؤ اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعاء کو قبول کرے گا۔ (صحیح مسلم باب التَّشَهُّدُ فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۷۴، مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۰)

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ”امام اسلئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اسکی اقتداء کی جاوے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ (مسلم باب ائتمام الماموم بالامام ج ۱ ص ۱۷۷، ابوداؤد باب الامام لیصلی من تعوذ ج ۱ ص ۸۹، نسائی باب تاویل قوله اذا قرئ القرآن ج ۱ ص ۱۴۶، ابن ماجہ باب اذا قرأ الامام فانصتوا ص ۶۱، مصنف ابن ابی شیبہ ”فی الامام اذا رفع راسه من الرکوع، ما اذا يقول من خلفه“ ج ۲ ص ۴۵۸)

(۴) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔

(کتاب القراءة للبیہقی ص ۹۲)

(۵) حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے ”رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی تو فرمایا کہ تم میں سے کس نے

میرے پیچھے سبح اسم ربک الا علی پڑھی تھی، ایک شخص نے کہا کہ میں نے پڑھی تھی، اور میں نے اس خیر کے سوا کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا (آپ ﷺ نے فرمایا میں سمجھ رہا تھا کہ تم میں سے بعض نے اس میں مجھ سے منازعت کی“

(صحیح مسلم باب نہی الماموم عن جہرہ بالقرآۃ خلف امامہ ج ۱ ص ۱۷۲)

(۶) پانچ صحابہ کرام سے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے ”جو شخص مقتدی بن کر نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کیلئے بھی قرأت ہے۔ (ابن ماجہ باب اذا قرأ الامام فانصتوا ۶۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۹، موطا امام محمد ص ۹۷، کتاب الآثار ج ۱ ص ۲۰، نصب الراية ج ۲ ص ۶ تا ۱۳۲)

(۷) حضرت عطاء بن یسارؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے دریافت کیا کہ امام کیساتھ مقتدی کو بھی قرأت کرنی چاہیے یا نہیں؟ تو صحابی رسول ﷺ کا تب وحی حضرت زید بن ثابتؓ نے جواب دیا کہ کسی نماز میں مقتدی کو امام کیساتھ قرأت نہیں کرنی چاہیے (مسلم باب سجود التلاوة ج ۱ ص ۲۱۵)

(۸) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جس نے کسی رکعت میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو (ترمذی باب ما جاء فی ترک القرآۃ خلف الامام اذا جہر بالقرآۃ ج ۱ ص ۱۷۲، موطا امام مالک باب ما جاء فی ام القرآن ص ۶۶، طحاوی باب القرآۃ خلف الامام ج ۱ ص ۱۲۸، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۱۶۰)

کیا مقتدی پر سورہ فاتحہ فرض ہے؟

غیر مقلدین:- غیر مقلدین کے نزدیک نماز (جہری ہو یا سری) میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔

احناف:- احناف کے نزدیک بہر صورت خواہ جہری نماز ہو یا سری، اور خواہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو مقتدی کیلئے سورہ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔

نکتہ اختلاف:- غیر مقلدین کے نزدیک جہری یا سری نماز دونوں میں امام کے پیچھے مقتدی کیلئے سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، اس کی دلیل میں انہیں قرآن کریم کی آیت یا احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ پیش کرنا چاہئے۔

احناف کے نزدیک بہر صورت خواہ جہری نماز ہو یا سری، اور خواہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ اس کی دلیل میں انہیں نبی الطنسی الثبوت اولد لالہ پیش کرنا چاہئے (بحوالہ شامی ج ۲ ص ۴۰۴)، جو ترک واجب سے ہوتا ہے۔ یعنی احناف کو مکروہ تحریمی کی دلیل میں صحیح حدیث یا قرآن کریم کی آیت پیش کرنا چاہئے۔

(غیر مقلدین کے نزدیک فرض اور واجب ایک ہی حکم میں ہے اسلئے انہیں قرآن کریم کی آیت یا احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ پیش کرنا چاہئے جبکہ احناف کے نزدیک واجب کا حکم فرض سے کم درجہ کا ہے اسلئے انہیں واجب کی دلیل میں قرآن کریم کی

آیت یا صحیح حدیث پیش کرنا چاہئے)

مقتدی پر سورہ فاتحہ فرض ہے، اس دعویٰ کے دلائل

غیر مقلدین مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے فرض ہونے کے دلائل میں عام طور پر درج ذیل طرق سے روایات پیش کرتے ہیں۔ (۱) عن عبادہ بن الصامتؓ (۲) عن انسؓ (۳) عن ابی ہریرہؓ۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے غیر صریح روایات:- ● حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَفْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. **ترجمہ:-** عبادہ بن صامتؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی (صحیح بخاری باب وجوب القراءة الا امام و الماموم ج ۱ ص ۱۰۴، صحیح مسلم باب وجوب القراءة الفاتحة فی کل رکعة... الخ ج ۱ ص ۱۶۹)

استدلال پر اعتراضات:- اس حدیث سے مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہونے کے سلسلہ میں دلیل پیش کرنا درج ذیل وجوہات کی بناء پر صحیح نہیں ہے۔

(۱) یہ حدیث اس سلسلے میں صریح (جس سے مقتدیوں کو امر و وجوب قرأت بطور نص نکلتا ہو) نہیں ہے کیوں کہ اسمیں امام اور مقتدی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ یہ حدیث مقتدی کیلئے صریح نہیں ہے، چونکہ غیر مقلدین مقتدی کیلئے سورہ فاتحہ فرض قرار دیتے ہیں اسلئے اس غیر صریح حدیث (جس میں قیاس کرنا ہوتا ہے) سے فرض ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۲) غیر مقلدین لاصلوٰۃ سے نفی جنس مراد لیتے ہیں۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں، چاہے وہ انفرادی ہو یا جماعی۔ نماز پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی، بغیر سورہ فاتحہ پڑھے کسی کی نماز نہیں ہوگی۔ جب کہ ”لاصلوٰۃ“ سے صرف ”نفی جنس“ مراد لینا صحیح نہیں ہے کیوں کہ ”لاصلوٰۃ“ سے ”نفی کمال“ کا بھی احتمال ہو سکتا ہے مثلاً (۱) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ (ترجمہ) جس نے نبی پر درود نہ بھیجا اس کی نماز نہیں (ابن ماجہ ص ۳۲)۔ یہاں لاصلوٰۃ سے نفی کمال مراد ہے یعنی جس نے رسول اللہ ﷺ پر درود نہیں پڑھا اسکی نماز ناقص ہے، ایسا نہیں کہ اسکی نماز ہی نہیں ہوئی۔ اسی طرح (۲) لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يُحِبَّ الْأَنْصَارَ (ترجمہ) جس نے انصار سے محبت نہیں کی اسکی نماز نہیں (ابن ماجہ ص ۳۲) ان دونوں روایتوں میں یہاں ”لاصلوٰۃ“ نفی کمال کیلئے آیا ہے، فرض کیلئے نہیں آیا ہے۔ اسی طرح اور احادیث میں بھی ہے جیسے لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ طَعَامٍ (ترجمہ) بھوک لگی ہوئی ہو اور کھانا موجود ہو اور نماز پڑھے تو نماز نہیں ہوتی بلکہ مکروہ ہے۔ (۳) لَا صَلَاةَ لِمُتَلَتِّفٍ (ترجمہ) نماز میں ادھر ادھر دیکھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح ”لاصلوٰۃ بعد الصبح حتی ترفع الشمس ولاصلوٰۃ بعد العصر حتی تغيب الشمس“ ترجمہ:- صبح کی

نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے (صحیح بخاری باب الصلوة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ج ۱ ص ۸۲)۔ یہاں پر خود غیر مقلدین حضرات لاصلوۃ کو نفی جنس کیلئے نہیں مانتے بلکہ فجر کی سنت کو اس سے مستثنیٰ مانتے ہیں اور فجر کی سنت چھوٹ جانے پر اسے فرض کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لیتے ہیں۔

(۳) صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۹، ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۱۹، نسائی شریف ج ۱ ص ۱۳۵ پر امام زہری کے طریق سے اس روایت میں فاتحہ الکتاب کے بعد لفظ فصاعداً (یعنی زائد) بھی موجود ہے۔ اس روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ ”جس نے سورۃ فاتحہ اور اس سے زائد نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔“ اور یہ زیادتی ثقہ کی ہے اسلئے قابل قبول ہے۔ لاصلوۃ کے معنی نفی اصل صلوۃ کیلئے لئے جائیں تو اب یہ معنی ہوئے کہ سورۃ فاتحہ اور اس سے زائد (کوئی سورۃ یا آیت) پڑھے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ تو قائلین فاتحہ کے قول کے مطابق ضم سورۃ یعنی سورۃ فاتحہ کیساتھ کوئی اور سورۃ پڑھنا بھی مقتدی پر فرض ہوگی۔ اور سورۃ فاتحہ سے زائد کا پڑھنا غیر مقلدین کے نزدیک ضروری نہیں (یعنی فرض نہیں)۔ اگر مقتدی ضم سورۃ سے مستثنیٰ ہے تو پھر قرأت فاتحہ (فاتحہ خلف الامام) سے بھی مستثنیٰ ہے۔

(۴) ابوداؤد شریف میں سفیان ابن عیینہ (جو کہ اس حدیث کے راوی ہیں) کے حوالے سے لکھا ہے کہ سفیان نے کہا کہ یہ اکیلے نمازی کیلئے ہے اس میں مقتدی شامل نہیں۔ نیز امام دارالبحر ت امام مالکؒ مؤطاء میں لکھتے ہیں۔ ”عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهَبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ (ترجمہ) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کوئی رکعت سورۃ فاتحہ کے بغیر پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ (مؤطاء امام مالک ص ۲۸)۔“ اور امام ترمذیؒ نقل فرماتے ہیں کہ ”امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ قرأت فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اس صورت میں ہے جب کہ نماز پڑھنے والا تنہا ہو۔ اور امام احمدؒ نے حضرت جابرؓ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے کوئی رکعت سورۃ فاتحہ کے بغیر پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ (حضرت جابرؓ) ایک صحابی ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد لاصلوۃ لمن..... الخ۔ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حدیث اس صورت میں ہے جبکہ نمازی منفرد (اکیل) ہو (ترمذی شریف ج ۱ ص ۴۲)۔

غیر مقلدین مقتدی کیلئے سورۃ فاتحہ فرض ہونے کی دلیل میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے دوسری روایات بھی پیش کرتے ہیں مثلاً مسند شافعی (۳۶)، ابن ابی شیبہ (۳۶۰)، جزء القراءة بخاری (۸۱، ۶، ۲)، ابوعوانہ (۱۲۴، ۱۲۵)، نسائی (۱۳۷)، ترمذی (۳۴۷)، ابن ماجہ (۸۳۷)، دارمی (۲۸۳)، ابن خزیمہ (۴۸۸)، دارقطنی (۳۳۱)، بیہقی (۳۸)، ابن حزم (۲۳۶)، وغیرہ وغیرہ۔ اس میں بہت سی روایات غیر صحیح ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کچھ روایات صحیح ہوں، لیکن غیر صریح

ہیں یعنی جن میں قیاس کرنا ہوتا ہے، ان میں امام یا مقتدی کا ذکر نہیں ہے، اسلئے یہ تمام غیر صریح روایات صرف ”قیاس“ کا درجہ رکھتی ہیں اور قیاس سے ”فرض“ ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے یہ تمام روایات قابل استدلال نہیں ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت سے صریح روایات:۔ صاحب آثار السنن علامہ نیوی علیہ الرحمہ نے ج ۱ ص ۷۹ پر لکھا ہے ”قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کے طریق سے تمام صریح روایات ”ضعیف“ ہیں۔ مذکورہ روایات کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ج ۱ ص ۷۹ تا..... حاشیہ، اعلاء السنن، احسن الکلام مصنف حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر، وغیرہ)

● حَدَّثَنَا هَنَادُ نَاعْبَدُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ رَبِيعٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ صَامِتٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الصُّبْحَ فَتَقَلَّتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّي أَرَاكُمْ تَقْرَأُونَ وَرَاءَ إِمَامِكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْى وَاللَّهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ وَأَنَسٍ وَأَبِي قَتَادَةَ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عُبَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوَى هَذَا الْحَدِيثُ الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ رَبِيعٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ هَذَا أَصَحُّ. ترجمہ:۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی پس ان پر قرأت دشوار ہوگئی جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم پڑھتے ہو امام کے پیچھے ہم نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ فرمایا کہ تم ایسا مت کرو مگر ام القرآن (سورہ فاتحہ) اسلئے کہ جس نے اسکو نہ پڑھا اس کی نماز نہیں..... کہا ابو عیسیٰ (امام ترمذی) نے کہ عبادہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی حدیث حسن ہے اور روایت کیا اس حدیث کو زہری نے محمود بن ربیع سے انہوں نے عبادہ بن صامتؓ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اسکی نماز نہیں۔ اور یہ صحیح ہے۔

(رواہ الترمذی باب ما جاء فی القراءة خلف الامام ج ۱ ص ۶۹)

اس روایت پر امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف میں ج ۱ ص ۷۰ پر لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے (یعنی صحیح کے درجے تک نہیں پہنچتی) اور یہی زیادہ صحیح ہے

اور اس حدیث کو روایت کیا ابو داؤد نے ج ۱ ص ۱۱۹، پر عبد اللہ ابن الفضلی، محمد بن سلمی، محمد بن اسحاق، مکحول، محمد بن ربیع، عبادہ بن صامتؓ کے طریق سے۔

اور یہی روایت جزء القراءة میں ہے، محمد بن اسحق، مکحول، محمود بن ربیع، عبادہ بن صامتؓ کے طریق سے۔

(مذکورہ تمام سندیں ضعیف ہیں کیونکہ ان میں ”محمد بن اسحاق“، ”مکحول“، ”محمود بن ربیع“ وغیرہ ہیں اور ان سب پر

کلام ہے۔ اسلئے ان تمام روایات سے مقتدی کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یہ ثابت نہیں ہوتا)

[اسی روایت کو غیر مقلدین مختلف حوالوں سے پیش کرتے ہیں مثلاً ابن ابی شیبہ (۳۷۳)، جزء القراءة بخاری (۲۵۸، ۲۵، ۶۴)، ابوداؤد (۸۲۳)، ترمذی (۳۱۱)، ابن خزیمہ (۱۵۸۱)، ابن حبان (۴۶۰)، دارقطنی (۳۱۸)، حاکم (۲۳۸)، بیہقی (۱۶۶)، ابن حزم (۴۳۶) لیکن ان تمام سندوں میں محمد بن اسحاق، مکحول، محمود بن ربیع وغیرہ ہیں اسلئے یہ تمام روایات بھی ضعیف ہیں]

استدلال پر اعتراضات :-

تخریج صلوٰۃ الرسول سے :- ”اس سند میں محمد بن اسحاق مدلس ہیں مگر دارقطنی وغیرہ میں انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ لہذا سند حسن ہے امام دارقطنی اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔“

(تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۴۴ حاشیہ)۔ (یعنی ”صحیح“ نہیں ہے)

آثار السنن سے :- یہ روایت تین ۳۷ وجوہات کی بنیاد پر معلول ہے (جس میں علت ہو)۔

(۱) ایک راوی مکحول ہیں جو مدلس ہیں۔ (۲) مکحول کے طریق سے محمود بن ربیع عن عبادہ بن صامت منفرّد ہیں۔ (۳) ایک اور راوی محمد بن اسحاق ہیں جو مدلس ہیں۔

مکحول :- انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے مرسل اور ابی بن خشنیؓ سے بھی مرسل اور کہا گیا کہ انہوں نے کسی صحابی سے نہیں سنا..... ابن حبان نے کہا ثقافت میں سے ہیں اور کتنی مرتبہ تدلیس کی..... اور ابن سعد نے کہا بعض اہل علم نے کہا کہ مکحول اہل کابل میں سے تھے اور ان میں لکنت تھی۔ اور وہ قدریہ کہے جاتے تھے اور ضعیف تھے اپنی حدیث اور رائے میں (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۵۹ تا ۲۶۱)

وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِي شَرْحِ النُّجْبَةِ وَكُلُّ مَنْ ثَبَّتَ عَنْهُ التَّدْلِيْسُ إِذَا كَانَ عَدْلًا أَنْ لَا يُقْبَلَ مِنْهُ إِلَّا مَا صَرَّحَ فِيهِ بِالتَّحْدِيثِ عَلَى الْأَصَحِّ ۝ **ترجمہ :-** حافظ ابن حجر نے شرح النخبہ میں کہا جس سے تدلیس ثابت ہوگئی اگر وہ عادل بھی ہو تو اسکا حکم یہ ہے کہ اس سے قبول نہیں کیا جائیگا جب تک کہ اس میں صحیح راوی سے تحدیث (حدیثی) کی صراحت نہ کرے (شرح النخبہ ص ۵۳، آثار السنن ج ۱ ص ۷۶)

مکحول مدلس ہیں اور یہ حدیث مکحول سے عن محمود بن ربیع سے ہے اور وہ صحابہ میں سے تھے اور ان سے سماع اور تحدیث کی صراحت نہیں ہے۔ (آثار السنن ج ۱ ص ۷۶)

مکحول کی متابعت :- دارقطنی نے عبد اللہ بن عمرو بن الحارث عن محمود بن ربیع عن عبادہ کے طریق سے روایت کی ہے۔ اس سند میں معاویہ بن یحییٰ اور اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ ہیں۔ دارقطنی نے کہا کہ یہ دونوں ضعیف ہیں۔ اور انہیں دونوں سے ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کی ہے۔ نیز حاکم نے اپنی مستدرک میں جو روایت پیش کی ہے اس میں ذکر کیا ہے کہ یہ متابع ہیں مکحول کی روایت میں محمود بن ربیع سے۔ تو اس کی سند میں بھی یہ دونوں معاویہ بن یحییٰ اور اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ ہیں۔ اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ (آثار السنن ج ۱ ص ۷۹)

محمد بن اسحاق :- (صحاح ستہ میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی جتنی صریح روایات آئی ہیں ان سب کی اسناد میں محمد بن اسحاق ضرور موجود ہیں اور ان کے بارے میں کلام ذیل میں ملاحظہ ہو)

امام دارالہجرت مالکؒ نے کہا دجالوں میں سے ایک دجال ہیں (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵) امام المحدثین بخاریؒ نے کہا محمد بن اسحاقؒ ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جس میں وہ منفرد ہیں اور یعقوب بن شبیبہ نے کہا کہ میں نے اسے نمیر سے سنا کہتے تھے کہ جب وہ ایسی حدیث بیان کریں کہ کسی نے معروفین سے سنا ہو تو وہ حسن الحدیث ہیں اور اگر وہ مجہولین سے حدیث بیان کریں تو احادیث باطلہ ہیں۔ (تہذیب ج ۹ ص ۳۶)

ایوب بن اسحاق بن سامری نے کہا کہ میں نے امام احمد ابن حنبلؒ سے پوچھا کہ اگر کسی حدیث کو صرف محمد بن اسحاقؒ روایت کریں تو آپ اس کو قبول کریں گے؟ فرمایا کہ بخدا نہیں۔ میں نے انکو دیکھا کہ وہ حدیث کو کئی ایک لوگوں سے روایت کرتے ہیں اور ایک کے کلام کو دوسرے کے کلام سے جدا نہیں کرتے (تہذیب ج ۹ ص ۳۶) حنبل بن اسحاقؒ نے کہا کہ ہم نے ابو عبد اللہ (امام احمدؒ) کو کہتے ہوئے سنا کہ ابن اسحاقؒ حجت نہیں ہیں۔ اثرؒ امام احمدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن اسحاقؒ بہت زیادہ تدلیس کیا کرتے تھے، میرے نزدیک انکی اچھی حدیث وہ ہے جس میں وہ خبر فی اور سمعت کہیں (عیون الاثر ج ۱ ص ۱۲)

عباس دوری ابن معین سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن اسحاقؒ ثقہ ہیں اور حجت نہیں ہیں ابن معین نے کہا ضعیف ہیں اور قوی نہیں ہیں (تہذیب ج ۹ ص ۳۶) میمون بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابن معین نے کہا کہ وہ ضعیف ہیں۔ اور نسائی نے کہا کہ وہ قوی نہیں ہیں۔ (تہذیب ج ۹ ص ۳۷) سلیمان تیمی، یحییٰ قطان اور وہیب بن خالد نے انکی تکذیب کی ہے (تہذیب ج ۹ ص ۳۷)۔ دارقطنی نے کہا کہ ان (محمد بن اسحاقؒ) میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے اور وہ حجت نہیں ہیں (تہذیب ج ۹ ص ۳۸)۔ حافظ ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ ابن اسحاقؒ منفرد ہوں تو ان میں نکارت ہے۔ اسلئے کہ انکے حفظ میں کچھ تھا (آثار ج ۷ ص ۷۷)۔ یحییٰ بن معین سے مروی ہے کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ محمد بن اسحاقؒ کی حدیثوں سے احکام میں استدلال کروں (عیون الاثر ج ۱ ص ۱۲) تقریب التہذیب میں ہے کہ سچ بولنے والے ہیں۔ تدلیس کرتے ہیں یعنی حدیث کی روایت میں کبھی اپنے استاد کا نام نہیں لیتے بلکہ اس سے اوپر کے راوی کا نام لیتے ہیں اور لفظ ایسا اختیار کرتے ہیں جس میں سماع (سننے) کا احتمال رہتا ہے اور شیعہ اور قدریہ ہونے کا ان پر الزام ہے۔ (تقریب التہذیب ج ۲ ص ۱۴۴)

اس لئے یہ تمام روایات ضعیف ہیں اور ان سے استدلال قابل قبول نہیں ہے۔

ابوداؤد نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے۔

● حَدَّثَنَا رِبْعُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَزْدِيُّ نَاعِبُ اللَّهِ بْنِ يُوسُفَ نَالِهِشْمُ بْنُ الْحَمِيدِ أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ نَافِعٌ إِبْطَاءُ عَبْدُ اللَّهِ بْنِ صَامِتٍ عَنْ مَلُوءِ الصُّنْحِ فَسَأَلَ أَبُو نُعَيْمٍ الْمَوْءِذِيُّ الخ. ترجمہ: نافع نے کہا۔ پس اقامت کہی ابو نعیم الموزنی نے پس نماز پڑھائی

ابونعیم نے لوگوں کو اور پھر عبادہؓ متوجہ ہوئے اور میں ان کے ساتھ تھا یہاں تک کہ ہم نے صف بنائی ابونعیم کے پیچھے ابونعیم جہری قرأت کر رہے تھے عبادہؓ ام القرآن پڑھنے لگے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عبادہؓ سے کہا کہ میں نے آپ سے سنا کہ آپ سورہ فاتحہ پڑھ رہے تھے اس حال میں کہ ابونعیم جہر کر رہے تھے۔ کہا ہاں۔ نماز پڑھائی ہم کو رسول اللہ ﷺ نے بعض وہ نمازیں جس میں وہ جہری قرأت کرتے تھے۔ فرمایا کہ دشوار ہوگئی ان پر قرأت جب فارغ ہوئے متوجہ ہوئے ہم پر پس فرمایا آپ ﷺ نے کہ کیا تم قرأت کرتے ہو جب میں جہری قرأت کرتا ہوں پس ہم میں سے بعض نے کہا کہ ہم نے ایسا کیا (یعنی قرأت کی) آپ ﷺ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ اور میں کہہ رہا ہوں کہ کیا ہے میرے لئے منازعت ہو رہی ہے قرآن کے بارے میں۔ پس تم قرآن سے کچھ مت پڑھو جب کہ جہری قرأت ہو مگر سورہ فاتحہ۔

(ابوداؤد باب من ترک القراءة فی صلوٰتہ ج ۱ ص ۱۱۹)

● حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَهْلٍ الرَّمْلِيُّ نَابُؤُ الْوَلِيدِ عَنْ ابْنِ جَابِرٍ وَسَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْعَلَاءِ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ عُبَادَةَ نَحْوَ حَدِيثِ الرَّبِيعِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالُوا فَكَانَ مَكْحُولٌ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَالصُّبْحِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي كُلِّ رَكْعَتِهِ سِرًّا قَالَ مَكْحُولٌ إِقْرَأْ فِيهَا جَهْرِيَّةً الْإِمَامُ إِذَا قَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسَكَتَ سِرًّا فَإِنْ لَمْ يَسْكُتْ إِقْرَأْ بِهَمَّا قَبْلَهُ وَمَعَهُ وَبَعْدَهُ لَا تَتْرُكُهَا عَلَى حَالٍ. ترجمہ:- ربیع بن سلیمان کی حدیث اسی کی مثل ہے انہوں نے کہا کہ مکحول مغرب، عشاء، صبح ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سراً (خاموشی سے) پڑھتے تھے مکحول نے کہا جب امام زور سے پڑھے اور جب سورہ فاتحہ پڑھ لے اور خاموش ہو جائے تو سراً (خاموشی سے) پڑھے اور جب خاموش نہیں رہے تو پڑھے اسکو اس سے پہلے اور اس کیساتھ اور اسکے بعد اور کسی حال میں نہ چھوڑے اسکو (ابوداؤد باب من ترک القراءة فی صلوٰتہ ج ۱ ص ۱۱۹)

زید ابن واقد:- انہیں مرسل کہا گیا ہے (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۷۱)

ہیشم بن حمید:- معاویہ بن صالح نے کہا کہ مجھ سے ابو مسہر نے کہا کہ وہ (ہیشم بن حمید) ضعیف قدریہ تھے۔ اور محمد بن اسحاق صنعانی نے ابو مسہر سے روایت کی کہ ہیشم بن حمید ضعیف تھے۔ ابو بکر بن ابی خیشم نے کہا کہ مجھے خبر دی ابو محمد تیمی نے کہا کہ ابو مسہر نے ہم سے بیان کیا کہ وہ صاحب کتب تھے اور ثقہ راویوں میں سے نہیں تھے اور نہ اہل حفظ میں سے تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۸۱)

نافع بن محمود بن الربیع:- ابن عبد البر نے کہا نافع مجہول ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۶۶) علامہ ذہبی نے میزان میں کہا کہ نافع بن محمود بن المقدسی عن عبادۃ فی قرأت خلف الامام اور ان سے حرام بن حکیم اس حدیث کے سوا نہیں جانے جاتے۔ انکو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، اور کہا ان کی حدیث معلول ہے۔ اور ان سے مکحول نے بھی روایت کی ہے۔ علامہ ابن ترکمانی نے جوہر النقی میں بیہقی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نافع بن محمود کا ذکر نہ بخاری نے ان کی تاریخ میں کیا ہے اور نہ ابن حاتم نے۔ اور شیخین نے ان سے ترجیح نہیں کی ہے۔ اور ابو عمر نے کہا کہ وہ مجہول ہیں۔ اور علامہ طحاوی

بخاری نے جزء القراءة میں روایت کی ہے اور اسی کے طریق سے عن عمرو ابن شعيب عن ابيه عن عبادہ۔
شعيب نے عبادہ کو نہیں پایا نیز اس کے ساتھ اسناد مضطرب ہیں۔ کیوں کہ خلاف کیا ہے طریق ”عمرو بن سعد
عن عمرو ابن شعيب عن ابيه عن جدّه“ بخاری نے جزء القراءة میں روایت لی ہے اور اسی سے دارقطنی نے روایت
لی ہے۔ عبد اللہ بن عمرو بن الحارث عن محمود بن الربيع عن عبادہ کے طریق سے اور اس میں معاویہ بن
یحییٰ اور اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ ہیں۔ اور دارقطنی نے دونوں کو ضعیف کہا ہے اور اسی سے ابونعیم الاسفہانی نے تخریج
میں کہا ہے حلیۃ الاولیاء میں علی بن بکّار حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ بَكَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ عَنْ
الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَجَاءِ بْنِ حَيَّوَةَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا
صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ اس میں پہلے محمد وہ ابو بکر محمد بن ابراہیم ہیں جو کہ ابن المقرئ سے ملقب
ہیں اور دوسرے محمد وہ ابن برکۃ الحبلی ہیں ان سے ائمہ سنیہ میں سے کسی نے تخریج نہیں کی ہے۔ اور دارقطنی نے انہیں
ضعیف کہا ہے۔ اور محمد بن برکۃ الحبلی سے روایت لی ہے ابونعیم نے۔ (آثار السنن ج ۱ ص ۸۰)

عمر و بن شعیب عن ابیہ :- دارقطنی نے کہا عمرو بن شعیب تابعی میں سے نہیں ہیں، جب وہ روایت کریں اپنے باپ سے عن سے پس کتنی مرتبہ انہوں نے تدلیس کی جو کچھ کے صحیفے میں ہے لفظ عن سے (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۵)۔ ابو بکر بن ابی خیشمہ نے کہا کہ میں نے سنا ہے ہارون بن معروف سے وہ کہتے تھے نہیں سنا عمرو نے ان کے باپ سے کچھ بھی صرف انہوں نے پایا انکو اپنے باپ کی کتاب میں (تہذیب ج ۸ ص ۵۳)۔ ابن مدینی نے یحییٰ بن سعید کے طریق سے کہا کہ ان (عمرو بن شعیب) کی حدیث ہمارے نزدیک واہی (لغو) ہے۔ اور انہوں نے ابن عیینہ سے روایت کی ہے کہ ان کی حدیث لوگوں کے نزدیک اس میں کچھ ہے۔ ابو عمرو ابن العلاء نے کہا کہ قتادہ اور عمرو ابن شعیب انہوں نے کچھ نہیں سنا مگر یہ کہ وہ حدیث سے بیان کریں اور میمون نے کہا کہ میں نے احمد ابن حنبل سے سنا کہتے تھے کہ ان (عمرو بن شعیب) کے پاس بہت سی منکر اشیاء تھیں (تہذیب ج ۸ ص ۲۹)۔

عن عمر وابن شعیب عن ابیہ عن جدہ:۔ ابن ابی خثیمہ ابن معین سے روایت کرتے ہیں کہ وہ قوی نہیں تھے۔
آجری نے کہا کہ میں نے ابو داؤد سے کہا کہ عمرو ابن شعیب آپ کے نزدیک حجت ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں اور
نہ نصف حجت۔

اسحق بن منصور نے یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ جب بیان کریں عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ
پس وہ کتاب سے ہے اور وہ اس طریق سے ضعیف ہیں۔

ابوزرعمہ نے کہا کہ انہوں نے ثقات سے روایت کی ہے اور انکا رکیا ہے ان پر کثرت روایت کا عن ابیہ عن جدہ
سے (تہذیب ج ۸ ص ۴۲)

ابن عدی نے کہا عمرو بن شعیب فی نفسہ ثقہ ہیں مگر یہ کہ وہ جب روایت کریں عن ابیہ عن جدہ تو ہوتے ہیں مرسل
اسلئے کہ انہوں نے اپنے دادا محمد کو نہیں پایا۔ جب وہ روایت کریں عن ابیہ عن جدہ پس شعیب نے نہیں پایا عبداللہ کو پس
ہونگے منقطع، اور اگر وہ ارادہ کریں اپنے دادا محمد کا پس نہیں ہے ان کیلئے صحبت اسلئے وہ مرسل ہو جائیں گے (تہذیب ج ۸ ص ۴۲)
اور ساجی نے کہا کہ ابن معین نے کہا کہ وہ فی نفسہ ثقہ ہیں اور جب وہ روایت کریں عن ابیہ عن جدہ تو حجت
نہیں ہیں۔ اور نہیں ہیں متصل اور وہ ضعیف ہیں اس قبیل سے کہ وہ مرسل ہیں (تہذیب ج ۸ ص ۴۲)۔

حضرت انسؓ سے صریح روایات: ذیل میں حضرت انسؓ سے صریح روایات پیش کی جا رہی ہیں۔ اگر غیر صریح
روایات پیش کی جائیں تو ان کی حیثیت مذکورہ مسئلہ میں قیاس کی سی ہے اور قیاس سے فرض ثابت نہیں کیا جاسکتا اسلئے غیر
صریح روایات بطور استدلال قابل قبول نہیں۔

● **وَعَنْ أَبِي قَلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِأَصْحَابِهِ فَلَمَّا قَضَى صَلَوتَهُ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ
فَقَالَ اتَّقِرُّونَ فِي صَلَوتِكُمْ خَلَفَ الْإِمَامَ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ فَسَكْتُوا فَقَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ قَائِلٌ أَوْ قَائِلُونَ
إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا وَلْيَقْرَأُ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي نَفْسِهِ تَرْجَمَهُ:**۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ
آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کیساتھ نماز پڑھی پس جب نماز سے فارغ ہوئے صحابہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم لوگ اپنی
نماز میں پڑھتے ہو؟ جبکہ امام پڑھتا ہے پس صحابہؓ چپ رہے آپ ﷺ نے اس بات کو تین مرتبہ فرمایا ایک شخص یا کئی اشخاص
نے کہا بے شک ہم لوگ ایسا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو اور سورہ فاتحہ کو آہستہ پڑھو۔ (جزء القراءة بخاری)
اور اس کو روایت کیا ابن حبان نے، ابویعلیٰ نے، طبرانی نے اوسط میں، ہیشم نے مجمع الزوائد میں، اور اسے دارقطنی
نے روایت کیا۔ ان سبھوں نے مرفوعاً روایت کی ہے۔

اور اسکی مخالفت کی ہے ایک سے زائد حفاظ نے اصحاب ایوب سے پس انہوں نے اس کو روایت کیا ہے عن ابی
قلاہ عن رسول اللہ ﷺ مرسلان میں سے حماد ہیں بخاری کے نزدیک ان کے جزو میں، اور وہیب ہیں بیہقی کے

نزدیک معارفہ میں، اور اسماعیل ابن بخاری کے نزدیک ان کی تاریخ میں، اور دارقطنی نے ان کی سنن میں کہا ابن علیہ وغیرہ کی روایتیں عن ایوب عن ابی قلابہ مرسلات ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں کہا اور ابن حبان کہ روایت کی ایوب عن ابی قلابہ عن انس (رضی اللہ عنہ) اور یہ گمان کیا کہ دونوں طریقے (عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ) اور عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَائِشَةَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ) محفوظ ہیں۔ جبکہ بیہقی نے اس کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ ابی قلابہ عن انس کا طریق محفوظ نہیں۔

حاصل یہ کہ ابوقلابہ عن انسؒ کے طریق کو عبد اللہ الرقی کے سوا کوئی روایت نہیں کرتا اور اگر وہ ثقہ بھی ہوں تو کتنی مرتبہ انہیں وہم ہوا جیسا کہ تقریب التہذیب نمبر ۳۲۶۲ میں ہے۔ اور انکی مخالفت کی ہے حفاظ میں سے ایک سے زیادہ نے۔ اس حدیث میں دوسری علت بیان کی ہے کہ بخاری وغیرہ نے یحییٰ بن یوسف الرقی سے روایت بیان کی ہے اور اسٹنی (سورہ فاتحہ) کا ذکر کیا ہے، جبکہ طحاوی نے یوسف ابن عدی عن عبد اللہ الرقی کے طریق سے بیان کیا ہے۔ اس میں استثناء ذکر نہیں۔ (آثار السنن مع التعلیق الحسن ج ۱ ص ۸۰، ۸۱، ۸۲)

● عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُونَ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا إِلَّا أَنْ يَقْرَأَ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي نَفْسِهِ . ترجمہ: محمد ابن ابی عائشہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا شاید کہ جب امام پڑھتا ہے تو تم پڑھتے ہو دو مرتبہ یا تین مرتبہ کہا انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم ایسا کرتے ہیں فرمایا کہ تم ایسا مت کرو مگر یہ کہ تم میں کوئی پڑھے سورہ فاتحہ اپنے دل میں (رواہ أحمد ج ۵ ص ۲۰، و آخرون و اسنادہ ضعیف) حافظ نے تلخیص الحییر میں کہا ہے کہ اسکی اسناد حسن ہیں اسلئے کہ محمد ابن ابی عائشہ طبقہ چہارم کے رواۃ میں سے ہیں (تابعین)۔ روایت کرتے ہیں عن رجل عن الصحابہ معننا اور سماع کے تصریح نہیں ہے تو انقطاع کے گمان سے خالی نہیں ہے۔ اور اسناد کے اتصال کا حکم نہیں لگایا جائیگا۔

دوسری علت اس روایت میں یہ ہے کہ ابی قلابہ عن محمد بن عائشہ عن رجل عن اصحاب النبی ﷺ کے طریق سے بھی غیر محفوظ ہے اس لئے کہ خالد الخذاء اس میں منفرد ہیں اور ایوب سختیانی نے ان کی مخالفت کی ہے کہ انہوں نے روایت کیا ہے عن قلابہ عن نبی ﷺ مرسل اور خالد الخذاء نے بھی ابی بکر بن شیبہ کے طریق سے ارسال کیا ہے۔ انہوں نے اپنی مصنف میں کہا ہے کہ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ أَنَا خَالِدُ الدَّعْنِ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ فَلَمَّا قَضَى صَلَوَتَهُ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ اتَّقِرُونَ فِي صَلَوَتِكُمْ خَلَفَ الْإِمَامُ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ فَسَكْتُوْا فَقَالَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ قَائِلٌ أَوْ قَائِلُونَ إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا وَلْيَقْرَأْ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي نَفْسِهِ (رواہ ابن ابی شیبہ) تو سچ یہ ہے کہ عن ابی قلابہ عن النبی ﷺ مرسل ہے اور

رکتاب العلل میں اسی طرف گئے ہیں جب کہ ابی قلابہ عن انس کا ذکر کیا۔ اور ان کے خلاف کیا ہے ابن علیہ نے۔ پس روایت کی عن ایوب عن ابی قلابہ اور انہوں نے روایت کی خالد۔۔۔۔۔۔۔۔ عَنِ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَعَلَّكُمْ تَقْرءُونَ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ امْرَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا إِلَّا أَنْ يقرأ أَحَدُكُم بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي نَفْسِهِ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَآخَرُونَ وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ .

عَنْ أَبِي قَلَابَةَ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَوْ مَرَّسَلٍ صَحِيحٌ هُوَ
اور بیہقی نے معرفہ میں کہا ہے رواہ ایوب عن ابی قلابہ اور ارسال کیا۔ فقیہ کا ارسال راجح ہے طریق وصل ہے
اسلئے کہ خالد الخذاء اگر ثقہ ہیں۔ لیکن حماد بن یزید نے اشارہ کیا کہ ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا، جبکہ شام سے آئے تھے ابو حاتم
نے کہا کہ ان سے صحبت نہیں لی جاتی۔ (آثار السنن ج ۱ ص ۸۰، ۸۱، ۹۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایات :- ● عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ صَلَّى صَلَوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيلَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ فَقَالَ اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ الْعَبْدُ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى حَمِدَنِي عَبْدِي وَإِذَا قَالَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ قَالَ أَتْنِي عَلَى عَبْدِي وَإِذَا قَالَ مَالِكُ يَوْمَ الدِّينِ قَالَ مَجَّدَنِي عَبْدِي وَإِذَا قَالَ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ قَالَ هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ وَإِذَا قَالَ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ هَذَا الْعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ.

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی وہ ناقص ہے اور غیر تمام ہے۔ پس ابو ہریرہؓ سے کہا گیا کہ امام کے پیچھے ہوتے ہیں کہا کہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو اسلئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کو میرے اور بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کر لی ہے اور میرے بندے کیلئے وہ ہے جس کا اس نے سوال کیا جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری تعریف کی اور جب (بندہ) الرحمن الرحیم کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری پاکی بیان کی اور جب (بندہ) مالک يوم الدين کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور جب (بندہ) ایاک نعبدوا و ایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کیلئے وہ ہے جس کا اس نے سوال کیا اور جب (بندہ) اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب ولا الضالین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں کہ یہ میرے بندے کیلئے ہے اور میرے بندے کیلئے وہ ہے جس کا اس نے سوال کیا۔

(صحیح مسلم باب وجوب القراءة فی کل رکعة ج ۱ ص ۱۶۹)

غیر مقلدین امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے پر حجت، روایت کے اس ٹکڑے سے لیتے ہیں ”فَقِيلَ لَا بِيْ هُرَيْرَةُ“ اِنَّا نَكُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اقْرَآ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ پس ابو ہریرہؓ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ کہا کہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو“ روایت کا یہ ٹکڑا حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے، اس ٹکڑے سے پہلے ”قَالَ مَنْ صَلَّى.....“ غیر تمام“ اور اس کے بعد ”يَقُولُ قَالَ اللَّهُ.....“ ما سأل“ یہ دونوں احادیث رسول ہیں اور ان دونوں احادیث کے درمیان میں حضرت ابو ہریرہؓ کا مذکورہ قول ہے۔ وہ ٹکڑا حدیث رسول نہیں ہے۔ اور غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول و فعل حجت نہیں ہے، اس لئے غیر مقلدین اس روایت سے بھی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے پر استدلال نہیں کر سکتے۔

(جواب کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احسن الکلام جلد دوم صفحہ نمبر ۷۶۵۲)

● وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَقَرَأْتُ بِهَا وَاسْبِقُهُ فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ وَالْأَضْلَائِينَ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ آمِينَ مَنْ وَافَقَ ذَلِكَ قَمِنَ أَنْ يُسْتَجَابَ بِهِمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ جُزْءِ الْقِرَاءَةِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ. ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا جب امام سورہ فاتحہ پڑھے پس تو بھی پڑھ اور امام پر سبقت لے جا کیونکہ جب امام دلائل الضالین کہتا ہے تو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو جائے تو وہ قبولیت کے زیادہ لائق ہے۔ (جزء قرأت بخاری)

پہلی بات تو یہ کہ مذکورہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے مرفوع حدیث نہیں ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول و فعل حجت نہیں ہے اسلئے بطور استدلال مذکورہ روایت ناقابل قبول ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس کی اسناد حسن ہیں یعنی ”صحیح“ درجہ تک نہیں ہے۔ اس لئے یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔ تیسری بات یہ کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت وَاِذَا قَرَأَ قَانَصِتُوْا (صحیح مسلم کی روایت) کے خلاف ہے۔ اس لئے مقتدی کیلئے سورہ فاتحہ پڑھنے کی حجت میں قبول نہیں کی جاسکتی۔

● أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ ابْنِ شَهَابٍ عَنْ ابْنِ أَكِيْمَةَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْصَرَفَ مِنْ صَلَوةٍ جَهَرَ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ قَالَ هَلْ قَرَأْتُمْ أَحَدَكُمْ أَنْفَاقًا رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنِّي أَقُولُ مَا لِيْ أَنْ أَرْغُ الْقُرْآنَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِيمَا جَهَرَ فِيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْقِرَاءَةِ عَنِ الصَّلَوةِ حِينَ سَمِعُوا ذَلِكَ ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی؟ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا میں کہتا ہوں کیوں مجھ سے جھگڑا کیا جاتا ہے قرآن میں پس لوگ رک گئے قرأت سے جس میں آپ نے جہر کیا جب انہوں نے اس بات کو سنا۔

(ابن ماجہ ص ۶۱ باب اذا قرأ الامام فانصتوا)

میرک نے ملقن سے نقل کیا ہے کہ فانتھی الناس عن القراءة..... (لوگ قرأت سے رک گئے) یہاں سے زہری کا کلام ہے، مرفوعاً (حضور ﷺ سے) نہیں ہے۔ یہی کہا بخاری نے اور ذہبی نے اور ابن فارس نے اور ابو داؤد نے، ابن حبان نے اور خطابی وغیرہم نے (مرقاۃ)۔

غیر مقلدین کے نزدیک نماز جہری ہو یا سری دونوں میں سورہ فاتحہ فرض ہے اسلئے اس روایت سے سری نمازوں میں بھی سورہ فاتحہ پڑھنے پر استدلال نہیں کر سکتے۔ اور مزید یہ کہ روایت کے جس ٹکڑا سے غیر مقلدین استدلال کرتے ہیں وہ حدیث رسول نہیں ہے بلکہ راوی کا کلام ہے۔

[قرآۃ خلف الامام کی تمام روایات پر بحث کی مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ج ۱ ص ۹ تا ۱۰..... حاشیہ، اعلاء السنن ج ۲، احسن الکلام مصنف حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر، ایضاً الادلہ مصنف شیخ الہند، تجلیات صفدر]

صحابہ وتابعین کے آثار:- مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے سلسلے میں غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے۔ غیر مقلدین اس سلسلہ میں صحابہ وتابعین کے کچھ آثار بھی پیش کرتے ہیں، غیر مقلدین کو ان آثار کے پیش کرنے کا کوئی حق ہی نہیں ہے کیونکہ غیر نبی کا قول و فعل ان کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ اس لئے غیر مقلدین کی طرف سے بطور استدلال ”آثار“ ناقابل قبول ہیں۔

قیاسات:- مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے دلائل میں جتنی روایات پیش کی جاتی ہیں، ان میں جو روایات صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں اور جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ اسلئے مذکورہ مسئلہ کی دلیل میں جو غیر صریح روایات (جن میں مقتدی یا امام کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں ہے) اگر استدلال میں پیش کی جاتی ہیں تو بطور استدلال وہ صرف قیاس کی حیثیت رکھتی ہیں اور قیاس سے فرض ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ اسلئے تمام غیر صریح روایات (اگر صحیح ہوں لیکن) بطور دلیل کے ناقابل قبول ہیں غرض مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس ایک بھی صحیح صریح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے (چہ جائیکہ ”فرض“ کے حکم کیلئے متواترہ درکار ہے) اسلئے غیر مقلدین کا دعویٰ بلا دلیل ہے اور بغیر دلیل کے عمل کرنا ان کے نزدیک شرک ہے اسلئے ان کا دعویٰ رد ہے

”نماز میں مقتدی کیلئے سورہ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے“ اس دعویٰ کے دلائل

احناف کے نزدیک مقتدی کو نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے وہ اپنے دعوے کی دلیل میں متعدد دلائل پیش کرتے ہیں جن میں سے چار قسم کے دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) قرآن کریم کی آیت (۲) حدیث شریف اذا قرأ فانصتوا (۳) حدیث شریف من كان له امام..... (۴) آثار

(۱) قرآن کریم کی آیت: ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“

ترجمہ:- جب قرآن پاک پڑھا جائے تو تم سب اس کی طرف کان لگایا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

(سورہ اعراف آیت ۲۰۴)

غیر مقلدین کا دعویٰ یہ ہے کہ حنفیہ اس آیت کے معنی خلاف مراد مفسرین معتبرین لے کر اس سے ثبوت ممانعت قرأت کرتے ہیں۔

احناف کہتے ہیں تفسیر ابوسعود میں ہے ”جمہور صحابہ کرام کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے سننے کے بارے میں ہے“ (تفسیر ابوسعود ج ۲ ص ۲۲۴)۔ عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی یہی روایت کی ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے شان نزول میں چند اقوال لکھ کر فرمایا ہے ”سب سے بہتر صورت پہلی صورت ہے یعنی یہ آیت قرأت فی الصلوٰۃ کے بارے میں ہے (معالم بغوی ج ۲ ص ۲۷۲، بر حاشیہ خازن)۔ مدارک میں بھی وہی ہے جو ابوسعود میں ہے۔ معتبر تفاسیر میں یہی ہے بعض لوگ، استماع خطبہ اور بعض لوگ فتح کلام فی الصلوٰۃ اس کا شان نزول بتلاتے ہیں مگر جمہور تو یہی کہتے ہیں کہ قرأت خلف الامام ہی کے ضمن میں نازل ہوئی ہے۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تو کچھ لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے قرأت کی پس آیت کریمہ ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ“..... نازل ہوئی۔

(۲) حضرت محمد بن کعب قرظی جو کبار تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں، کہ رسول اکرم ﷺ جب نماز میں قرآن کریم پڑھتے تھے تو مقتدی اس کا جواب دیتے تھے جب حضور ﷺ بسم اللہ الرحمن الرحیم کہتے تو مقتدی بھی یہی کہتے تھے، اسی طرح فاتحہ اور سورۃ کے ختم تک کہتے رہتے تھے، یہ صورت حال اللہ نے جہاں تک چاہا چلتی رہی، پھر آیت کریمہ ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ“..... نازل ہوئی تو حضور ﷺ پڑھتے تھے اور لوگ خاموش رہتے تھے

(۳) حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص قرآن پڑھے تو اس کا سننا واجب ہے؟۔ حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا کہ نہیں، پھر فرمایا کہ آیت کریمہ ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ“ امام کی قرأت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب امام پڑھے تو آپ اس کو سنیں اور خاموش رہیں۔

(۴) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک بار اپنے شاگردوں کو نماز پڑھائی انہوں نے سنا کہ کچھ لوگ پیچھے قرأت کر رہے ہیں چنانچہ نماز کے بعد آپ نے فرمایا کہ، کیا تمہارے لئے وقت نہیں آیا کہ بوجھو؟ جب قرآن کریم پڑھا جائے کرے تو اسے سنو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے۔

(۵) حضرت ابو العالیہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے تھے تو آپ بھی پڑھتے تھے اور آپ ﷺ کے پیچھے صحابہ کرام بھی پڑھتے تھے، پس آیت کریمہ ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ“..... نازل ہوئی تو لوگ خاموش ہو گئے اور حضور اکرم

ﷺ پڑھتے رہے۔ (مذکورہ تمام روایات درمنثور ج ۲ ص ۱۵۵ سے لی گئی ہیں)
ابوداؤد کی روایت ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔ (زرقانی شرح مؤطا ج ۱ ص ۱۶۱)

اعتراض:۔ آیت سے فقط استماع والنصات ہی ثابت ہوتا ہے اور یہ بات ایسے سکوت کو مستلزم نہیں کہ مقتدی اپنے نفس میں سرّاً بھی نہ پڑھ سکے اسلئے کہ انصات نام ہی ترک جہر کا.....

جواب:۔ انصات کے معنی ترک جہر کس لغت میں ہے یہ معنی حقیقی ہیں کہ مجازی۔ اگر حقیقی ہیں تو اہل لغت نے یہ معنی نہیں لکھے۔ تمام اہل لغت انصات کے معنی سکوت کے لکھتے ہیں اور سکوت کے معنی عدم تکلم کے ہیں۔ اردو والے خاموشی اور چپ ہونے کے لکھتے ہیں۔ اگر معنی مجازی ہیں تو مجازی معنی چپ لئے جاتے ہیں۔ جب کہ کسی وجہ سے حقیقی معنی مراد نہ ہو سکیں اور مجازی معنی کا کوئی قرینہ موجود ہو اور مذکورہ آیت میں تو حقیقی معنی یعنی عدم تکلم کا قرینہ ظاہرہ لفظ ”فاستمعوا“ تو موجود ہے۔ تمام مفسرین انصات کے معنی عدم تکلم اور خاموش ہو جانے کے لکھتے ہیں مثلاً شاہ ولی اللہ انصوا کے معنی خاموش باشید (چپ رہو) فرماتے ہیں اور شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر صاحبان نے ”چپ رہنے اور کان لگانے“ کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔

اعتراض:۔ استماع والنصات جہری نماز کے ساتھ مختص ہوگا کیونکہ سری نمازوں میں استماع ہو ہی نہیں سکتا تو اب آیت سے فقط جہری نمازوں میں سکوت ثابت ہوا۔

جواب:۔ آیت کے معنی تو فقط یہ ہیں کہ وقت قرأت قرآن خوب متوجہ ہو جاؤ اور خاموش رہو۔ خواہ تمہارے کان میں آواز آئے نہ آئے۔ اگر کسی شخص کو دوری کی وجہ سے جہری نماز میں امام کی قرأت کی آواز نہ پہنچ سکے تو کیا آپ اس کو سبکدوش کر دیں گے اور اگر سری نماز میں استماع نہ رہا تو کیا ہوا، وہ خطاب انصوا سے کیوں کر بری ہو جائے گا اور احادیث منع قرأتہ کو جب اس کے ساتھ بطور تغیر ملایا جائے تو پھر کسی قسم کا خفاء ہی نہیں۔

اعتراض:۔ اگر آیت سے استماع والنصات نماز سری و جہری دونوں ہی ثابت ہو جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرأت فاتحہ اس حکم سے خاص ہے۔

جواب:۔ تخصیص کیلئے کسی دلیل و شرط کی ضرورت ہے۔ حدیث عبادہ متفق علیہ ہے تو اس آیت اور دیگر نصوص منع قرأت کے معارض ہی نہیں جو اس سے تخصیص کی جائے۔ اسکے علاوہ ”إِذَا قَرَأْتَ فَانصِتُوا“ اور ”قِرَاءَةُ الْإِمَامِ قِرَاءَةٌ لَهُ“ کس کس کی تخصیص اپنے خیال کے بھروسے پر کرو گے

”یہ آیت دربارہ منع قرأت وہ حکم ناطق ہے کہ جمہور علماء نے اس کو تسلیم کیا ہے۔“

اعتراض:۔ آیت وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ آیت ”فَاقْرَأُوا مَا تيسر من القرآن“ کے معارض ہو جائے گی

کیونکہ پہلی آیت ہی تو حنفیہ کے قول کے مطابق قرأت سے مقتدی کو بالکل منع کر دیا گیا ہے اور آیت میں علی العموم مقتدی ہو یا امام یا منفرد سب کو حکم قرأت فرمایا گیا۔

جواب :- بوجہ شان نزول آیت مذکورہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ ۵) خاص ہے کیونکہ دربارہ تہجد آیت مذکورہ ("فأقروا ما تيسر من القرآن ۵") نازل ہوئی اور ظاہر ہے کہ نماز تہجد اکیلے اکیلے پڑھی جاتی ہے اور "فأقروا ۵" کے مخاطب صرف امام اور منفرد ہیں۔

اعتراض :- وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ ۵ میں حکم استماع اور انصات مومنین کو نہیں بلکہ کفار کو ہے۔
جواب :- یہ تفسیر جمہور مفسرین کے خلاف ہے۔ مفسرین کے نزدیک یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کچھ مفسرین کے نزدیک استماع خطبہ اور بعض کے نزدیک نماز میں فسخ کلام کے سلسلے میں نازل ہوئی تو یہ تمام تو مومنین کے حق میں ہوانہ کہ کفار کے حق میں۔ (آیت پر بحث کی مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "حسن الکلام فی ترک القرأت خلف الامام مصنف حضرت مولانا سرفراز خان صفدر" اور "ایضاح الادلہ مصنف شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب")

(۲) **حدیث شریف :-** "إِذَا قَرَأَ فَانصتوا" **ترجمہ :-** جب (امام) قرأت کرے تو خاموش رہو۔

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَطَبَنَا فَبَيَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَا صَلَاتَنَا فَقَالَ إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِمْوْا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لِيُؤْمِكُمْ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا (حَدَّثَنَا اسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ قَتَادَةَ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ) وَإِذَا قَرَأَ فَانصتوا وَإِذَا قَالَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ يُجِبْكُمْ اللَّهُ..... **ترجمہ :-** حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا پس ہمارے لئے ہمارا طریقہ کا واضح فرمایا اور ہمیں ہماری نماز سکھائی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز شروع کرو تو صفیں خوب اچھی طرح سیدھی کر لیا کرو، پھر تم میں کا ایک شخص امام بنے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو (اور بروایت جریر عن سلیمان عن قتادہ اس حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ) اور جب وہ قرأت شروع کرے تو خاموش ہو جاؤ اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعاء کو قبول کریگا۔..... (صحیح مسلم باب التشهد فی الصلوۃ ج ۱ ص ۱۷۴، مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۰)

مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کے وجوب میں یہ حدیث صحیح بھی ہے اور صریح بھی ہے۔

استدلال پر اعتراضات :- اس میں راوی سلیمان التیمی ہیں اور کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ مدلس ہیں اور عنعنہ سے روایت کرتے ہیں۔ "وَإِذَا قَرَأَ فَانصتوا" جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو، یہ زیادتی غیر محفوظ ہے۔

جواب :- تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدلس راوی جب حدیث وغیرہ الفاظ سے تحدیث کرے تو تدلیس کا الزام اس پر سے رفع ہو جاتا ہے (شرح نخبۃ الفکر ص ۵۳، تعلق المغنی ج ۱ ص ۱۲۰ وغیرہ)۔ صحیح ابو عوانہ ج ۲ ص ۱۳۳ اور ابو

داؤد ج ۱ ص ۱۴۰ میں سلیمان تیمی کی تحدیث ”قال حدثنا قتادة ہے اس لئے تدلیس کا اعتراض نا قابل قبول ہے۔ دوسرے اگر تدلیس روای کا کوئی متابع موجود ہو تو تدلیس کا عیب اور طعن اس سے اٹھ جاتا ہے۔ صحیح ابو عوانہ کی روایت ہی میں سلیمان تیمی کے مطابق ابو عبیدہ موجود ہیں۔ اور دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۵ اور سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۶ میں دو اور متابع عمر بن عامر اور سعید بن ابی عمروہ موجود ہیں۔ ان تمام حقائق کی روشنی میں اعتراض کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ مذکورہ روایت صحیح مسلم کی ہے۔ کیا غیر مقلدین کے نزدیک صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی روایات بھی صحیح نہیں ہیں؟

(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۸)

سلیمان تیمی:-

سلیمان تیمی بلا اختلاف، ثقہ اور ثبت، متقن اور حافظ تھے۔ اور تمام محدثین کا اس امر میں اتفاق ہے کہ ثقہ کی زیادتی قابل قبول ہے اسلئے ”واذا قرأ فانصتوا“ کی زیادتی محفوظ ہے۔
اعتراض: کچھ غیر مقلدین کہتے ہیں ”واذا قرأ فانصتوا“ کی زیادتی صحیح ہے مگر اس سے مراد ازا علی الفاتحہ یعنی سورہ فاتحہ کے بعد کی قرأت ہے۔

جواب:- یہ توجیہ اور تاویل قطعاً باطل ہے اسلئے کہ مسلم کی روایت میں اور ابو عوانہ وغیرہ کی روایت میں ہے کہ ”جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو اور جب غیر المغضوب علیہم والا الضالین کہے تو تم آمین کہو.....“ دیکھئے ان روایات میں سورہ فاتحہ کیلئے لفظ قرأت صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ (کچھ غیر مقلدین یہ بھی کتاب القرأت کا حوالہ پیش کرتے ہیں کہ یہ روایت ایسے ہے ”واذا قرأ فانصتوا الا الفاتحہ الکتاب یعنی جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو مگر سورہ فاتحہ۔“ مگر اس روایت میں راوی یونس وغیرہ بہت ضعیف ہیں اس لئے یہ تاویلات بھی محض طفل تسلی ہیں۔)

اعتراض:- اس روایت کو ابو داؤد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور امام ابو داؤد نے ایک راوی ابو خالد احمر کی طرف وہم کی نسبت کی ہے۔

جواب:- اس روایت کو ابو داؤد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے مگر جبکہ اس کی سند صحیح ہے اور اسکے راوی ثقہ ہیں تو اس کا لحاظ نہ ہوگا اور یہی وہ شاذ مقبول حدیث ہے۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۹۷) امام عینی نے شرح بخاری میں شبہات معترضین کو دفع کیا ہے۔ چنانچہ عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں ”تمہید میں امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ دونوں حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے یعنی حضرت ابو موسیٰ اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیثیں۔ اور اعتراض تو امام ابو داؤد پر ہے کہ انہوں نے ابو خالد احمر کی طرف وہم کی نسبت کی ہے حالانکہ وہ بلاشبہ ثقہ ہیں۔“ آگے لکھتے ہیں ”رہے ابو خالد تو ان کی روایت صحاح ستہ کے تمام مصنفین نے لی ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور امام اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت وکیع سے انکے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ابو خالد بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کے احوال پوچھے جائیں؟ اور ابو ہاشم بن محمد بن یزید رفاعی کہتے ہیں کہ ہم

سے حدیث بیان کی ابو خالد احمر نے جو ثقہ اور قابل اطمینان ہیں۔“ (عمدة القاری ج ۶ ص ۱۵) نیز ابو خالد روایت میں منفرد نہیں بلکہ محمد بن سعد الانصاری نسائی کی روایت میں انکے شریک ہیں اور امام منذری نے بھی ابو داؤد کے قول کا انکار کیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احسن الکلام ص ۲۳۵ تا ۲۶۷)

(۳) حدیث شریف: ● مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَ لَهُ إِمَامٌ لَهُ قِرَاءَةٌ. ترجمہ: جس شخص کیلئے امام ہو (یعنی وہ مقتدی بن کر نماز پڑھے) تو امام کی قرأت اس کیلئے بھی قرأت ہے (ابن ماجہ ص ۶۱، مسند احمد، ج ۳ ص ۳۳۹، مؤطا امام محمد ص ۹۷، کتاب الآثار ج ۱ ص ۲۰، نصب الرایۃ ج ۲ ص ۱۳۲ تا ۱۳۶)

اعتراض: یہ حدیث ضعیف ہے اس حدیث کے جمیع طرق معلول اور ضعیف ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مذکور مرسل ہے **جواب:**۔ اس حدیث کی نسبت بعض محدثین کا قول یہ ہے کہ حدیث مذکور کا رسول اللہ ﷺ تک مرفوع ہونا اور حدیث مذکور کا مرسل ہونا (دونوں) متعدد اسناد سے ثابت ہے۔ جب کہ حدیث مرسل بھی ہمارے، بلکہ اکثر ائمہ کے نزدیک معتبر ہے۔ نووی ج ۱ ص ۱۳۲ مقدمہ مسلم میں فرماتے ہیں کہ ”امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد رحمہم اللہ اور بہت سے فقہاء نے حدیث مرسل سے استدلال کو جائز قرار دیا ہے۔

امام ابن ہام فتح القدیر میں حدیث مذکور کے سلسلے میں فرماتے ہیں۔

”یہ حدیث متعدد سندوں سے حضرت جابر بن عبد اللہ کے واسطے سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے اور اس حدیث کے مرفوع ہونیکو ضعیف کہا گیا ہے مگر ضعیف کہنے والے حضرات مثلاً دارقطنی بیہقی اور ابن عدی اعتراف کرتے ہیں کہ اس حدیث کا مرسل ہونا صحیح ہے کیونکہ بہت سے حفاظ حدیث مثلاً دونوں سفیان، ابوالاحوص، شعبہ، اسرائیل شریک ابو خالد والانی، جریر، عبد الحمید، زائدہ اور زہیر نے اس حدیث کو موسیٰ بن ابی عائشہ کے حوالہ سے عبد اللہ بن شداد کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ یعنی ان سب حضرات نے اس حدیث کو مرسل نقل کیا ہے نیز امام ابو حنیفہؒ نے بھی ایک سند میں اس حدیث کو مرسل بیان کیا ہے۔ بہر حال اگر حدیث کو مرسل ہی مانا جائے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۹۵)۔

اعتراض:۔ حدیث مذکور کو سوائے ابو حنیفہؒ حسن بن عمارہ کے کسی نے مسند نہیں بیان کیا اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

جواب:۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معینؒ سے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ثقہ ہیں میں نے کسی کو امام صاحب کی تضعیف کرتے ہوئے نہیں سنا۔

اور جب امام صاحب کا اوزع الناس ہونا اقوال اکابر سے ظاہر ہو گیا تو اب ان کی روایت کے صحیح بلکہ اصح ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ اگرچہ روایت میں وہ منفرد ہی ہوں کیونکہ ثقہ کی روایت بالاتفاق سب کے نزدیک معتبر ہے گو منفرد ہوں۔ اس کے علاوہ اس حدیث کو امام صاحب کے علاوہ اور ثقات نے بھی روایت کیا ہے۔

● أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ مُوسَى ابْنُ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ. اس روایت کے تمام رواات ثقہ ہیں اور معتبر ہیں۔

(موطا امام محمد ص ۹۸)

قَالَ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ فِي مُسْنَدِهِ :

(۱) ● أَخْبَرَنَا اسْحَقُ الْأَزْرَقِيُّ، ثَنَا سَفْيَانُ وَشَرِيكٌ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ.

(۲) ثُمَّ قَالَ وَرَوَاهُ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ ثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، ثَنَا الْحَسَنُ ابْنُ صَالِحٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَهُ. ترجمہ :- حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرأت اسکی بھی قرأت ہے، نمبر ۲ حدیث اور دوسری سند سے منقول حدیث کا مضمون بھی یہی ہے..... اور حدیث جابر کی پہلی سند شیخین کی شرط کی موافق ہے اور دوسری سند مسلم کی شرط کی مطابق ہے۔

حدیث کو مرفوع بیان کرنا بھی ایک زیادتی ہے جس کو اگر ثقہ بھی بیان کرتا ہے تو اس کو قبول کرنا لازم ہے چہ جائیکہ

وہ منفرد بھی نہ ہو۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۹۵)

اس کے سوا اس حدیث کے طرق متعددہ اور بھی موجود ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، ابوسعید خدریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ وغیرہم سے حدیث مذکور منقول ہے اور روایت کرنے والے ابن ماجہ، طبرانی، دارقطنی، ابن حبان وغیرہ ہیں، اگر کسی حدیث کے طرق متعددہ ضعیفہ موجود ہوں تو حدیث مذکور بوجہ تعدد طرق حسن بن جاتی ہے اور قوی سمجھی جاتی ہے۔ سوجب طرق ضعیفہ رل کر قوی شمار ہوتے ہیں تو طرق ضعیفہ کا صحیحہ کے ساتھ مل کر اعلیٰ واقوی ہونا امر بدیہی ہے۔

حدیث عبادہؓ اور حدیث من کان لہ امام کی سندوں میں موازنہ :- مولانا بحر العلوم ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں ”حدیث من کان لہ امام..... کی سند حضرت عبادہؓ کی حدیث کے متعلق صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں ”حدیث من کان لہ امام، کو ترجیح دی جائے گی اس وجہ سے کہ بوقت تعارض علی الاطلاق ممانعت کو ترجیح دی جاتی ہے اور قوت سند کی وجہ سے بھی، کیونکہ ممانعت کی حدیث یعنی من کان لہ امام..... اصح ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۹۶)

علامہ عینیؒ کہتے ہیں ”حضرت عبادہؓ کی حدیث کی سند میں محمد ابن اسحق ہیں اور وہ مدلس ہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان میں صرف تدلیس کا عیب ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مدلس جب عن فلاں کہہ کر روایت کرے تو باجماع محدثین اسکی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا اور ”یہاں تو مزید یہ بات ہے کہ امام مالک نے ان کو جھوٹا قرار دیا ہے اور امام احمد نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس روایت سے حدیث ثابت نہیں ہے اور زرعد رازی نے فرمایا ہے کہ اسکی موافقت

میں کوئی فیصلہ نہیں دیا جاسکتا۔ (بنایہ شرح ہدایہ ج ۱ ص ۷۱)

دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں:۔ حدیث عبادہ متفق علیہ حدیث من کان لہ امام کی معارض ہی نہیں ہے۔

کیونکہ ادلہ شرعیہ میں اصل عدم تعارض ہے: اصل یہی ہے کہ ادلہ شرعیہ اور احادیث نبوی ﷺ میں حتی الوسع تعارض نہ مانا جائے ہاں جب کوئی صورت تطبیق ممکن نہ ہو تو بجوری نصوص شرعیہ میں تعارض و تناقض مان کر فکر ترجیح کرتے ہیں۔ خبر واحد نص قرآنی کی معارض نہیں ہو سکتی

حدیث اول جو بروایت ترمذی وغیرہ سے منقول ہے وہ تو بے شک نصوص منع قرآنہ خلف الامام کے معارض ہے مگر اسکی صحت میں کلام ہے اسلئے وہ حدیث احادیث صحیحہ بالخصوص نص قرآنی کے مزاحم نہیں ہو سکتی بلکہ ان نصوص صحیحہ اور متواترہ کے مقابلہ میں حدیث مذکور ہی کو ترک کرنا پڑیگا

دوسری حدیث جو متفق علیہ ہے اس کو اگر نصوص منع قرأت کے معارض مان لیں تو متفق علیہ حدیث پھر بھی خبر واحد ہے اور اسے نص قرآنی پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

اور اگر اسے نصوص منع قرأت کے معارض ہی نہ مانا جائے تو پھر حدیث عبادہ احناف کے مقابلہ میں غیر مقلدین کو کسی طرح مفید نہیں ہو سکتی

حدیث من کان لہ امام..... حدیث عبادہ کی مفسر ہے:۔ حدیث من کان لہ امام..... حدیث لا صلواہ لمن لم یقراء بفاتحة الكتاب کے معارض نہ ہوگی بلکہ اسے مبین و مفسر کہنا ہوگا یعنی حدیث عبادہ سے فقط اس قدر ثابت ہوا تھا کہ ہر مصلیٰ کو قرأت فاتحہ لازم ہے اور اس سے ساکت تھی کہ خود مقتدی کو بالذات پڑھنی چاہئے یا امام اسکی طرف سے اسے انجام دے سکتا ہے تو حدیث من کان لہ امام..... نے اس کی خوب توضیح فرمادی۔

حدیث عبادہ اور حدیث من کان لہ امام میں تعارض نہیں ہے:۔ من کان لہ امام، حدیث من کان لہ امام..... کی معارض نہیں اسلئے کہ لا صلواہ..... کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ ہر ایک مصلیٰ کے حق میں قرأت فاتحہ ضروری ہے لیکن یہ بات کہ بالخصوص ہر ایک شخص کو بذات خود فاتحہ کا پڑھنا لازم ہے اور بغیر اس کے وجوب قرأت سے بری الذمہ نہ ہوگیا کوئی اور بھی اس کی طرف سے پڑھ سکتا ہے کہ جس کے پڑھنے سے یہ سبکدوش ہو جائے اور اس کا پڑھنا بعینہ اسکا پڑھنا سمجھا جائے اس حکم سے حدیث مذکور ساکت ہے۔ ہاں حدیث من کان لہ امام..... نے اس امر کی تشریح کر دی ہے کہ ہر ایک شخص کی طرف سے اس کا امام حکم قرأت انجام دے کر اس کو سبکدوش کر دے گا اور بحکم حدیث مذکورہ قرأت امام بعینہ مقتدی کی قرأت سمجھی جائے گی جیسا کہ در باب ضم سورت امام کے ہوتے ہوئے مقتدی کو نہ پڑھنا چاہئے باوجودیکہ خود حضرت عبادہ کی روایت میں جو امام مسلم نے بیان کی ہے ”فصاعدا“ بھی موجود ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص سورہ فاتحہ اور اس کے سوا اور کلام اللہ نہ پڑھے یعنی ضم سورت نہ کرے اس کی نماز نہ ہوگی، لیکن بوجہ حدیث سابق امام

کا ضم سورت کرنا بعینہ مقتدی کا پڑھنا ہے ایسا ہی قرأت فاتحہ کے بارے میں، امام کی قرأت ہے بعینہ مقتدی کی قرأت ہے اس صورت میں حدیث عبادۃ ترمذی، مسلم، اور حدیث قرأت الامام میں اصلاً تعارض نہ ہوگا۔ ہاں غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق حدیث مسلم کو تو ضرور ہی منسوخ و متروک کہنا پڑے گا۔

اعتراض:- احناف کہتے ہیں کہ حدیث لا صلوة..... منفرد کیلئے ہے جبکہ ایک حدیث ہے لا صلوة لمن لا وضوء له۔ یعنی جو شخص بھی وضو نہ کرے اس کی نماز نہیں (سنن دارمی) جب یہ حدیث تمام نمازیوں کیلئے ہے کہ جو شخص وضو نہ کرے اس کی نماز نہ ہوگی اسی طرح یہ حدیث بھی تمام نمازیوں کیلئے ہوگی چاہے وہ امام ہو یا مقتدی۔

جواب:- اگر پانی نہ ملے تو وضو کا قائم مقام تیمم ہو سکتا ہے جس طرح تیمم کرنے والا حدیث سے مستثنیٰ ہے اسی طرح مقتدی کی قرأت کا قائم مقام امام ہے۔ حدیث ”من كان له امام فقرأه الامام له قراءة“ کے حکم سے۔ اسی طرح حدیث معارض نہ ہوگی ورنہ تعارض لازم آئے گا۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ایضاح الادلہ ص ۱۳۹ تا ۱۵۸، احسن کلام ص ۳۱۸ تا ۳۲۷)

(۴) **آثار:** مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنیکی ممانعت سلف (صحابہ و تابعین) کے اقوال سے بھی ثابت ہے۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(۱) ☆ حضرت عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ انہوں نے زید بن ثابتؓ سے امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں دریا فت کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ ”امام کے ساتھ کسی نماز میں قرأت نہیں“۔ (صحیح مسلم باب سجود التلاوة ج ۱ ص ۲۱۵)

(۲) ☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا جاتا کہ کیا امام کی اقتداء میں قرأت کی جائے تو فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے، تو اس کو امام کی قرأت کافی ہے، اور جب تنہا پڑھے تو قرأت کرے، حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے (موطا امام مالک ص ۳۸)۔

(۳) ☆ ابن ابی شیبہ نے سعد ابن وقاصؓ اور زید بن ثابتؓ کا قول نقل کیا ہے، کہ جس نے امام کے پیچھے نماز میں پڑھا اس کی نماز جائز نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ”من كره القراءة خلف الامام“ ج ۳ ص ۲۷۹)

(۴) ☆ امام شعمیؒ فرماتے ہیں کہ میری ستر (۷۰) بحدری صحابہ کرام سے ملاقات ہوئی ہے، جو سب کے سب مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنے سے منع کرتے تھے (روح المعانی ج ۹ ص ۱۵۲)۔

(۵) ☆ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ہم نے کسی مسلمان سے نہیں سنا ہے کہ جب امام جہری قرأت کرے تو اس مقتدی کی نماز نہیں ہوتی جو قرأت نہ کرے اور امام احمد بن حنبلؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ ہیں بنی اکرمؓ اور آپ کے صحابہ اور تابعین اور یہ امام مالک ہیں حجاز میں اور سفیان ثوری ہیں عراق میں اور یہ امام اوزاعی ہیں شام میں اور لیث بن سعد ہیں مصر میں ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ اس شخص کے بارے میں جس نے نماز پڑھی اور اس کے امام نے قرأت کی، اور خود اس نے قرأت

نہیں کی کہ اس کی نماز باطل ہے (المغنی ج ۱ ص ۶۰۲)۔

(۶) ☆ امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلی بات جو لوگوں نے نئی چیز پیدا کی وہ امام کے پیچھے پڑھنا ہے، اور سلف صالحین نہیں پڑھا کرتے تھے۔ (الدر المنثور، ج ۳ ص ۱۵۶)

تحقیق مسئلہ مذکورہ:- احادیث دونوں جانب ہیں اگر خدا نخواستہ کوئی فریق صرف ایک قسم کے دلائل کو مانتا ہے اور دوسری قسم کا انکار کرتا ہے تو گویا وہ احادیث کا انکار کرتا ہے جو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں اجتہاد کیا جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دونوں قسم کی روایات کا جائزہ لیا جائے۔

غیر مقلدین کے دلائل کا جائزہ:- غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے (نماز جہری ہو یا سنی) ”فرض“ کی دلیل میں قرآن کریم کی صریح آیت یا احادیث صحیحہ متواترہ چاہیئے (کیونکہ ”قیاس“ سے فرض ثابت نہیں کیا جاسکتا)۔

غیر مقلدین استدلال میں جو روایات پیش کرتے ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم صریح روایات کی ہے (جن میں نفس مسئلہ الفاظ کیساتھ مذکور ہو۔ مثلاً یہاں جن روایات میں امام اور مقتدی کا ذکر ہو)، یہ تمام روایات غیر صحیح ہیں۔ اور دوسری قسم غیر صریح روایات کی ہے (جن روایات میں امام اور مقتدی کا ذکر نہ ہو بلکہ جن میں قیاس کرنا ہوتا ہے)۔ ایسی روایات قابل حجت نہیں اگرچہ صحیح ہوں۔ ”مقتدی پر سورہ فاتحہ فرض ہے“ اس کی دلیل میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں، ان میں جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں اسلئے نفس مسئلہ ثابت ہی نہیں ہوتا۔

ایک تو استدلال میں روایات صحیح نہیں ہیں دوسرے یہ روایات صرف تین صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ (۱) حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایات (۲) حضرت انسؓ سے روایات (۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایات۔ اسلئے ان روایات کا ”متواترہ“ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

غرض مقتدی پر سورہ فاتحہ فرض ہونیکے سلسلہ میں شرط کی مطابقت ایک بھی (صحیح صریح حدیث) دلیل نہیں ہے۔ اسلئے غیر مقلدین کا دعویٰ رد ہے

احناف کے دلائل کا جائزہ:- احناف کے نزدیک بہر صورت خواہ جہری نماز ہو یا سنی، اور خواہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔

احناف اپنے دعوے کی دلیل میں (۱) قرآن کریم کی آیت (۲) حدیث شریف اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَلِمْ اَوْ اَمَامَ (۳) آثار پیش کرتے ہیں۔

احناف استدلال میں آیت ”وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ“ پیش کرتے ہیں۔ آیت قطعی ہوتی ہے اور حدیث واحد ظنی، اور قطعی کے مقابلہ میں ظنی پر عمل جائز نہیں ہے۔

”واذا قرأنا نستموا“ حدیث صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۴، نسائی ج ۱ ص ۱۴۶، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۰، ابن ماجہ ص ۶۱، مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۰، صحیح ابوعوانہ وغیرہ میں صحیح سند و متن کے ساتھ مروی ہے یہ حدیث صحیح صریح ہے اس لئے قابل قبول ہے۔ حدیث شریف مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ.....“ حدیث عبادہؓ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ.....“ کے معارض نہیں ہے بلکہ اس کیلئے مفسر ہے۔ یعنی حدیث عبادہؓ سے تو فقط اس قدر ثابت ہوا تھا کہ ہر مصلیٰ کو قرأت فاتحہ لازم ہے لیکن اس سے ساکت تھی کہ خود مقتدی کو بالذات پڑھنی چاہئے، یا امام بھی اس کی طرف سے اس مہم کو سرانجام دے سکتا ہے؟ اور حدیث مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ..... نے اس کی خوب توضیح فرمادی کہ امام مقتدی کی طرف سے سورہ فاتحہ پڑھنے پر مکلف ہے۔

مقتدی پر سورہ فاتحہ فرض ہونے کی دلیل میں غیر مقلدین کو قرآن کریم کی صریح آیت یا احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ پیش کرنا چاہئے جب کہ ان کے پاس ایک بھی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے، اسلئے غیر مقلدین کا دعویٰ رد ہے۔ جبکہ حنفی مسلک میں مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ یا اس سے زیادہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ احناف کے پاس قرآن پاک کی آیت اور صحیح مسلم کی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے حدیث موجود ہے جو صحیح صریح حدیث ہے ان دونوں (آیت اور حدیث) سے مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا واجب ثابت ہوتا ہے۔ اور ترک واجب مکروہ تحریمی ہے۔

اسلئے مقتدی کیلئے نماز (چاہے جہری ہو یا سری) میں امام کے پیچھے قرأت (سورہ فاتحہ یا اس سے زیادہ پڑھنا) مکروہ تحریمی ثابت ہوتا ہے۔

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا، لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کی مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائے گا کہ یہ حنفی ہے، اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتہ اتحاد پر لایا نہ والے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا اگر کوئی غیر مقلد جہری نماز کی جماعت میں شروع ہی سے شامل ہوتا ہے تو امام کیساتھ سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے کوئی امام سے پہلے ہی سورہ فاتحہ ختم کر دیتا ہے تو اپنی ولا الضالین پر آمین سر (آہستہ) کہتا ہے، اور جب امام ولا الضالین کہتا ہے تو یہ جبراً (بلند آواز سے) آمین کہتا ہے، اس طرح ایک مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھتا ہے اور دوسرے آمین کہتا ہے۔ کوئی امام کے ساتھ ساتھ سورہ فاتحہ پڑھتا ہے اور ایک مرتبہ آمین کہتا ہے۔

اگر کوئی درمیان میں آکر جماعت میں شامل ہوتا ہے تو امام کے سورہ فاتحہ ختم ہونے تک انتظار کرتا ہے اور امام کی سورہ فاتحہ ختم ہونے پر آمین کہتا ہے اور پھر سورہ فاتحہ پڑھتا ہے اور اپنی سورہ ختم ہونے پر بھی آمین کہتا ہے۔

اور اگر سری نماز کی جماعت میں شامل ہوتا ہے تو سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد صرف ایک مرتبہ آمین کہتا ہے۔
 بعض غیر مقلدین جب امام کو رکوع میں پاتے ہیں تو جلدی سے اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلے جاتے ہیں اور اس رکعت کو پوری مانتے ہیں اور بعض غیر مقلدین پوری نہیں مانتے۔
 اگر مزید توجہ سے جائزہ لیا جائے تو اور بھی مختلف مناظر نظر آئیں گے۔
 اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے اور تقلید میں نظم و ضبط ملت ہے۔

سوالات

- (۱) امام کے پیچھے مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اسکی دلیل میں غیر مقلدین کو احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ پیش کرنا چاہیے لیکن ان کی بے بسی کو دیکھتے ہوئے آسان مطالبہ ہے کہ مذکورہ مسئلہ کی دلیل میں صرف ایک صحیح حدیث پیش کر دیں۔
- (۲) جب مقتدی جماعت میں شامل ہو تو اسے کب سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کرنا چاہیے اسکی دلیل میں صحیح حدیث پیش کریں
- (۳) مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ آہستہ پڑھے اس کی دلیل میں صرف ایک صحیح حدیث پیش کیجئے؟
- (۴) جب امام کا سورہ فاتحہ پڑھنا مقتدی کیلئے کافی نہیں ہے تو مقتدی امام کی ولا الضالین پر آمین کہنے کا کیوں مکلف ہے؟ حدیث سے ثابت کیجئے۔

مسئلہ آمین

- احناف :-** احناف کے نزدیک قرأت جہری ہو یا سری مقتدی کا سر آمین کہنا سنت ہے۔
مالکیہ :- مالکیہ کے نزدیک قرأت جہری ہو یا سری مقتدی کا سر آمین کہنا سنت ہے۔
شوافع :- شوافع کے نزدیک جہری قرأت میں جہر آمین کہنا سنت ہے۔
حنابلہ :- حنابلہ کے نزدیک جہری قرأت میں جہر آمین کہنا سنت ہے۔
 ائمہ اربعہ میں اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے جائز اور ناجائز کا نہیں ہے۔

”مقتدی کا جہر آمین کہنا سنت ہے“ اس دعویٰ کی حقیقت

[نماز میں ولا الضالین کہنے کے بعد آمین سر (آہستہ) کہنے کے جمیع اہلسنت والجماعت قائل ہیں غیر مقلدین بھی سری نمازوں میں سر کہنے کے قائل ہیں۔ اور جہری نمازوں میں تیسری اور چوتھی رکعتوں میں بھی سر کہنے کے قائل ہیں۔ لیکن جہری نمازوں میں پہلی اور دوسری رکعتوں میں امام کے ولا الضالین کہنے کے بعد غیر مقلدین ایک امر زائد کے قائل ہیں وہ یہ کہ مقتدی زور سے آمین کہے انکے نزدیک یہی سنت ہے اور وہ اسکے خلاف کو جائز نہیں سمجھتے۔ اور اپنے اس ”قیاس“

کو ”عمل بالحدیث“ کا نام دیتے ہیں جب کہ مذکورہ مسئلہ کی حقیقت ملاحظہ ہو [

احادیث کی کسی روایت میں ایسا نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے حکم دیا ہو یا آپ کا قول ہو کہ جب امام ولا الضالین کہے تو مقتدی جہراً (بلند آواز سے) آمین کہے۔

آمین بالجہر کے سلسلہ میں جتنی احادیث بھی استدلال میں پیش کی جاتی ہیں (وہ یا مضطرب ہیں یا غیر صحیح) ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے سورہ فاتحہ جہراً پڑھی اور پھر اسکے بعد جہراً آمین کہا۔ حضور ﷺ کی اتباع کا نام لیکر ”آمین“ کے سلسلہ میں جہر (بلند آواز) کا استدلال کیا جاتا ہے اور ”سورہ فاتحہ“ کے سلسلہ میں جہر کا استدلال چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یعنی مقتدی سورہ فاتحہ تو آہستہ پڑھے اور آمین زور سے کہے یہ ”انوکھا قیاس“ ناقابل فہم ہے۔ اس سلسلہ میں غیر مقلدین کو صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کرنا چاہئے کہ امام سورہ فاتحہ جہراً پڑھے گا اور مقتدی سر پڑھے گا۔ اور امام جہراً آمین کہے گا۔ اور مقتدی بھی جہراً آمین کہے گا۔

نیز غیر مقلدین کو اپنے طرز استدلال پر دلیل دینا چاہئے کہ ایک ہی روایت سے جہاں امام کیساتھ جہراً سورہ فاتحہ پڑھنے کو چھوڑ دیا جائے وہاں سے سرراً (آہستہ) پڑھا جائے اور اسی مقام سے جہراً (بلند آواز سے) آمین کہنے کی دلیل لی جائے یہ عمل بالحدیث ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ ”قیاس غلط“ ہے جو ناقابل قبول ہے۔

سرراً آمین کہنے کی روایات

☆ مشہور تابعی حضرت عطاء بن رباحؓ نے کہا ”آمین“ دعا ہے۔ (بخاری باب الْجَهْرُ بِاللَّائِمِينَ ج ۱ ص ۱۰۷) اور اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ”ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً“ یعنی اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ خفیہ طور پر۔ (سورہ اعراف آیت نمبر ۵۵) اور حدیث شریف میں ہے ”انکم لاتدعون اصمًا ولا غائبًا“ یعنی تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب مَا يُكْرَهُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي التَّكْبِيرِ ج ۱ ص ۴۲۰) آیت اور احادیث مشیر ہیں کہ دعائیں اصل اخفاء ہے اور چونکہ آمین دعا ہے اسلئے آسمیں بھی اصل اخفاء (آہستہ، خفیہ) ہے۔ چنانچہ جمیع اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں، جیسا کہ گذر چکا ہے اسلئے اس کی دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے عملاً فریق مخالف بھی اس پر عمل کرتا ہے لیکن استحساناً چند روایات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ● حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں سکھاتے تھے فرماتے تھے امام سے جلدی مت کرو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ والا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی کرو اور جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم کہو اِنَّهُمْ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب اِئْتِمَامِ الْمَأْمُومِ بِالْإِمَامِ ج ۱ ص ۱۷۷)

(۲) ● حضرت حسنؓ سے روایت ہے حضرت سمرہ بن جندبؓ اور عمران بن حصینؓ نے آپس میں بحث کی پس حضرت سمرہ بن

جندبؓ نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دو سکتوں (خاموشیوں) کو یاد رکھا ایک سکتہ تو وہ ہے کہ جب تکبیر کہے اور دوسرا سکتہ وہ ہے کہ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھنے سے فارغ ہوئے پس سمرہؓ نے اس کو یاد رکھا اور عمران بن حصینؓ نے اس کا انکار کیا دونوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کی طرف لکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ سمرہؓ نے یاد رکھا۔

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، بَابُ السُّكُتَةِ عِنْدَ الْاِلْتِمَاحِ ج ۱ ص ۱۱۳)

(۳) ● حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے ہم کو نماز پڑھائی پس جب غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھا آمین کہا اور اپنی آواز کو آہستہ کیا اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنے دائیں جانب اور بائیں جانب سلام پھیرا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۶، ترمذی ابواب الصلوٰۃ، بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّامِيْنِ ج ۱ ص ۵۸، ابوداؤد الطیالسی ص ۱۳۸، دارقطنی کتاب الصلوٰۃ، بَابُ التَّامِيْنِ فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۳۳۲، مستدرک حاکم کتاب التفسیر، بَابُ آمِيْنٍ يُخَفِّضُ الصَّوْتُ ج ۲ ص ۲۳۲)

(۴) ● حضرت ابو وائلؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور تعوذ اور آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، بَابُ قِرَاءَةِ بِسْمِ اللّٰهِ فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۴۰)

(۵) ● حضرت ابراہیم نخعیؓ سے روایت ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ امام ان کو آہستہ سے پڑھے گا۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اور تعوذ اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور آمین اور اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔

(مصنف عبد الرزاق کتاب الصلوٰۃ، بَابُ مَا يُخْفِي الْاِمَامُ ج ۲ ص ۸۷)

کیا مقتدی کے لئے جہراً آمین کہنا سنت ہے؟

غیر مقلدین: غیر مقلدین کے نزدیک امام کی جہری قرأت میں ولا الضالین کہنے پر مقتدی کو جہراً (زور سے) آمین کہنا سنت ہے، سرّاً کہنا جائز نہیں ہے۔

احناف:۔۔ احناف کے نزدیک بہر صورت قرأت جہری ہو یا سری مقتدی کا سرّاً آمین کہنا سنت ہے۔

نکتہ اختلاف:۔۔ غیر مقلدین کے نزدیک جہری نمازوں کی جہری قرأت میں امام کے ولا الضالین کہنے پر مقتدی کیلئے جہراً (زور سے) آمین کہنا سنت ہے، سرّاً کہنا جائز نہیں ہے۔ اسلئے یہ (بلند آواز سے آمین کہنا) غیر مقلدین کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور اس کی دلیل میں انہیں صحیح صریح حدیث پیش کرنا چاہئے۔

احناف کے نزدیک جہری سری دونوں نمازوں میں مقتدی کیلئے سرّاً (آہستہ سے) آمین کہنا سنت ہے۔ اور یہ ”سنت“ سنن زوائد میں سے ہے (جیسا کہ شامی کتاب الصلوٰۃ / باب صفة الصلوٰۃ ج ۲ ص ۷۰ تا ۷۲ پر ہے)۔ اور سنن زوائد

ضعیف احادیث سے بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔

صحیح احادیث میں نماز میں سورہ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد ”ولا الضالین“ کہنے کے بعد ”آمین“ کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر جمیع اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ جب آمین کہنے کا حکم دیا گیا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آمین آہستہ (سراً) کہا جائے یا بلند آواز سے (جہراً) کہا جائے۔ مشہور تابعی حضرت عطاء بن رباحؓ نے کہا ”آمین“ دعا ہے۔ (بخاری باب الْجَهْرِ بِاَلْتَّامِينَ ج ۱ ص ۱۰۷) اور اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ”ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً“ یعنی اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ خفیہ طور پر۔ (سورہ اعراف آیت نمبر ۵۵) نیز حدیث شریف میں ہے ”انکم لاتدعون اصمًا ولا غائبًا“ یعنی تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب مَا يُكْرَهُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي التَّكْبِيرِ ج ۱ ص ۴۲۰) آیت اور احادیث مشیر ہیں کہ دعا میں اصل اخفاء ہے اور چونکہ آمین دعا ہے اسلئے اس میں بھی اصل اخفاء (آہستہ، خفیہ) ہے۔ چنانچہ جمیع اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب منفرد نماز پڑھ رہا ہو تو ولا الضالین کہنے کے بعد سرّاً (یعنی خاموشی، خفیہ) آمین کہنے پر اتفاق ہے۔ اسی طرح جب جماعت سے نماز پڑھ رہا ہو تو سرّی نمازوں میں آمین سرّاً کہنے پر بھی اتفاق ہے۔ اگر جہری نماز پڑھ رہا ہو تو بھی سرّاً آمین کہنے پر بھی اجماع ہے۔ جمیع اہل سنت والجماعت ان تمام مواقع پر سرّاً آمین کہنے پر متفق ہیں سوائے شوافع اور حنابلہ کے۔ کیونکہ شوافع اور حنابلہ ایک امر زائد کے قائل ہیں وہ یہ کہ ”جہری نمازوں میں جہری قرأت میں جب امام ولا الضالین کہے تو مقتدی زور سے آمین کہے یہ اولیٰ ہے، لیکن سرّاً (آہستہ) کہنا جائز ہے۔“ لیکن احناف اور مالکیہ کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ ”اس وقت مقتدی سرّاً (آہستہ) آمین کہے، جہراً کہنا جائز ہے۔“ پس ائمہ اربعہ میں اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے، جواز و عدم جواز کا نہیں ہے۔

جب کہ غیر مقلدین جہراً آمین کہنے کو سنت کہتے ہیں اور اسکے خلاف کو جائز نہیں سمجھتے (جیسا کہ ایک امر زائد رفع یدین عند الركوع میں قائل ہیں) تو انہیں چاہئے کہ روایات صحیحہ صریحہ سے آمین بالجہر ہی کا سنت ہونا ثابت کریں اور اصولاً یہ بات اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ثابت کی جائے (۱) یا تو دوام جہر ثابت کیا جائے یعنی یہ ثابت کیا جائے کہ آنحضور ﷺ ہمیشہ زور سے آمین کہتے تھے، یہ بات ثابت کئے بغیر جہر کا اصل سنت ہونا ثابت نہیں ہو سکتا (۲) یا کم از کم یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کی بالکل آخری نماز میں زور سے آمین کہی ہے تاکہ نسخ کا احتمال ختم ہو جائے۔ اور یہ دونوں باتوں میں سے ایک بھی ممکن نہیں کیونکہ آمین بالجہر کے سلسلے میں جو صحیح روایات ہیں وہ صریح (جس میں نفس مسئلہ الفاظ کیساتھ مذکور ہوں) نہیں ہیں اور جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ پھر ان سے نہ دوام فعل ثابت ہوتا ہے نہ آخری عمل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

جہراً آمین کہنے کی روایات

جہراً آمین کہنے کی جتنی روایات موجود ہیں ان میں سے کوئی ایسی روایت نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہو کہ آمین زور سے کہو بلکہ غیر مقلدین بعض فعلی روایات سے استدلال کرتے ہیں اور ان کا طرز استدلال انوکھا ہے۔

استدلال کا انوکھا طرز: آمین بالجہر کے سلسلے میں جتنی روایات بھی استدلال میں پیش کی جاتی ہیں ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سورہ فاتحہ جہراً پڑھی اور پھر اس کے بعد جہراً آمین کہا۔ حضور ﷺ کی اتباع کا نام لیکر ”آمین“ کے سلسلہ میں جہر پر استدلال کیا جاتا ہے اور سورہ فاتحہ کے سلسلہ میں جہر پر استدلال چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یعنی مقتدی سورہ فاتحہ تو آہستہ پڑھے اور آمین زور سے کہے، یہ انوکھا استدلال ناقابل فہم ہے۔ اس سلسلہ میں انہیں مرفوع حدیث پیش کرنا چاہئے کہ امام جہراً سورہ فاتحہ پڑھے گا اور مقتدی سر پڑھے گا، اور امام جہراً آمین کہے گا اور مقتدی بھی جہراً آمین کہے گا، ورنہ ان کا استدلال ناقابل قبول ہے۔

جہراً آمین کے سلسلہ میں تین قسم کی روایات پیش کی جاتی ہیں (۱) حضرت وائل بن حجر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ام حصین اور حضرت علیؓ کی روایات (۲) غیر صریح روایات سے قیاس (۳) صحابہ اور تابعین کے آثار۔

(۱) پہلی قسم کی روایات :-

حضرت وائل ابن حجر کی روایات :- حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ نَائِحِي بَنُ سَعِيدِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِي قَالَا نَسُفِيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ حُجْرِ بْنِ عُبْسٍ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهُ. ترجمہ:- حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے سنا نبی ﷺ سے کہ انھوں نے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھا پھر آمین کہا (اور) دراز کی اس کے ساتھ آواز اپنی۔ (ترمذی باب مَا جَاءَ فِي التَّائِمِينَ ج ۱ ص ۵۷، ابوداؤد باب التَّائِمِينَ وَرَأَى الْإِمَامَ ج ۱ ص ۱۳۴، ابن ماجہ باب الْجَهْرِ بِآمِينَ ص ۶۲، نسائی باب رَفَعَ الْيَدَيْنِ حِيَالَ الْأُذُنَيْنِ ج ۱ ص ۱۴۰، ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۵۵ باب مَنْ كَانَ يُسَلِّمُ.....، دارمی ج ۱ ص ۱۴۷، جزء القراءة بخاری ص ۱۱۶، دارقطنی ج ۱ ص ۳۳۴، بیہقی ج ۲ ص ۵۷)

استدلال پر اعتراضات :- (الف) حضرت وائل بن حجر کی روایات سے آمین بالجہر کے سلسلہ میں استدلال اسلئے صحیح نہیں ہے کہ ”آثار السنن ص ۱۸۷ پر علامہ نیوی نے لکھا ہے وَهُوَ حَدِيثٌ مُضْطَرَبٌ اس حدیث میں اضطراب ہے۔“ نیز ص ۱۸۵ حاشیہ پر مذکور ہے ”اگرچہ یہ حدیث ایک سے زائد اہل علم کے نزدیک صحیح ہے لیکن تحقیقاً ضعیف ہے اس کے اضطراب کی وجہ سے۔“

وجہ اضطراب :- حضرت وائل بن حجر کی روایت حضرت سفیان ثوری کے طریق سے ہے ”قَالَ آمِينَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ

اَوْ مِثْلَ ذَالِكَ“ یعنی آمین کہا اور اپنی آواز کو بلند کیا یا اسی کے مثل کہا۔ اور انہیں حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت میں حضرت شعبہؓ کے طریق سے ہے ”اَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ اَوْ نَحْوَ ذَالِكَ“ یعنی اپنی آواز کو پست کیا یا اسی طرح کہا (ترمذی ج ۱ ص ۵۷)۔ اسی طرح حضرت وائل بن حجرؓ کی بہت سی روایات جہر اور سر دونوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس لئے جہر اور سر آمین کے سلسلہ میں مضطرب ہیں اور مضطرب روایات سے استدلال صحیح نہیں۔

مذکورہ روایت میں جہر اور سر کے سلسلہ میں تو اضطراب ہے ہی، لیکن وہ روایات جو صرف جہر کے سلسلہ میں ہیں خود ان میں بھی اضطراب ہے۔ ملاحظہ ہو

حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات:-

حدیث کی کتاب: جہر کے سلسلہ میں الفاظ

- ابوداؤد..... قَالَ آمِينَ رَفَعَ صَوْتَهُ
ترمذی..... فَقَالَ آمِينَ مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ
ابن ماجہ..... قَالَ آمِينَ فَسَمِعْنَا هَامِنَهُ
نسائی..... قَالَ آمِينَ يَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهُ
ابن ابی شیبہ..... جَهَرَ بِآمِينَ
جزء القراءات بخاری..... يَمُدُّ بِهَا صَوْتَهُ آمِينَ
دارقطنی..... قَالَ آمِينَ وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ
بیہقی..... قَالَ آمِينَ رَافِعًا بِهَا صَوْتَهُ
طبرانی معجم کبیر..... قَالَ آمِينَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ
طبرانی بیہقی..... قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي آمِينَ

ان تمام وجوہات کی بناء پر حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت جہر آمین کہنے کے سلسلے میں مضطرب ہیں، اور مضطرب

روایات سے استدلال صحیح نہیں

[درج بالا روایات کے حوالوں سے آمین بالجہر کے سلسلہ میں مذکورہ الفاظ کے ثبوت میں درج ذیل کچھ روایات ملاحظہ ہوں]

● حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سَفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ حُجْرٍ عَنْ أَبِي الْعَنْبَسِ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَرَأَ وَالْأَصْلَاءِ قَالَ آمِينَ رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ **ترجمہ:-** محمد بن کثیر، سفیان، سلمہ، حجر ابی العنابس، وائل بن حجر سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الصّالین پڑھتے اس کے بعد بلند آواز سے آمین

کہتے۔ (ابوداؤد باب التَّائِمِينَ وَرَاءَ الْإِمَامِ ج ۱ ص ۱۳۲)

● حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَعَمَارُ بْنُ خَالِدِ الْوَاسِطِيِّ قَالَا ثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عِيَّاشٍ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَاثِلٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا قَالَ وَالَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ فَسَمِعْنَا هَامِنُهُ.

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے میں نے نماز پڑھی آنحضرت ﷺ کیساتھ آپ نے جب ولا الضالین کہا تو فرمایا آمین، اور ہم نے اس کو آپ سے سنا (یعنی آپ نے پکار کر آمین کہی تھی) (ابن ماجہ باب الجہر بآمین ص ۶۲)

● أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ ابْنِ وَاثِلٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا فَتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَادَا أُذُنَيْهِ، ثُمَّ قَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهَا قَالَ آمِينَ يَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهُ. **ترجمہ:** وائل بن حجر سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے جب نماز شروع کی تو تکبیر کہی اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے پھر سورہ فاتحہ پڑھی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو بلند

آواز سے آمین کہی۔ (نسائی باب رَفَعَ الْيَدَيْنِ حِيَالَ الْأُذُنَيْنِ ص ۱۴۰ ج ۱ بحوالہ نصب الراية ج ۱ ص ۳۷۱)

● حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ فُضَيْلٍ عَنْ حُجْرِ بْنِ عَنَسٍ عَنْ وَاثِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ صَلَّى خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا قَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ جَهَرَ بِآمِينَ قَالَ وَسَلَّم عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ خَدَّيْهِ. **ترجمہ:** حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس جب آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی تو زور سے آمین کہی راوی کہتے ہیں پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی دائیں اور بائیں سلام پھیرا یہاں تک کہ میں نے آپ کے گالوں کی سفیدی کو دیکھا۔

(ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ ج ۳ ص ۵۵ باب مَنْ كَانَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ تَسْلِيمَتَيْنِ)

● عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ حُجْرِ أَبِي الْعَنْبَسِ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَاثِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ صَلَّى ﷺ فَلَمَّا بَلَغَ (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَالَا الضَّالِّينَ) قَالَ آمِينَ وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ **ترجمہ:** حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی پس جب آپ (غیر المغضوب علیہم ولا الضالین) پر پہنچے تو آمین کہی اور اپنی آواز کو پست کیا۔ (داری قطنی ج ۱ ص ۱۲۲، بحوالہ نصب الراية ج ۱ ص ۳۶۹)

● قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ ثَنَا ابْنُ أَبِي رَاهِيمٍ مَرْزُوقُ الْبَصْرِيُّ ثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ قَالَ سَمِعْتُ حُجْرًا أَبَا الْعَنْبَسِ يُحَدِّثُ عَنْ وَاثِلِ الْحَضْرَمِيِّ أَنَّهُ صَلَّى خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا قَالَ وَالَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ رَافِعًا بِهَا صَوْتَهُ **ترجمہ:** حضرت سلمہ بن کھیل سے روایت ہے کہ میں نے حجر ابو العنابس سے سنا وہ حضرت وائل حضرمی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس جب آپ نے ولا

الضالین کہا تو زور سے آمین کہا (بیہقی ج ۲ ص ۵۷، بحوالہ آثار السنن ص ۱۹۵)۔ [

(ب) حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات سے آمین بالجہر کے سلسلہ میں استدلال اسلئے بھی صحیح نہیں ہے کہ ان روایات میں جس ”جہر“ کا ذکر کیا گیا ہے وہ اصلاً نہیں ہے بلکہ تعلیماً ہے یا آواز کے بلند ہو جانے پر بھی ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

تعلیماً :- (۱) حضرت وائل بن حجرؓ کا تعلق یمن سے تھا وہ صرف ایک یا دو مرتبہ مدینہ تشریف لائے حضور ﷺ نے ان کیلئے تعلیماً جہراً آمین کہی۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے خود انہیں سے منقول ہے جس کو محدث ابوالبشر دولابی نے ”کتاب الالسماء والکنی“ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے ”فَقَالَ آمِينَ يَمْدُ بِهَا صَوْتُهُ مَا رَأَاهُ إِلَّا لِيَعْلَمَنَا“ **ترجمہ :-** حضرت وائل بن حجرؓ مارتے ہیں کہ حضور ﷺ نے آمین کہی اور آمین کہتے وقت اپنی آواز کھینچی جہاں تک میں سمجھتا ہوں حضور ﷺ کا مقصد ہمیں تعلیم دینا تھا۔ (کتاب الاسماء ج ۱ ص ۱۹۷ بحوالہ معارف السنن ج ۲ ص ۴۰۶)

صحیح روایات میں صحابہ کرام سے بھی تعلیماً جہر کا ثبوت ہے جیسا کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے نماز کے آغاز میں ثناء کو جہراً پڑھا اور حضرت ابو ہریرہؓ نے تعوذ اور آمین تعلیماً کہا چنانچہ حافظ ابن القیم زاد المعاد میں باب قوت النوازل میں کہا کہ اگر کبھی کبھی امام مقتدیوں کو تعلیم کیلئے جہر کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے مقتدیوں کو سکھانے کیلئے آغاز نماز میں جہر کیا اور حضرت ابن عباسؓ سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا تعلیماً جہراً پڑھنا منقول ہے اور اسی طریقے سے امام کا آمین جہراً پڑھنا بھی ہو سکتا ہے۔

آواز کا بلند ہو جانا :- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جہر اصلی نہ ہو کیونکہ بعض مقامات پر صحیحین میں منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ سری نماز میں (مثلاً ظہر میں) بعض آیات کبھی کبھی جہراً پڑھ دیتے تھے اور اسی طرح طبرانی میں ابومالک اشعریؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی پس سورہ فاتحہ پڑھی یہاں تک کہ ان کے قریب والوں نے سن لیا۔ اور اسی طرح بِسْمِ اللّٰہ جہراً پڑھنے کی بحث میں بھی ہے غرض نبی ﷺ جس طرح تکبیرات بلند آواز سے کہتے تھے اس طرح جہراً نہیں کہا بلکہ انکی آواز بلند ہو گئی۔

(ج) حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات سے آمین بالجہر کے سلسلہ میں استدلال اسلئے بھی صحیح نہیں ہے کہ ان روایات سے دوام فعل (حضور اکرم ﷺ کا ہمیشہ زور سے آمین کہنا) ثابت نہیں ہوتا (اسلئے کہ خود مذکورہ احادیث میں ایک مرتبہ کا تذکرہ ہے)۔ اور نہ مذکورہ احادیث سے فعل آخر (حضور ﷺ نے اپنی زندگی کی بالکل آخری نماز میں زور سے آمین کہی ہے تاکہ نسخ کا احتمال ختم ہو جائے) کا ثبوت ہے۔ اور جب تک دوام فعل یا فعل آخر ثابت نہ ہو تب تک غیر مقلدین کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا، اور مذکورہ احادیث میں دونوں میں سے کسی کا ثبوت نہیں ہے۔

مذکورہ تمام وجوہات کی بناء پر جہراً آمین کے سلسلہ میں حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات سے استدلال نہیں کیا جاسکتا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایات :-

دارقطنی کی روایت :- • حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْفَارِسِيُّ ثَنَا يَحْيَى بْنُ عُثْمَانَ بْنِ صَالِحٍ ثَنَا

إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَالِمٍ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَقَالَ آمِينَ. **ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز کو بلند کرتے اور کہتے آمین۔ اور کہا (دارقطنی نے) **هَذَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ** یعنی یہ اسناد حسن ہے یعنی دارقطنی کو خود اعتراف ہے کہ یہ حدیث صحیح درجہ تک نہیں پہنچی ہے۔ (رواہ دارقطنی **بَابُ التَّائِمِينَ فِي الصَّلَاةِ** ج ۱ ص ۳۳۵)

مستدرک حاکم کی روایت: اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اس طرح سند بیان کی ہے ● أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدُ بَكْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّرَفِيُّ بِمَرْوٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ مُحَمَّدُ بْنُ الْهَيْثَمِ الْقَاضِي قَالَ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْعَلَاءِ الزُّبَيْدِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَالِمٍ الزُّبَيْدِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَقَالَ آمِينَ (مستدرک حاکم **بَابُ** كَانِ إِذَا فَرَغَ مِنْ أَمِّ الْقُرْآنِ ج ۱ ص ۲۲۳) **ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز کو بلند کرتے اور کہتے آمین۔

استدلال پر اعتراضات: دارقطنی اور مستدرک حاکم کی مذکورہ روایات کے بارے میں صاحب آثار السنن نے ص ۸۸ حاشیہ میں تحریر کیا ہے وَفِي إِسْنَادِهِ لَيْنٌ اِنْ دُونِ اِيْكَ اسْنَادِ اِيْكَ رَاوِي اسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْعَلَاءِ الزُّبَيْدِيُّ بن زبريق ان سے بخاری اور مسلم نے صحیحین میں اور ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایات نہیں لی ہیں۔ نسائی اور ابوداؤد نے انہیں ضعیف کہا ہے اور محمد بن عوف الطائی نے انکی تکذیب کی نسائی نے کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔

۱. **اسحاق بن ابرہیم بن العلاء الزبیدی بن زبریق:** تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۹۶ میں آجری نے ابوداؤد سے روایت کی ہے کہ محمد بن عوف نے کہا کہ بے شک اسحاق بن زبریق جھوٹ بولتے تھے اور تقریب میں ہے سچے تھے لیکن کثیر وہم کرتے تھے۔

پس ثابت ہوا کہ انکی اسناد وہم سے خالی نہیں۔

نیز یہ حدیث غیر محفوظ ہے اسلئے کہ خود زبیدی سے اسکی سند میں اسکے متن میں اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَالِمٍ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ وَأَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِآمِينَ اور بقیہ دوسروں نے روایت کیا ہے عَنِ الزُّبَيْدِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ (وَحْدَهُ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا آمَنَ الْإِمَامُ فَأَمَّنُوا اور کہا زہری سے محفوظ اتنا ہی ہے یعنی بلند آواز سے آمین غیر محفوظ ہے تو اس حدیث کے سلسلہ میں امام حاکم نے جو گمان کیا ہے کہ یہ حدیث شرط شیخین پر ہے صحیح نہیں ہے۔

اس لئے ان روایات سے بھی جہراً آمین پر استدلال صحیح نہیں۔

ابن ماجہ کی روایت:- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَيْسَى ثَنَا بَشْرُ بْنُ رَافِعٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَمِّ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ تَرَكَ النَّاسُ التَّامِينَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَالَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَالْأَضْلَالِينَ قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَ أَهْلُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدَ. **ترجمہ:-** حضرت ابو ہریرہؓ کے چچا کے لڑکے سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ لوگوں نے آمین کہنا ترک کر دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ جب کہتے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَالْأَضْلَالِينَ تو کہتے آمین یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے پس اس سے مسجد گونج جاتی (ابن ماجہ کتاب الصلوۃ، باب الْجَهْرُ بِآمِينَ ص ۶۲) **استدلال پر اعتراضات:-** آثار السنن ص ۱۸۹ حاشیہ میں ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔ سند اس طرح ہے۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَيْسَى ثَنَا بَشْرُ بْنُ رَافِعٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَمِّ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

اس میں بشر بن رافع ایک راوی ہیں۔

بشر بن رافع:- بخاری نے کہا ہے کہ اس کی حدیث کے متابع نہیں ہیں۔ احمد نے کہا ضعیف ہیں۔ ابی معین نے کہا انکے پاس مناکیر ہیں۔ نسائی نے کہا قوی نہیں ہیں۔ ابن حبان نے کہا اسناد موضوعہ روایت کرتے ہیں۔ تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۴۰۹)۔

ابن عبد البر نے کئی میں کہا وہ ضعیف ہیں منکر الحدیث ہیں۔ کتاب الانصاف میں ہے کہ اِتَّفَقُوا عَلَى اِنْكَارِ حَدِيثِهِ وَغَيْرِهِ۔

اسناد کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے۔

اسی طرح متن کے اعتبار سے بھی یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ ابوداؤد میں بشر بن رافع کے طریق سے روایت میں ”فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدَ“ نہیں ہے۔ ابویعلیٰ کی سند میں بشر بن رافع سے روایت یہیں تک ہے کہ حَتَّى يَسْمَعَ أَهْلُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ: یعنی فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدَ نہیں ہے اسی لئے جو ابن ماجہ نے فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدَ کے ساتھ روایت بیان کی ہے وہ بھی غیر محفوظ ہے۔

اور نہ ہی مذکورہ روایات دوام فعل یا آخر فعل پر حجت ہیں، اسلئے ان روایات سے جہراً آمین کہنے پر استدلال صحیح

نہیں ہے۔

حضرت ام حصین کی روایات:- ● وَعَنْ أُمِّ الْحُسَيْنِ أَنَّهَا صَلَّتْ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا قَالَ وَالْأَضْلَالِينَ قَالَ آمِينَ فَسَمِعَتْهُ وَهِيَ فِي صَفِّ النِّسَاءِ **ترجمہ:-** حضرت ام حصینؓ سے روایت ہے کہ انہوں

نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس جب آپ ﷺ نے والا الضالین کہا تو آمین کہا پس انہوں نے اسکو سنا اور وہ عورتوں کی صف میں تھیں۔ (رواہ بن راہویہ فی مسندہ باب صِفَةِ الصَّلَاةِ، والطبرانی فی الکبیر ج ۲۵، ص ۱۵۸)

استدلال پر اعتراضات:- (۱) صاحب آثار السنن نے ص ۱۹۰ پر کہا ہے وَفِيهِ إِسْمَاعِيلُ بْنُ الْمُسْلِمِ الْمَكِّيُّ وَهُوَ ضَعِيفٌ یعنی اس میں اسماعیل بن مسلم مکی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

احمد اور دوسروں نے کہا کہ وہ منکر الحدیث ہیں۔ نسائی وغیرہ نے کہا وہ متروک ہیں۔ ابن مدینی نے کہا کہ میں نے یحییٰ سے سنا کہ ان سے اسماعیل بن مسلم مکی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ ہمیشہ غلط رہے ہیں، اور وہ ہم سے ایک ہی حدیث تین طریقے سے بیان کرتے تھے۔ اور ابن معین سے ہے کہ لَيْسَ بِشَيْءٍ - سعدی سے ہے کہ وَاةٌ جَدًّا (المیزان ج ۱ ص ۱۱۵ بحوالہ اعلاء السنن ج ۲ ص ۲۵۸)

تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۹۹

(۲) تخریج صلوٰۃ الرسول میں ص ۲۴۰ حاشیہ میں ہے ”یہ حدیث طبرانی کبیر میں ہے اور اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم مکی ہیں جو ضعیف ہیں دیکھو مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۳، ۱۱۴ اور نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۲۲۔“

اس لئے اس روایت سے بھی غیر مقلدین کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

حضرت علیؑ سے روایت :- عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ آمِينَ إِذَا قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ . **ترجمہ:-** حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جب امام غیریہ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہتا تو (اس وقت) آمین کہتے ہوئے سنا۔ (متدرک حاکم ص ۲۲۳)

استدلال پر اعتراضات:- تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۳۹ اس حدیث پر حاشیہ میں ہے ضعیف حدیث ہے ابن ماجہ اور ابن ابی حاتم نے اسے ”علل الحدیث“ میں ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو وہ فرمانے لگے کہ یہ میرے نزدیک خطا ہے، اور یہ حدیث حجر بن عنبس عن وائل سے ہے سَلَمَةُ عَنْ حُجَّيَّةٍ عَنْ عَلِيٍّ نہیں ہے اس سند میں محمد بن ابی عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ہے۔ ابو حاتم نے اسے سَيِّئُ الْحِفْظِ کہا ہے۔ بوسیری نے کہا ہے کہ جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔ شعبہ ابن ابی لیلیٰ کے متعلق کہا ہے کہ اس سے بڑھ کر سَيِّئُ الْحِفْظِ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اس حدیث کی سند میں بھی اختلاف ہے۔

یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ اس لئے اس سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے۔

(۲) دوسری قسم کی غیر صریح روایات :- آمین بالجہر کے باب میں جو روایات صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں

آمین بالجہر کے استدلال میں بعض حضرات ایسی روایات پیش کرتے ہیں جو صرف ”آمین“ کہنے کے بارے میں

ہیں اس میں جہر یا سر کی صراحت نہیں ہے۔ لیکن ایسی روایات سے جہر کا ”قیاس غلط“ کرتے ہیں اسلئے وہ روایات آمین بالجہر کے سلسلہ میں قابل قبول نہیں ہیں کیونکہ غیر صریح روایات استدلال میں محض قیاسات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ذیل میں مثال ملاحظہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو اسلئے کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ ہوگئی تو اسکے تمام گناہ معاف ہو گئے۔ (بخاری کتاب الاذان، باب جہر المأموم بالتأمین ج ۱ ص ۱۰۸ مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب التسمیع والتحمید والتأمین ج ۱ ص ۱۷۶)

اس روایت میں کہیں ”آمین بالجہر (زور سے)“ کا ذکر تک نہیں ہے پھر بھی غیر مقلدین کہتے ہیں کہ چونکہ آمین کہنے کیلئے کہا گیا اسلئے زور سے آمین کہو۔ ”زور“ سے کالفاظ غیر مقلدین کی طرف سے اضافہ ہے۔

جبکہ کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ملائکہ کی آمین کسی کو سنائی نہیں دیتی اس لئے سر آ آمین کہنا چاہئے جب توافق ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

غیر مقلدین اسی قسم کی دیگر غیر صریح روایات پیش کرتے ہیں اور ان سے قیاس کرتے ہیں جو حجت نہیں ہیں۔

(۳) تیسری قسم کی روایات :-

صحابہ و تابعین کے آثار :- ☆ غیر مقلدین صحابہ و تابعین یا غیر نبی کے اقوال و افعال دلیل میں پیش ہی نہیں کر سکتے اسلئے کہ یہ تقلید ہے اور تقلید ان کے نزدیک شرک ہے۔ مثلاً

صحیح بخاری میں ہے۔ ☆ آمَنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَّرَاءَهُ حَتَّىٰ إِنَّ لِلْمَسْجِدِ لِلَّجَّةِ۔ یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر اور انکے مقتدی اتنی بلند آواز سے آمین کہا کرتے تھے کہ مسجد گونج اٹھتی تھی (صحیح بخاری باب الْجَهْرُ بِالتَّأْمِينِ ج ۱ ص ۱۰۷)

☆ اسی طرح بیہقی اور ابن حبان سے عطاء ابن رباح تابعی کا قول نقل کرتے ہیں۔ ”میں نے دو صحابہ کرام کو پایا کہ وہ اس مسجد حرام (یعنی بیت اللہ) میں جب امام ولا الضالین کہتا تو سب بلند آواز سے آمین کہتے“ جب کہ ”تخریج صلوٰۃ الرسول“ صفحہ ۲۴۱ حاشیہ میں ہے ”یہ اثر مجھے صحیح ابن حبان میں جہاں آمین بالجہر کہنے کی روایات ہیں وہاں نہیں ملا“۔ اس کی سند کی بھی خبر نہیں کہ کیسی ہے؟

غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول اور فعل حجت نہیں ہے اسلئے مذکورہ روایات اور دیگر آثار، آمین بالجہر کے سلسلہ میں قابل قبول نہیں ہیں۔

یہودیوں کا آمین سے چڑنا :- حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس قدر

یہود آمین سے چڑتے ہیں اتنا کسی اور چیز سے نہیں چڑھیں تم آمین زیادہ کہا کرو (ابن ماجہ باب الْجَهْرُ بِالتَّأْمِينِ ۶۲)

اس روایت میں نماز میں آمین کا ذکر نہیں ہے بلکہ مطلق آمین کا ذکر ہے غیر مقلدین اپنی طرف سے بلند آواز

کا اضافہ کر کے احناف کی خلاف یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ بلکہ ایک طرح سے یہ روایت غیر مقلدین کے خلاف جاتی ہے کہ جب اجتماعی دعا میں احناف آمین آمین کہتے ہیں تو انکا حال دیکھنا چاہئے۔

تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۴۲، ایضاح الادلہ ص ۸۰ حاشیہ میں اسی روایت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں ”اُخْرِجَهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عُمَرَ وَعَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ“ یہ سند ضعیف ہے بلکہ طلحہ بن عمر کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

علامہ نیوی نے آثار السنن کے ص ۱۹۰ پر لکھا ہے کہ جبراً آمین کہنا نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے، اور نہ خلفاء اربعہ سے ثابت ہے اور جو کچھ اس باب (آمین بالجہر کے سلسلہ) میں آیا ہے وہ کسی علت سے خالی نہیں ہے۔

سراً آمین کہنے کی روایات

☆ مشہور تابعی حضرت عطاء بن رباحؓ نے کہا ”آمین“ دعا ہے۔ (بخاری ج اباب الجہر با لئامین ص ۱۰۷) اور اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ”ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً“ یعنی اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ خفیہ طور پر۔ (سورہ اعراف آیت نمبر ۵۵) اور حدیث شریف میں ہے ”انکم لاتدعون اصمًا ولا غائبًا“ یعنی تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ما یُکْرَهُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي التَّكْبِيرِ ج ۱ ص ۴۲۰)۔ آیت اور احادیث مشیر ہیں کہ دعا میں اصل اخفاء ہے اور چونکہ آمین دعا ہے اسلئے اس میں بھی اصل اخفاء (آہستہ، خفیہ) ہے۔ چنانچہ جمیع اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں، جیسا کہ گذر چکا ہے اس لئے اس کی دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے عملاً فریق مخالف بھی اس پر عمل کرتا ہے لیکن استحساناً چند روایات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ● حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ وَابْنُ خَشْرَمٍ قَالَا اَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ قَالَ نَا اَلَا عَمَشُ عَنْ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا يَقُولُ لَا تَبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں سکھاتے تھے فرماتے تھے امام سے جلدی مت کرو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ والا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم کہو اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب اِئْتِمَامِ الْمَأْمُومِ بِالْاِمَامِ ج ۱ ص ۱۷۷) علامہ نیوی نے کہا کہ اس روایت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ امام آمین بالجہر نہ کہے۔ بلکہ یہ روایت تو مقتدی کو بھی آہستہ آمین کہنے پر مشیر ہے، کیونکہ اس روایت میں کہا گیا ہے ”فَقُولُوا“ یعنی تم کہو اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ سراً (آہستہ) کہنے پر جمیع اہل سنت والجماعت متفق ہیں، بالکل انہیں الفاظ میں اسی روایت میں کہا گیا ہے

”فَقُولُوا آمِينَ“ تو آمین بھی سر اُبی کہنا چاہئے۔

(۲) ● حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَاسِمَاعِيلُ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ سَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ وَعُمَرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ تَذَاكَرَا فَحَدَّثَ سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ أَنَّهُ حَفِظَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَكَّتَيْنِ سَكَّتَةً إِذَا كَبَّرَ وَسَكَّتَةً إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَحَفِظَ ذَلِكَ سَمُرَةُ وَأَنْكَرَ عَلَيْهِ عُمَرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ فَكَتَبَ فِي ذَلِكَ إِلَى أَبِي بِنِ كَعْبٍ فَكَانَ فِي كِتَابِهِ إِلَيْهِمَا أَوْفَى رَدِّهِ عَلَيْهِمَا أَنَّ سَمُرَةَ قَدْ حَفِظَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَآخَرُونَ وَاسْنَادُهُ صَالِحٌ . ترجمہ :- حضرت حسنؓ سے روایت ہے حضرت سمرہ بن جندبؓ اور عمران بن حصینؓ نے آپس میں بحث کی پس حضرت سمرہ بن جندبؓ نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دو سکتوں (خاموشیوں) کو یاد رکھا ایک سکتہ تو وہ ہے کہ جب تکبیر کہے اور دوسرا سکتہ وہ ہے کہ غیر الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھنے سے فارغ ہوئے پس سمرہؓ نے اس کو یاد رکھا اور عمران بن حصینؓ نے اس کا انکار کیا دونوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کی طرف لکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ سمرہؓ نے یاد رکھا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، بَابُ السَّكَّتَةِ عِنْدَ الْإِفْتِتَاحِ ج ۱ ص ۱۱۳)

اس کی اسناد صالح ہیں، اسلئے کہ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حسن نے حضرت سمرہؓ سے نہیں سنا حالانکہ کتاب البیوع میں امام بخاری نے حسن عن سمرہ سے حجت لی ہے۔ اور بخاری نے تاریخ اوسط میں کہا ہے کہ حسن کا سماع سمرہ سے صحیح ہے۔

اس روایت میں سمرہ بن جندبؓ نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ ثناء کے وقت خاموش رہا کرتے تھے اور آمین کے وقت خاموش رہا کرتے تھے

ابوداؤد نے قنادہ کے طریق سے حضرت حسنؓ سے روایت کی ہے اور یونس بن عبید نے دارقطنی میں ان کی متابعت کی ہے اور ایسے ہی منصور نے یونس کی مسند احمد میں۔ ملاحظہ ہو۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھتے تو دو سکتہ کرتے ایک جب نماز شروع کرتے دوسرا جب والا الضالین کہتے جب بھی خاموش رہتے پس ان پر اس بات کا انکار کیا انہوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو لکھا تو حضرت ابیؓ نے جواب میں لکھا کہ امر ایسا ہی ہے جیسا کہ سمرہ نے کہا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۳، دارقطنی کتاب الصلوٰۃ، بَابُ مَوْضِعِ سَكَّتَاتِ ج ۱ ص ۳۳۶)

صاحب آثار السنن نے صفحہ ۱۹۲ پر لکھا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔

(۳) ● حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ حُجْرِ أَبِي الْعَبَسِ قَالَ سَمِعْتُ عَلْقَمَةَ بْنَ وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ وَائِلٍ وَسَمِعْتُ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى

وَسَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ. ترجمہ:- حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے ہم کو نماز پڑھائی پس جب غیر المَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھا آمین کہا اور اپنی آواز کو آہستہ کیا اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنے دائیں جانب اور بائیں جانب سلام پھیرا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۶، ترمذی ابواب الصلوٰۃ، بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّامِينَ ج ۱ ص ۵۸، ابوداؤد الطیالسی ص ۱۳۸، دارقطنی کتاب الصلوٰۃ، بَابُ التَّامِينَ فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۳۳۲، متدرک حاکم کتاب التفسیر، بَابُ آمِينَ يُخَفِّضُ الصَّوْتُ ج ۲ ص ۲۳۲)

صاحب آثار السنن نے صفحہ ۱۹۲ پر لکھا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں اور اس کے متن میں اضطراب ہے۔

(اس روایت کی اسناد اور متن کی بحث آثار السنن مع التعليق الحسن ص ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵ کے حاشیہ پر، نیز سیف

المقلد ص ۲۲۹ پر، نیز تخریج ص ۲۳۸ کے حاشیہ پر، اور اعلیٰ السنن ص ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴ کے حاشیہ پر ملاحظہ ہو)

(۴) ● وَعَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ لَا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَلَا بِالْتَعَوُّذِ وَلَا بِآمِينَ ترجمہ:- حضرت ابو وائلؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اور تعوذ اور آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔ (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، بَابُ قِرَاءَةِ بِسْمِ اللَّهِ فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۴۰)

صاحب آثار السنن نے صفحہ ۱۹۷ پر لکھا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔

(۵) عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ خَمْسٌ يُخْفَيْنَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَالتَّعَوُّذُ، وَبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وَآمِينَ، وَاللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ. ترجمہ:- حضرت ابراہیم نخعیؓ سے روایت ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ امام ان کو آہستہ سے پڑھے گا۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ اور تعوذ اور بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اور آمین اور اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ.

(مصنف عبدالرزاق کتاب الصلوٰۃ، بَابُ مَا يُخْفَى الْإِمَامُ ج ۲ ص ۸۷)۔ اس کی اسناد صحیح ہیں

تحقیق مسئلہ مذکورہ:- احادیث دونوں جانب ہیں اگر خدا نخواستہ کوئی فریق صرف ایک قسم کے دلائل کو مانتا ہے اور دوسری قسم کا انکار کرتا ہے تو گویا وہ احادیث ہی کا انکار کرتا ہے جو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں اجتہاد کیا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دونوں قسم کی روایات کا جائزہ لیا جائے۔

جہراً آمین کہنے کی روایات کا جائزہ:- حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات مضطرب ہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ان روایات میں جہراً صلاً نہ ہو بلکہ تعلیماً ہو یا آواز بلند ہو جانے پر ہو جیسا کہ تفصیل میں گذر چکا۔ اور ان روایات سے دوامِ فعل یا فعل آخر ﷺ نہیں ثابت ہوتا۔ اسلئے حضرت وائل بن حجرؓ کی روایات سے جہراً آمین کہنے پر استدلال صحیح نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے جتنی روایات پیش کی جاتی ہیں وہ ”صحیح“ درجہ تک نہیں پہنچتیں۔ اور غیر مقلدین کے نزدیک صرف صحیح روایات ہی حجت ہیں۔ اور ان روایات سے دوامِ فعل یا آخرِ فعل ﷺ نہیں ثابت ہوتا۔ اسلئے ان روایات سے

استدلال ناقابل قبول ہے۔

حضرت ام حصینؓ سے روایت کی اسناد ضعیف ہیں اسلئے ناقابل استدلال ہیں۔

حضرت علیؓ سے روایت کی اسناد بھی ضعیف ہیں اس لئے ناقابل استدلال ہیں۔

دوسری قسم کی روایات غیر صریح ہیں یعنی ان میں آمین بالجہر کا تذکرہ نہیں ہے، غیر مقلدین ان روایات سے قیاس کرتے ہیں اور قیاس سے سنت (سنت مؤکدہ) کا استدلال ناقابل قبول ہے۔

تیسری قسم کی روایات آثار صحابہ و تابعین ہیں جو غیر نبی کے اقوال و افعال ہیں اور غیر مقلدین کو استدلال میں آثار پیش کرنا حق ہی نہیں ہے

جمع اہل سنت والجماعت متعدد مواقع پر سر آخاموشی، خفیہ) آمین کہنے پر متفق ہیں۔ مثلاً جب اکیلا نماز پڑھ رہا ہو، جماعت سے پڑھ رہا ہو اور سری نمازوں میں اور جہری میں بھی تیسری اور چوتھی میں وغیرہ لیکن فرقہ اہل حدیث ایک امر زائد کا قائل ہے وہ یہ کہ جہری نمازوں میں پہلی اور دوسری رکعتوں میں جب امام وَلَا الضَّالِّینَ کہے تو بلند آواز سے آمین کہنا سنت ہے اس وقت سر آمین کہنے کو جائز نہیں کہتے۔ اسلئے ان کے ذمہ لازم ہے کہ روایات صحیحہ و صریحہ سے آمین بالجہر ہی کا سنت ہونا ثابت کریں اور اصولاً یہ بات اسی وقت ثابت ہو سکتی ہے جب دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ثابت کی جائے (۱) یا تو دوام جہر ثابت کیا جائے کہ آنحضور ﷺ ہمیشہ زور سے آمین کہتے تھے یہ بات ثابت کئے بغیر جہر کا اصل سنت ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ (۲) یا کم از کم یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کی بالکل آخری نماز میں زور سے آمین کہی تاکہ نسخ کا احتمال ختم ہو جائے اور یہ دونوں باتوں میں سے ایک بھی ممکن نہیں کیونکہ آمین بالجہر کے سلسلے میں جو صحیح روایات پیش کی جاتی ہیں وہ صریح نہیں ہیں یعنی مسئلہ صراحت کے ساتھ ان میں مذکور نہیں بلکہ قیاس کیا جاتا ہے اور قیاس بھی خلاف واقعہ ہے۔ اور آمین بالجہر کے سلسلہ میں جو صریح روایات ہیں وہ صحیح نہیں ہیں پھر ان سے نہ دوام فعل ثابت ہوتا ہے اور نہ آخری عمل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ غرض آمین بالجہر کے سلسلہ میں ایک بھی روایت شرط کے مطابق نہیں ہے اس لئے ان کا دعویٰ آمین بالجہر رد ہے۔

غرض غیر مقلدین کے پاس آمین بالجہر کی ”سنت“ جو کہ سنت مؤکدہ ہے اسکی دلیل میں کوئی روایت (صحیح صریح حدیث) موجود نہیں ہے اسلئے ”امام کی جہری قرأت میں وَلَا الضَّالِّینَ کہنے پر مقتدی کو جہراً (زور سے) آمین کہنا سنت ہے، سر آ کہنا جائز نہیں ہے۔“ انکا یہ دعویٰ رد ہے

سر آمین کہنے کی روایات کا جائزہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ”أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً“ یعنی اپنے رب کو پکارو دعا جزی کے ساتھ خفیہ طور پر۔ (سورہ اعراف آیت نمبر ۵۵) یہ آیت اس بات پر مشیر ہے کہ دعا میں اصل اخفاء ہے اور آمین چونکہ دعا ہے اسلئے اس میں بھی اصل اخفاء ہے اور حدیث شریف میں ہے ”إِنْ كُنْ

لَا تَدْعُونَ أَصَمًا وَلَا غَائِبًا“ یعنی تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد، باب مَا يُكْرَهُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي التَّكْبِيرِ ج ۱ ص ۴۲۰) یہ حدیث تائید کرتی ہے کہ ادعیہ میں اخفاء اصل ہے۔ اور لفظ ”لَا تَدْعُونَ“ اس پر شاہد ہے۔ (علامہ عینی نے شرح بخاری میں اس حدیث شریف کا خلاصہ بیان کیا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور دعا کرنا مکروہ ہے یعنی ج ۱ ص ۴۲۲) حضرت سمرہ بن جندبؓ سے ابو داؤد کی روایت حسن درجہ کی ہے اور مسند احمد اور دارقطنی کی روایت کی اسناد صحیح ہیں۔ مسند احمد وغیرہ کی حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت کی اسناد صحیح ہیں اور متن میں اضطراب ہے۔ اور حضرت وائل بن حجرؓ سے طحاوی کی روایت کی سند ضعیف ہے۔ اگرچہ کچھ روایات حسن ہیں اور کچھ ضعیف ہیں۔ احناف کے نزدیک جو آمین آہستہ سے کہنا سنت ہے وہ دراصل سنن زوائد میں سے ہے اور سنن زوائد کی دلیل ضعیف احادیث بھی ہو سکتی ہیں۔ مصنف عبدالرزاق کا حضرت ابراہیم نخعیؒ کا اثر (جسکی اسناد صحیح ہیں) اور صحیح مسلم کی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے قیاس آمین بالسر (آہستہ آمین کہنے کو) رائج کرتا ہے۔

اسلئے احناف کا آہستہ آمین کہنے کا موقف رائج ہو گیا اور اسی کو معمول بہ ٹھہرایا گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائے گا کہ یہ حنفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لایا والے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔ اگر کوئی غیر مقلد جہری نماز کی جماعت میں شروع ہی سے شامل ہوتا ہے تو امام کیساتھ سورۃ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے، جب امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے تو امام کی ولا الضالین پر صرف ایک مرتبہ آمین کہتا ہے اور وہ بھی جہراً، اگر کوئی امام سے پہلے ہی سورۃ فاتحہ ختم کر دیتا ہے تو اپنی ولا الضالین پر آمین سرّاً (آہستہ) کہتا ہے اور جب امام ولا الضالین کہتا ہے تو یہ جہراً (بلند آواز سے) آمین کہتا ہے۔ اس طرح ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے اور دو مرتبہ آمین کہتا ہے اگر کوئی درمیان میں آکر جماعت میں شامل ہوتا ہے تو امام کے سورۃ فاتحہ ختم ہونے تک انتظار کرتا ہے اور امام کی سورۃ فاتحہ ختم ہونے پر آمین کہتا ہے اور پھر سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے اور اپنی سورۃ ختم ہونے پر بھی آمین کہتا ہے۔ اور اگر سری نماز کی جماعت میں شامل ہوتا ہے تو سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد صرف ایک مرتبہ آمین کہتا ہے۔ اگر مزید توجہ سے جائزہ لیا جائے تو اور بھی مختلف مناظر نظر آئینگے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے اور تقلید میں نظم و ضبط ملت ہے۔

سوالات

- (۱) ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے جس میں حضور ﷺ نے بلند آواز سے آمین کے کہنے کا حکم دیا ہو؟
- (۲) مقتدی بلند آواز سے آمین کہے اس کی دلیل میں صرف ایک صحیح حدیث پیش کیجئے؟
- (۳) مقتدی سورہ فاتحہ تو آہستہ پڑھے اور آمین بلند آواز سے کہے اس کی دلیل میں صرف ایک صحیح حدیث پیش کیجئے؟
- (۴) قرآن یا حدیث سے اپنے استدلال کے طریقے پر دلیل دیجئے کہ ایک ہی روایت سے امام کے جہر سورہ فاتحہ پڑھنے کو چھوڑ دیا جائے وہاں سر اُپر اُٹھا جائے اور اسی مقام سے جہر آمین کہنے کی دلیل لی جائے؟
- (۵) جہری قرأت میں ہر رکعت میں دو مرتبہ آمین کہتے ہیں اور سری نمازوں میں ایک مرتبہ۔ کس حدیث کی رو سے؟
- (۶) خیر القرون کی ایک مثال پیش کی جائے کہ کسی صحابیؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ نے آہستہ سے آمین کہنے پر تشدد کا رویہ اختیار کیا ہو اور اسے جائز اور ناجائز کا مسئلہ اختیار کیا ہو اور ایسا نہیں ہے تو یہ تشدد بدعت ہے یا نہیں؟

کیا مقتدی امام کی قرأت کا جواب دے سکتا ہے؟

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نماز میں مقتدی کو امام کی قرأت میں مخصوص آیات کا جواب دینا چاہئے اور اسکی دلیل میں چند روایات پیش کرتے ہیں

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب پڑھتے (نماز میں) (سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ)۔ (اپنے بلند رب کی پاکی بیان کر)۔ تو (تعمیل حکم کرتے ہوئے) فرماتے: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ۔ (میں اپنے بلند مرتبہ رب کی پاکی بیان کرتا ہوں)۔

اس روایت کو مرفوع بیان کرنے میں دو کیچ متفرد ہیں کیونکہ تین رواۃ نے ابو اسحاق سے اس روایت کو موقوف بیان کیا ہے۔ (۱) ابو دکیع نے اسے موقوف بیان کیا۔ (۲) شعبہ نے ابو اسحاق سے اسے موقوف بیان کیا۔ (۳) معمر نے بھی ابو اسحاق سے موقوف بیان کیا۔ (ملاحظہ ہو تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۵۶ حاشیہ)

غرض یہ روایت موقوف ہے اور موقوف روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کہ پڑھے تم میں سے سورہُ وَالْتَّيْسِ وَالزَّيْتُونِ پس پچھے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ تک (کیا اللہ سب حاکموں کا بڑا حاکم نہیں؟) پس چاہئے کہ کہے۔ بَلَىٰ وَآنَا عَلَىٰ ذَٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ (ہاں) (اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں) اور جو شخص پڑھے لَا اُقْسَمُ بِیَوْمِ الْقِيَامَةِ پس پچھے اس آیت تک اَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ اَنْ يُحْیِيَ الْمَوْتٰی (کیا یہ خدا مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟) پس چاہئے کہ (سننے والا) کہے بَلٰی۔ (ہاں قادر ہے)۔

حدیث ضعیف ہے کیونکہ اعرابی مجہول ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ روایت صرف اسی سند سے مروی ہے اور اعرابی کا نام مذکور نہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہمارے اصحاب (شوافع) نے اس حدیث سے دلیل لی ہے مگر ضعیف ہے۔
(المجموع ۶/۴۷۷)

مصنف عبدالرزاق (۴۰۵۲) میں یہ روایت ہے اور معضل ہے۔
ابوداؤد، بیہقی اور شرح سنہ میں بھی یہ روایات موسیٰ ابی عائشہ سے ہے۔ شیخ شعیب نے کہا ہے کہ اسکے سب راوی ثقہ ہیں مگر یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ موسیٰ بن ابی عائشہ نے یہ حدیث صحابی سے سنی ہو۔
(ملاحظہ ہو تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۵۷ حاشیہ)

ان تمام علتوں کی بناء پر اس روایت سے استدلال درست نہیں
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے صحابہؓ پر سورہ الرحمن تمام پڑھی اور صحابہؓ خاموش رہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورۃ میں نے جنوں پر پڑھی۔ فَكَانُوا أَحْسَنَ مَرْدُودًا مِنْكُمْ تو وہ تم سے جواب دینے میں اچھے تھے۔ جب ہر بار میں اس آیت پر پہنچتا تھا۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (اے جن و انس! اپنے پروردگار کی نعمتوں سے کوئی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟) تو وہ جواب میں کہتے۔ لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعْمَتِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ (اے رب ہمارے! تیری نعمتوں میں سے کوئی چیز ہم نہیں جھٹلاتے پس سب تعریف تیرے ہی واسطے ہے)۔ (ترمذی)

ترمذی نے اور حاکم نے اسے الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ ثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ تخریج صلوٰۃ الرسول کے مصنف نے تحریر کیا ہے ”اہل شام نے زہیر بن محمد سے منکر روایات بیان کی ہیں جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور امام بخاری نے صراحت کی ہے ملاحظہ ہو ترمذی۔ ولید بن مسلم شامی ہے لہذا یہ حدیث منکر ہے“ (ملاحظہ ہو تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۵۸ حاشیہ)

خود کچھ غیر مقلدین بھی اسکے قائل نہیں ہیں کہ نماز میں مقتدی امام کی قرأت کا جواب دے چنانچہ تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۵۸، ۲۵۹ حاشیہ پر ہے

”واضح رہے کہ ان احادیث سے اس مسئلہ پر دلیل لینا صحیح نہیں کہ جب امام چند مخصوص آیات کی تلاوت کرے تو امام اور مقتدی سب ان کا جواب دیں اور اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) حدیث ابن عباس یہ موقوفاً صحیح ہے مرفوعاً نہیں جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے اگر اسے مرفوعاً بھی صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس میں یہ کہاں صراحت ہے کہ سامع یا مقتدی بھی (سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى) کہیں۔

(۲) حدیث ابو ہریرہؓ یہ ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔ اگر اسے مرفوعاً بھی کر لیا جائے تو اس میں جواب

دینے کا حکم قاری کو ہے۔ سامع کے لئے نہیں ہے فَا فَهَمْ وَتَدَبَّرُ۔ تیسری بات اس حدیث میں یہ کہاں صراحت ہے کہ یہ جواب بحالت نماز بھی دیئے جائیں۔ رہی موسیٰ بن ابی عائشہ والی روایت تو اس میں انقطاع کا خدشہ ہے لہذا اس سے بھی حجت لینا درست نہیں۔

(۳) حدیث جابر اس حدیث میں قطعاً یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ نے سورہ رحمن بحالت نماز تلاوت فرمائی تھی۔ لہذا اس سے بھی حجت لینا ضعیف ہے

(۴) حدیث عائشہ اس حدیث سے ”حَسَا بُهْمُ“ کے بعد ”اللَّهُمَّ حَسَا سُبْنِي حَسَا بَا يَسِيرًا“ کہنے پر دلیل لینا نہ صرف اضعف ہے بلکہ بعد بھی ہے کیونکہ اس میں ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا کہ آپ نے یہ کلمات ”اللَّهُمَّ حَسَا سُبْنِي.....“ ”حَسَا بُهْمُ“ تلاوت کرنے پر کہے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بعض نماز میں یہ کلمات کہتے ہوئے سنا۔ ”اللَّهُمَّ حَسَا سُبْنِي حَسَا بَا يَسِيرًا“ بظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ کلمات بطور دعا پڑھ رہے تھے الحاصل ہمارے ہاں جو مروج ہے کہ جب امام چند مخصوص آیات تلاوت کرتا ہے تو امام اور مقتدی سب ان کا جواب دیتے ہیں۔ اس بارے میں کوئی مرفوع صحیح صریح روایت نہیں ہے۔

مصنف عبدالرزاق (باب الرجل يدعو ويسمى في دعائه ۴۰۵۰) مصنف ابن ابی شیبہ (مَنْ كَانَ إِذَا قَرَأَ: سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ أَلَا عَلَى قَالَ: سُبْحَانَ رَبِّي أَلَا عَلَى ج ۵ ص ۵۲۷) اور بیہقی (ج ۲ ص ۳۱۱) میں عمیر بن سعید سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے نماز جمعہ میں (سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ أَلَا عَلَى) آیت پڑھی تو ”سُبْحَانَ رَبِّي أَلَا عَلَى“ کہا۔ اس اثر کی سند صحیح ہے۔

مصنف عبدالرزاق (باب الرجل يدعو ويسمى في دعائه ۴۰۴۹) مصنف ابن ابی شیبہ (مَنْ كَانَ إِذَا قَرَأَ: سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ أَلَا عَلَى قَالَ: سُبْحَانَ رَبِّي أَلَا عَلَى ج ۵ ص ۵۲۷) اور بیہقی (ج ۲ ص ۳۱۱) میں السُّدِّيُّ عَنْ عَبْدِ خَيْرِ بْنِ يَزِيدٍ الْهَمْدَانِيِّ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے نماز میں (سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ أَلَا عَلَى) پڑھنے کے بعد ”سُبْحَانَ رَبِّي أَلَا عَلَى“ کہا ان آثار کے پیش نظر اگر کوئی نماز (سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ أَلَا عَلَى) پڑھنے کے بعد ”سُبْحَانَ رَبِّي أَلَا عَلَى“ کہہ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مگر مقتدیوں کے کہنے پر یہ آثار دلیل نہیں ہیں۔ (تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۵۸، ۲۵۹)

احناف کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ ”وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَكُمْ تُرْجَمُونَ“ ترجمہ :- جب قرآن پاک پڑھا جائے تو تم سب اس کی طرف کان لگایا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (سورہ اعراف آیت ۲۰۴) اور ”إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا“ ترجمہ :- جب (امام) قرأت کرے تو خاموش رہو۔ کے وجوب حکمی کے خلاف ہے۔ جبکہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ

پڑھنے کی دلیل میں کچھ صریح روایات بھی ہیں (اگرچہ ضعیف ہیں) اسکے بعد بھی چونکہ مقتدی کیلئے سورہ فاتحہ پڑھنے کے دلائل اس درجہ کے نہیں ہیں اسلئے مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ پھر امام کی قرأت کا جواب دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ امام کی قرأت کی جواب دینے کے دلائل میں درج ذیل علتیں ہیں۔

(۱) اس بارے میں کوئی مرفوع صحیح صریح روایت موجود نہیں ہے۔ (۲) مذکورہ روایات سے اس مسئلہ پر دلیل لینا صحیح نہیں کہ جب امام چند مخصوص آیات کی تلاوت کرے تو امام اور مقتدی سب ان کا جواب دیں۔ (۳) اس سلسلہ میں کچھ ”آثار“ ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ غیر مقلدین کے نزدیک آثار حجت نہیں ہیں دوسری بات یہ کہ مقتدیوں کے جواب دینے پر یہ آثار دلیل نہیں ہیں۔

ان تمام علتوں کے ہوتے ہوئے، امام کی قرأت جاری رہتے ہوئے مقتدی امام کی قرأت کا جواب کس دلیل سے دے سکتا ہے جب کہ مذکورہ روایات میں یہ بھی تصریح نہیں ہے کہ یہ جواب بحالت نماز ہے۔ پھر مزید یہ کہ مقتدی بلند آواز سے جواب دیتا ہے جس سے اس کی خود کی نماز کے فساد کا تو مسئلہ ہے ہی ساتھ ہی ساتھ دوسرے مقتدیوں کی بھی توجہ منعطف ہوتی ہے اور نماز میں دخل ہوتا ہے۔

ان تمام وجوہات کی بناء پر مقتدی کا امام کی قرأت کا جواب دینا مکروہ تحریمی ہے اور بلند آواز سے دینا دیگر مقتدیوں کی نماز میں دخل ہے۔

سوالات

- (۱) امام کی قرأت کے جواب کے سلسلہ میں کوئی ایک صحیح صریح مرفوع روایت پیش کیجئے۔
- (۲) امام کی قرأت کے جواب کے سلسلہ میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں دلیل پیش کیجئے کہ وہ حالت نماز کے لئے ہیں۔
- (۳) قرأت کے جواب کے سلسلہ میں غیر مقلدین جو آثار پیش کرتے ہیں (حالانکہ آثار پیش کرنا حق ہی نہیں ہے) کا بت کریں کہ یہ مقتدیوں کیلئے دلیل ہیں۔

حصہ دوم

رفع یدین کا مسئلہ

رکوع کے وقت رفع یدین کے دعویٰ کی حقیقت

مصلی جب نماز میں ایک ”ہیئت“ سے دوسری ہیئت کی طرف منتقل ہوتا ہے (جسے رفع و خفض یعنی اونچ نیچ کہتے

ہیں) تو تکبیر کہتا ہے اس پر جمع اہل سنت والجماعت متفق ہیں اور یہ تکبیرات بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے (بغیر رفع یدین کئے) کہنے پر بھی متفق ہیں۔ لیکن غیر مقلدین ایک امر زائد کے قائل ہیں وہ یہ کہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد اور تیسری رکعت کے شروع میں ان تکبیرات کے ساتھ رفع یدین (ہاتھ اٹھانے) کو سنت کہتے ہیں اور اسکے خلاف کو جائز نہیں سمجھتے (آمین بالجہر کی طرح)۔ اصولاً یہ بات اسی وقت ثابت ہو سکتی ہے جب دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ثابت کی جائے۔

(۱) یا تو دوام رفع یدین ثابت کیا جائے یعنی یہ ثابت کیا جائے کہ حضور اکرم ﷺ مذکورہ مقامات پر ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے، یہ بات ثابت کئے بغیر رفع یدین کا ”اصل سنت“ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۲) یا کم از کم یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کی بالکل آخری نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین کیا تا کہ نسخ کا احتمال ختم ہو جائے۔

غیر مقلدین رکوع کے وقت رفع یدین کے استدلال میں جتنی بھی روایات پیش کرتے ہیں ان سے صرف رکوع کے وقت کا اثبات رفع یدین ثابت ہوتا ہے، لیکن رفع یدین کی سنت کا باقی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اثبات رفع یدین عندالرکوع کی روایات کے موجود ہونے سے رفع یدین کرنا لازم نہیں آتا، ورنہ سجدہ کے وقت اور ہر اونچ نیچ کے وقت اثبات رفع یدین کی روایات بھی موجود ہیں (مثلاً نسائی ج ۱ ص ۱۲۹، وغیرہ کی روایات)۔ اثبات رفع یدین کی روایات موجود ہونے کے بعد بھی غیر مقلدین سجدہ کے وقت اور ہر اونچ نیچ کے وقت رفع یدین نہیں کرتے اور نہ اس کو سنت سمجھتے ہیں (پھر رکوع، ع کے وقت اثبات رفع یدین کے حوالے سے احناف سے رفع یدین کا مطالبہ کیوں؟)۔

اثبات رفع یدین کی تمام روایات سے دوام یا فعل آخری نہیں ثابت ہوتا۔ ان روایات سے صرف یہ ”قیاس“ ہو سکتا ہے کہ رفع یدین آخر تک باقی ہوگا۔ لیکن ”قیاس“ کے مقابلے میں ترک رفع یدین کی ”صریح روایات“ (حدیث اور آثار) موجود ہیں اسلئے حدیث و آثار کو قیاس پر ترجیح ہوگی، جس کی بناء پر ترک رفع یدین مستحب ہوگا۔

ترک رفع یدین کی روایات

● حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہم پر نکلے (اور نسائی میں ہے اس حال میں کہ ہم نماز میں ہاتھوں کو اٹھا رہے تھے یعنی رفع یدین کر رہے تھے) تو فرمایا کیا بات ہے کہ تمہیں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں گویا وہ بد کے ہوئے گھوڑوں کی دھڑکیں ہیں، نماز میں سکون اختیار کرو۔ (صحیح مسلم باب الْأَمْرِ بِالسُّكُونِ فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۸۱، سنن نسائی باب السَّلَامِ بِالْأَيْدِي فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۷۶، ابوداؤد باب فِي السَّلَامِ ج ۱ ص ۱۴۳)

● سالم بن عبد اللہ اپنے والد (عبد اللہ بن عمرؓ) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھے کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اور

رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے، اور نہ دونوں سجدوں کے درمیان۔ (مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۷۷)۔

● حضرت سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے تھے۔ (مدونہ کبریٰ ج ۱ ص ۷۱)۔

● حضرت علقمہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا میں تمہیں حضور اکرم ﷺ جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین کر نیچے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین نہیں فرمایا۔

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب مَنْ لَمْ يَذْكُرِ الرَّفْعَ عِنْدَ الرُّكُوعِ ج ۱ ص ۱۰۹، ترمذی ابواب الصلوٰۃ، باب رَفَعَ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوعِ ج ۱ ص ۵۹، نسائی کتاب الصلوٰۃ، باب رَفَعَ الْيَدَيْنِ وَالرُّخْصَةَ فِي تَرْكِ ذَلِكَ ج ۱ ص ۱۶۱)

● حضرت عاصم بن کلیبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز میں پہلی تکبیر میں (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین فرماتے تھے پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، باب التَّكْبِيرَاتِ ج ۱ ص ۱۵۴، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ، باب مَنْ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ ج ۲ ص ۴۱۶، سنن الکبریٰ للبیہقی کتاب الصلوٰۃ، مَنْ لَمْ يَذْكُرِ الرَّفْعَ إِلَّا عِنْدَ الْإِفْتِتَاحِ ج ۲ ص ۸۰)

☆ حضرت اسودؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے اپنی نماز میں تکبیر تحریمہ کے سوا اور کہیں رفع یدین نہیں کیا۔ عبدالملک نے کہا کہ میں نے شععیؓ اور ابراہیم نخعیؓ اور ابواسحاقؓ کو دیکھا کہ تکبیر تحریمہ کے سوا کہیں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ، باب مَنْ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ، ج ۲ ص ۴۱۷ نمبر ۲۴۶۹)

☆ عاصم بن کلیبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد کہیں نہیں کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ، باب مَنْ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ ج ۳ ص ۴۱۶ نمبر ۲۴۵۷)

کیا نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد، رفع یدین سنت ہے؟

مصلیٰ جب نماز میں ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف منتقل ہوتا ہے (جسے رفع و خفض یعنی اونچ نیچ کہتے ہیں) تو تکبیر کہتا ہے، اس پر جمیع اہل سنت والجماعت متفق ہیں۔ اور یہ تکبیرات بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے (بغیر رفع یدین کے) کہنا چاہئے اس پر بھی سب متفق ہیں۔ لیکن شوافع اور حنابلہ اس میں ایک امر زائد کے قائل ہیں وہ یہ کہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد، یہ تکبیرات رفع یدین کرتے ہوئے کہنا چاہئے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ رفع الیدین عند الرکوع کو مسنون کہتے ہیں۔ لیکن ائمہ کا یہ اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے

جائز اور ناجائز کا نہیں۔

غیر مقلدین: غیر مقلدین کے نزدیک رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین سنت مؤکدہ ہے۔ بلکہ بعض تو واجب اور فرض بھی کہتے ہیں اور رفع یدین نہ کرنے سے نماز کے ناقص بلکہ باطل ہو جانے کے مدعی ہیں۔

احناف: احناف کے نزدیک رفع یدین عند الركوع اور تیسری رکعت کے شروع میں یا کسی بھی اونچ نیچ کے موقع پر سنت نہیں ہے، بلکہ ترک رفع یدین مستحب ہے۔

[امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں ”تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے پر امت کا اجماع ہے“ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۹۸)، اس میں کسی کا اختلاف نہیں اس لئے تکبیر تحریمہ کے وقت کا رفع یدین اس بحث سے خارج ہے]

نکتہ اختلاف: احناف کے نزدیک رفع یدین عند الركوع اور تیسری رکعت کے شروع میں یا کسی بھی اونچ نیچ کے موقع پر سنت نہیں ہے۔ جب کہ غیر مقلدین رفع یدین عند الركوع اور تیسری رکعت کے شروع کو سنت کہتے ہیں اور اسکے خلاف کو جائز نہیں سمجھتے۔

جب غیر مقلدین رفع یدین عند الركوع اور تیسری رکعت کے شروع کو سنت کہتے ہیں اور اسکے خلاف کو جائز نہیں سمجھتے تو انہیں چاہئے کہ رفع یدین مذکورہ کا اصل سنت ہونا ثابت کریں۔ اور اصولاً یہ بات اسی وقت ثابت ہو سکتی ہے جب دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ثابت کی جائے۔ (۱) یا تو دوام رفع یدین ثابت کیا جائے یعنی یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ مقامات مذکورہ پر ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے (۲) یا کم از کم یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کی بالکل آخری نماز میں مقامات مذکورہ پر رفع یدین کیا تا کہ نسخ کا احتمال ختم ہو جائے۔ کیونکہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے بغیر مدعا ثابت نہیں ہو سکتا اور ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی غیر مقلدین کے پاس بطور دلیل، ایک بھی صحیح صریح حدیث نہیں ہے۔

رفع یدین کی بحث کو سمجھنے کیلئے تین نکات کا جاننا ضروری ہے (۱) نماز میں سکون کے احکامات بدرجہ نافذ ہوئے۔ مثلاً پہلے نماز میں سلام کا جواب دینا جائز تھا، اشارات میں بات کرنا بھی جائز تھا، لیکن یہ اجازت منسوخ ہوتی گئی۔ اس طرح نماز میں سجدہ میں بھی رفع یدین تھا اور سلام کے وقت بھی رفع یدین تھا یہاں تک کہ ہر اونچ نیچ کے وقت بھی رفع یدین تھا (صحیح احادیث سے منقول ہے)، لیکن آہستہ آہستہ منسوخ یا متروک ہوتا گیا۔ (۲) ہم ترک رفع کے قائل ہیں نسخ کے نہیں (۳) جاننا چاہئے کہ ثبوت رفع یدین فی وقت مَّا (یعنی کسی وقت میں رفع یدین کرنے کے ثبوت میں) کسی کو کلام نہیں ہے۔ یعنی ہم (احناف) بھی اسکے قائل ہیں کہ حضور ﷺ نے کسی وقت متعدد مقامات پر رفع یدین کیا ہے۔ بحث تو یہ ہے کہ سنیت رفع یدین عند الركوع اب باقی ہے یا نہیں۔ اسلئے دلیل مہی (یعنی باقی رہنے والی سنت) کے دلائل مطلوب

ہیں نہ کہ ثبوت رفع یدین فی وقتِ مآ کے دلائل (یعنی اثبات رفع یدین کے دلائل مطلوب نہیں)۔ اور دلیل مقبی، یا تو روایتِ دوام رفع سے ثابت ہوگی یا فعلِ آخر سے۔

رفع یدین عند الرکوع کی روایات

عام طور پر غیر مقلدین رکوع سے پہلے اور بعد نیز تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کی دلیل میں تین اقسام کی روایات پیش کرتے ہیں

(الف) پہلی قسم غیر صریح روایات: یہ روایات رکوع کے وقت دوام رفع یدین پر صریح نہیں ہیں بلکہ صرف اثبات رفع یدین میں ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو حمید ساعدیؓ، حضرت مالک بن حویرثؓ، حضرت وائل بن حجرؓ وغیرہم سے (ب) دوام رفع یدین پر صریح روایات۔

(ج) رفع یدین کے سلسلہ میں مختلف آثار و اقوال۔

(الف) پہلی قسم کی روایات: (یہ تمام روایات دراصل اثبات رفع یدین کی دلیل ہیں، دوام رفع یدین کی یا فعلِ آخر ﷺ پر دلیل نہیں ہیں)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایات: • عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا فَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَلِكَ أَيْضًا وَقَالَ سَمِعَ اللَّهَ لَمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نماز میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کیلئے تکبیر کہتے تو اسی طرح جب آپ سر اٹھاتے اور ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہتے (البتہ) سجدے میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے (صحیح بخاری باب رفع الیدین فی التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى ج ۱ ص ۱۰۲، صحیح مسلم باب اسْتِخْبَابِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ حَذْوَ الْمَنْكِبَيْنِ ج ۱ ص ۱۶۹)

استدلال پر اعتراضات:- (۱) اس روایت سے اثبات رفع یدین ثابت ہوتا ہے، بقاء و نسخ سے اس روایت کو کچھ علاقہ نہیں ہے۔ یعنی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رفع یدین عند الرکوع کی سنیت اب بھی باقی ہے۔ غیر مقلدین کو ایسی روایات پیش کرنی چاہئے جن سے دوام رفع یدین ثابت ہو یا فعلِ آخر ثابت ہو اور اس روایت سے یہ دونوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رکوع کے علاوہ دیگر مقامات پر رفع یدین منقول ہے مثلاً امام بخاریؒ کے رسالہ جزء القراءة (ص ۱۰) اور مجمع الزوائد (ج ۲ ص ۱۰۲) وغیرہ میں مذکورہ مقامات کے علاوہ سجدہ کے لئے بھی رفع یدین کا ذکر ہے۔ نیز امام طحاویؒ کی کتاب ”مشکل الآثار“ میں ہر اونچ نیچ کے وقت (رکوع، سجود، قیام، قعود اور سجدوں کے درمیان) رفع یدین کا ذکر

ہے (فتح الباری ج ۲ ص ۱۸۵ بحوالہ معارف السنن ج ۲ ص ۴۷۴)۔ جب کہ غیر مقلدین کا اصرار ہوتا ہے کہ رفع یدین کی احادیث موجود ہیں تو ان پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا؟ اب یہ روایات موجود ہیں تو ان پر عمل کیوں نہیں کیا یہ روایات منسوخ ہیں؟ اگر منسوخ ہیں تو کس دلیل سے؟

(۳) مدون کبریٰ ج ۱ ص ۸۸ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور اسی روایت کی بناء پر امام مالکؒ نے ترک رفع یدین کا مسلک اختیار کیا ہے۔ نیز ابو عوانہ میں چار سندوں کیساتھ، خلائیات بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ترک رفع یدین کی روایات منقول ہیں۔

(۴) خود اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ روایت ہے جو مشہور تابعی حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد تھے اور ان کی خدمت میں تقریباً دس سال تک رہے اور یہ روایت صحیح سند کے ساتھ منقول ہے (اسی سند سے امام بخاریؒ صحیح بخاری کتاب التفسیر ج ۲ ص ۲۵ میں روایت لائے ہیں)۔ ”عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عِيَّاشٍ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يُرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَا يَفْتَتِحُ۔ ترجمہ: امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو (نماز میں کبھی) تکبیر تحریمہ کے سوا کہیں رفع یدین کرتے ہوئے نہ دیکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ باب مَنْ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ ج ۲ ص ۴۱۷ حدیث نمبر ۲۴۶۷)۔ اور جب راوی کا عمل، اپنی روایت کردہ روایت کے خلاف ہو تو منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت ابو حمید ساعدیؒ کی روایات: ● عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ سَمِعْتُهُ وَهُوَ فِي عَشْرَةِ مَنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَدُهُمْ أَبُو قَتَادَةَ ابْنُ رُبْعِي يَقُولُ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَوْا مَا كُنْتَ أَقْدَمَنَا لَهُ صُحْبَةً وَلَا أَكْثَرَنَا لَهُ إِتْيَانًا قَالَ بَلَى قَالَوْا فَاغْرَضْ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ اِغْتَدَلَ قَائِمًا وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ فَإِذَا ارْدَأَ نَزَلَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ..... مَتَوَرَّكَأَ ثُمَّ سَلَّمَ ترجمہ: ابو حمید ساعدیؒ سے روایت ہے، کہ وہ دس صحابیوں میں بیٹھے ہوئے تھے ان میں ابو قتادہؓ بھی تھے، ابو حمید نے کہا میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جانتا ہوں ان لوگوں نے کہا کیونکر قسم خدا کی تم ہم سے زیادہ پیروی نہیں کرتے تھے رسول اللہ ﷺ کی نہ ہم سے پہلے آپ کی صحبت میں آئے تھے، ابو حمید نے کہا ہاں یہ ٹھیک ہے، ان لوگوں نے کہا اچھا بیان کرو ابو حمید نے کہا رسول اللہ ﷺ جب نماز کو کھڑے ہوتے دونوں ہاتھ اٹھاتے اپنے مونڈھوں تک پھر تکبیر کہتے، جب ہر ایک ہڈی اپنے مقام پر آجاتی اعتدال سے تو آپ قرأت شروع کرتے پھر تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے مونڈھوں تک پھر رکوع کرتے اور دونوں ہتھیلیاں اپنے اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور پیٹھ سیدھی کرتے (اور سر کو پیٹھ کے برابر کرتے) نہ جھکاتے نہ اونچا رکھتے پھر سر اٹھاتے اور فرماتے سمع

اللہ من حمدہ پھر دونوں ہاتھ اٹھاتے اپنے مونڈھوں تک سیدھے کھڑے ہو کر پھر اللہ اکبر کہتے اور زمین کی طرف جھکتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھتے، پھر اٹھاتے اپنا سر سجدے سے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے اور سجدہ کے وقت انگلیوں کو کھلا رکھتے، پھر دوسرا سجدہ کرتے اللہ اکبر کہہ کے پھر سر اٹھاتے سجدے سے اور بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھتے اتنی دیر تک کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر آ جاتی (بعد اس کے کھڑے ہوتے) اور دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے، پھر جب دو رکعتوں سے فارغ ہو کر کھڑے ہوتے اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے مونڈھوں تک جیسا کہ شروع نماز کے وقت اٹھاتے تھے، پھر باقی نماز میں ایسا ہی کرتے یہاں تک کہ جب اخیر سجدے سے فارغ ہوتے جس کے بعد سلام ہوتا ہے نکالنے لیتے بایاں پاؤں اپنا اور بیٹھتے بائیں کولے پر، پھر سلام پھیرتے۔ (ابوداؤد بابُ افْتِسَاحِ الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۰۶، ترمذی بابُ مَا جَاءَ فِي وَصْفِ الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۶۷، دارمی ج ۳ ص ۶۳ وغیرہ)

استدلال پر اعتراضات:- (۱) اس روایت سے اثباتِ رفعِ یدین ثابت ہوتا ہے، بقاء و نسخ سے اس روایت کو کچھ علاقہ نہیں ہے۔ یعنی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رفعِ یدین عند الرکوع کی سنیت اب بھی باقی ہے۔ غیر مقلدین کو ایسی روایات پیش کرنی چاہئے جن سے دوامِ رفعِ یدین ثابت ہو یا فعلِ آخر صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہو اور اس روایت سے یہ دونوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) اس روایت کے کچھ راویوں پر کلام ہے اور یہ روایت غیر محفوظ ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے ابوداؤد، ترمذی، دارمی وغیرہ کی شرحیں۔) اس لئے استدلال میں یہ روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔

حضرت مالک بن حویرث کی روایات: ● حَدَّثَنَا اسْحَقُ الْوَاسِطِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ خَالِدِ بْنِ أَبِي قَلْبَةَ أَنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلَّى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَنَعَ هَكَذَا **ترجمہ:-** حضرت ابو قلابہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مالک بن حویرثؓ کو دیکھا کہ انہوں نے نماز پڑھی تو تکبیر پڑھی پھر دونوں ہاتھ اٹھائے۔ پھر جب رکوع کا قصد کیا تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر جب رکوع سے سر اٹھایا تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ (صحیح بخاری بابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَفَعَ ج ۱ ص ۱۰۲)

استدلال پر اعتراضات:- (۱) اس روایت سے اثباتِ رفعِ یدین ثابت ہوتا ہے، بقاء و نسخ سے اس روایت کو کچھ علاقہ نہیں ہے۔ یعنی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رفعِ یدین عند الرکوع کی سنیت اب بھی باقی ہے۔ غیر مقلدین کو ایسی روایات پیش کرنی چاہئے جن سے دوامِ رفعِ یدین ثابت ہو یا فعلِ آخر ثابت ہو اور اس روایت سے یہ دونوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) حضرت مالک بن حویرثؓ سے رکوع کے علاوہ دیگر مقامات پر رفعِ یدین منقول ہے مثلاً سنن نسائی (ج ۱ ص ۱۶۵) کی ایک روایت میں سجدہ سے اٹھتے وقت بھی رفعِ یدین کا ذکر ہے اور اسی جگہ ایک روایت میں پانچ جگہ رفعِ یدین کا ذکر ہے۔

غیر مقلدین ان روایات کے ہوتے ہوئے ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ کیا یہ منسوخ ہیں؟ اگر ہیں تو کس دلیل سے؟
حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں ”میں سجدہ میں رفع یدین کی جن احادیث سے واقف ہوں ان میں سے سب سے صحیح وہ ہے جس کو روایت کیا نسائی نے۔“

● سَعِيدُ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ نَضْرِبْنِ عَاصِمٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي صَلَوَتِهِ إِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ رُكُوعِهِ وَإِذَا سَجَدَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ سُجُودِهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ “ ترجمہ: مالک بن حویرث نے نبی ﷺ کو دیکھا ہاتھ اٹھاتے ہوئے (رفع یدین کرتے ہوئے) انکی نماز میں جب کہ رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا اور جب سجدہ کیا اور جب سجدہ سے سر اٹھایا یہاں تک کہ وہ دونوں (ہاتھ) کانوں کی لو کے برابر آگئے (نسائی ج ۱ ص ۱۴۰) اور مسلم نے اسی سند سے اسکے اخیر حصے کو روایت کیا ہے اور سعید منفرد نہیں ہیں ان کی متابعت کی ہمام نے قتادہ سے صحیح ابوعوانہ میں بلکہ قتادہ کے اصحاب میں سے ایک سے زائد لوگوں نے ان کی متابعت کی ہے ہمام سے۔ احمد کے نزدیک اور ابوعوانہ اور شعبہ اور ہشام نسائی کے نزدیک پس اس میں شک نہیں ہے کہ رفع یدین کی زیادتی سجدہ میں صحیح اور محفوظ ہے اور شاذ نہیں ہے جیسا کہ ان میں سے بعض نے کہا۔“

رکوع کے وقت رفع یدین کی احادیث کا حوالہ دے کر غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جب رفع یدین کی احادیث موجود ہیں تو رفع یدین کیوں نہیں کرتے تو ان سے سوال ہے کہ جب صحیح اور محفوظ روایت میں سجدہ کے وقت رفع یدین منقول ہے تو پھر غیر مقلدین سجدہ کے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔ کیا ان کے نزدیک سجدے کے وقت کا رفع یدین منسوخ ہے؟ اگر منسوخ ہے تو کس حدیث کی رو سے؟

حضرت وائل بن حجر کی روایات: ● حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَابِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ قُلْتُ لَا نُظَرُّنَ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ يُصَلِّي قَالَ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَكَبَّرَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَا أُذُنَيْهِ ثُمَّ أَخَذَ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ فَلَمَّا رَأَى أَنَّهُ يَرْكَعَ رَفَعَهُمَا مِثْلَ ذَلِكَ الخ حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے میں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ قبلہ رخ کھڑے ہوئے تکبیر کہی۔ اور دونوں ہاتھ اٹھائے کانوں کے برابر پھر اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑا پھر آپ ﷺ نے رکوع کا ارادہ کرتے وقت بھی دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھائے۔ (ابوداؤد باب رَفَعَ الْيَدَيْنِ ج ۱ ص ۱۰۵، نسائی باب مَوْضِعُ الْيَمِينِ مِنَ الشِّمَالِ فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۴۱)

استدلال پر اعتراضات: (۱) اس روایت سے اثبات رفع یدین ثابت ہوتا ہے، بقاء نسخ سے اس روایت کو کچھ علاقہ نہیں ہے۔ یعنی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رفع یدین عند الركوع کی سنیت اب بھی باقی ہے۔ غیر مقلدین کو ایسی روایات پیش کرنی چاہئے جن سے دوام رفع یدین ثابت ہو یا فعل آخر ثابت ہو اور اس روایت سے یہ دونوں میں سے کچھ

بھی ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) یہ روایت ضعیف ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو خرّج صلوٰۃ الرسول حاشیہ حدیث نمبر ۳۳۹ ص ۲۸۲، ۲۸۳) اس لئے غیر مقلدین کی طرف سے اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

غیر مقلدین رکوع کے وقت رفع یدین کے سلسلہ میں دیگر بہت سی ایسی روایات پیش کرتے ہیں جن میں صرف رکوع کے وقت کا رفع یدین نہیں ہے بلکہ انہیں اور دیگر مقامات پر رفع یدین کا بھی ذکر ہے اور بعض تو ایسی ہیں جن میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت کے رفع یدین کا ذکر ہے اور غیر مقلدین رفع یدین کے نام سے ان روایات کو بھی رکوع کے وقت کے رفع یدین کے استدلال میں پیش کر دیتے ہیں جب کہ ان میں سرے سے رکوع کے وقت کے رفع یدین کا تذکرہ ہی نہیں ہے۔ غرض غیر مقلدین رکوع کے وقت کے رفع یدین کی دلیل میں جتنی روایات پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک روایت سے بھی دوام رفع یدین یا فعل آخر ﷺ ثابت ہوتا اسلئے یہ تمام روایات ان کے دعوے کی دلیل میں ناقابل قبول ہیں۔

جب غیر مقلدین دوام رفع یدین کی صریح روایات نہیں پیش کر سکتے تو وہ ”قیاس“ سے دوام رفع یدین ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں مثلاً خرّج صلوٰۃ الرسول ص ۲۷۹ پر ہے اور ”كَانَ يُصَلِّي“ استمرار کیلئے آتا ہے جس کے معنی ہیں حضور ﷺ ہمیشہ کرتے تھے۔ ”كَانَ يَرْفَعُ“ کے الفاظ میں بھی استمرار یعنی ہیشگی پائی جاتی ہے کہ حضور ﷺ ساری عمر رفع یدین کرتے رہے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے بذریعہ قواعد جو مسائل استنباط کئے جاتے ہیں وہ صراحئاً نہیں ہوتے بلکہ قیاساً ہوتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ حدیث بیان کرنیوالوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ صرف چند مرتبہ کے فعل کو بھی لفظ ”کان“ سے بیان کرتے ہیں اس سے صراحئاً استمرار کے معنی لینا صحیح نہیں ہے۔ خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضور ﷺ کے حج کے سلسلہ میں ہے کہ حضور ﷺ جب منیٰ میں ٹھہرتے تھے تو كَانَ يَقِفُ عِنْدَ الصَّخْرَاتِ الشُّوَدِ بِعَرَفَةَ یعنی رسول اللہ ﷺ عرفات کے میدان میں کالے پتھروں کے پاس ٹھہرتے تھے۔ اسی طرح صحیح بخاری کتاب الحج، بَابُ الطَّيِّبِ عِنْدَ الْإِحْرَامِ.... ج ۱ ص ۲۰۸ پر حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے ”كُنْتُ أَطِيبُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَا حَرَامَهُ حِينَ يُحْرِمُ وَلِحَلِّهِ..... ترجمہ:- حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب احرام باندھتے تو احرام باندھتے اور کھولتے وقت طواف کعبہ سے پہلے آپ کو خوشبو لگاتی تھی۔“ حالانکہ فرضیت کے بعد حضور ﷺ سے صرف ایک ہی مرتبہ حج کرنا ثابت ہے اور روایات میں کان یعنی استمرار کا صیغہ آیا ہے تو کیا صرف ایک مرتبہ سے استمرار ثابت ہوتا ہے؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ احادیث میں ”کان“ ہمیشہ استمرار کیلئے نہیں آتا۔ غیر مقلدین کے ذمہ لازم ہے کہ اپنے دعوے کے ثبوت میں دوام رفع یدین کیلئے صریح روایات پیش کریں۔ اثبات رفع یدین کی روایات ثبوت بقاء کے سلسلہ میں نہیں پیش کر سکتے اسلئے رفع یدین عند الركوع کی بقاء کے دلائل میں مذکورہ تمام روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ نیز جن صحابہ کرام سے

رفع یدین عند الركوع کی دلیل میں روایات پیش کی جاتی ہیں ان میں سے کچھ کا فعل ترک رفع یدین تھا۔ اور ان اصحاب سے رکوع کے سوا دیگر مقامات پر بھی مثلاً سجدہ وغیرہ میں بھی رفع یدین کی روایات منقول ہیں۔

اسلئے رکوع کے وقت رفع یدین کی دلیل میں غیر مقلدین کی تمام ہی پیش کردہ روایات ناقابل قبول ہیں (ب) دوسری قسم کی روایات :- یہ روایات دوام رفع یدین پر صریح تو ہیں لیکن صحیح نہیں ہیں۔

پہلی روایت :- تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۷۳ پر ہے ”رسول اللہ ﷺ وفات تک رفع یدین کرتے رہے“

۳۲۹۔ ● عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ فَمَا زَالَ تِلْكَ صَلَاتُهُ حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ تَعَالَى تَرْجَمَهُ : رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب اٹھاتے سراپنا رکوع سے ، اور سجدوں میں رفع الیدین نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ سے ملنے دم تک آپ ﷺ کی نماز اسی طرح رہی۔“ (تلخیص الحبیئر للعسقلانی) سب سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ تلخیص الحبیئر مختلف احادیث کا مجموعہ تو ہو سکتا ہے لیکن اصل حدیث کی کتاب نہیں، کیونکہ حدیث کی کتاب اسے کہتے ہیں جس کا مؤلف اس کتاب میں درج کی ہوئی احادیث کا خود ایک راوی ہوتا ہے مثلاً بخاری و مسلم وغیرہ۔ اصولاً بطور حوالہ حدیث کی اصل کتابوں کا تذکرہ کرنا چاہئے۔ اب دیکھئے ۳۲۹ کا حاشیہ کہ ان کی دوام کی روایت کا کیا حال ہے کہ ہر ایک اس روایت کی نقل میں ایک دوسرے کا حوالہ دیتا ہے خود ذمہ داری نہیں لیتا ہے۔ ”صلوٰۃ الرسول“ نامی کتاب کی تخریج کرنے والے غیر مقلد کا مذکورہ روایت پر حاشیہ ملاحظہ ہو

”حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیئر (ج ۱ ص ۲۱۸) میں اس روایت کو بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر مجھے یہ سنن بیہقی میں نہیں ملی۔ حافظ زیلیعی نے نصب الراية (ج ۱ ص ۴۰۹) میں اسے سنن بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ نصب الراية کے محقق نے کہا ہے کہ یہ روایت سنن بیہقی کے مطبوع نسخہ میں نہیں ہے۔ شاید کہ یہ کتاب المعرفہ وغیرہ میں ہو۔ علی کل حال یہ روایت انتہائی ضعیف ہے کیونکہ اسکی سند میں عبدالرحمن بن قریش بن خزیمہ ہے اور یہ مُتَّهَم ہے“ (حاشیہ تخریج ۲۷۳) تجلیات صفدر ج ۳ ص ۳۲۹ پر مولانا محمد امین صفدر صاحب درج بالا روایت کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں ”دوسری حدیث“ کہ عنوان سے۔

● عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ نَصْرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ قُرَيْشٍ بْنِ خُزَيْمَةَ الْهَرَوِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَحْمَدَ الدُّمَجِيِّ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ حَمْدَانَ الرَّقِّي ثَنَا عَصَمَةُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيِّ ثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَكَانَ ذَلِكَ لَا يَفْعَلُ فِي السُّجُودِ فَمَا زَالَ تِلْكَ صَلَاتُهُ حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ تَعَالَى (بیہقی بحوالہ نصب الراية ج ۱ ص ۴۱۰)

(۱) یہ حدیث اسی سند کیساتھ سب سے پہلے شیخ ابن دقیق العید مقلد الشافعی نے اپنی کتاب ”الامام“ میں ”سنن کبریٰ بیہقی“ کے حوالہ سے لکھی مگر ”سنن کبریٰ بیہقی“ کے کسی بھی نسخہ میں یہ حدیث موجود نہیں ہے اور ابن السبکی نے الطبقات ج ۶ ص ۲۰ پر مستقل باب باندھا ہے کہ امام ابن دقیق العید نے ”الامام“ میں بہت سی احادیث لکھی ہیں، جن میں ان کی طرف نسبت کرنے میں خطاء کی ہے۔ اس لئے ان کا کسی حدیث کا کسی کتاب کی طرف نسبت کر دینا قابل اعتماد نہیں ہے۔ پھر بیہقی کی کسی اصل کتاب سے نہیں بلکہ شیخ کی ”الامام“ سے اسی سند کے ساتھ اس حدیث کو ان کے شاگرد امام زیلیعی (۷۲۶ھ) نے اپنی کتاب نصب الراية میں درج کیا ہے، یہ حنفی مقلد ہیں۔ پھر ”نصب الراية“ کا خلاصہ کرتے وقت اس حدیث کو حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) نے الدرر النضر میں اور پھر ”تلخیص الخیر“ میں درج کر دیا۔ اصل کتاب کو کسی نے نہیں دیکھا پھر بعض غیر مقلدین نے رجماً بالغیب یہ کہنا شروع کیا کہ یہ حدیث بیہقی کی سنن کبریٰ میں نہیں، ان کی دوسری کتاب معارف السنن والآثار میں ہے جو ابھی چھپی نہ تھی لیکن یہ کتاب بھی بارہ جلدوں میں چھپ کر آگئی ہے، اس میں بھی یہ حدیث نہیں ہے اب پیر بدیع الدین راشدی المعروف پیر آف جھنڈا نے اپنے رسالہ ”جلاء العینین“ میں لکھا کہ یہ حدیث امام بیہقی کی کتاب الخلافات میں ج ۶ ص ۷۶ پر ہے جو ابھی چھپی نہیں۔ اب مختصر خلافیات چھپی ہے، اس کی جلد دوم میں یہ بے سند روایت درج ہے۔ ایسی احادیث جو بعض محدثین نے کسی کتاب کے حوالہ سے نقل کیں، مگر جب اصل کتاب چھپی اس میں وہ حدیث نہ ملے تو اس حدیث کا غیر مقلد نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ فوراً موضوع، جھوٹی، بناوٹی تک کہہ جاتے ہیں۔ اس کی صرف دو مثالیں ذکر کرتا ہوں: ایک مالکی عالم نے دعا بعد نماز پر رسالہ لکھا، اس میں ”مصنف ابن ابی شیبہ“ کے حوالے سے حضرت اسود عامریؓ کی حدیث نقل کی کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ اس حدیث سے اسی حوالے سے میاں نذیر حسین دہلوی نے فتاویٰ نذیریہ اور فتاویٰ ثنائیہ میں بھی استدلال کیا اور کتنے ہی حنفی اور غیر مقلدین علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا، مگر جب ”مصنف ابن ابی شیبہ“ چھپ کر بازار میں آگئی، اس میں اس حدیث میں بعد نماز ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ذکر نہیں ملا۔ اس دن سے غیر مقلد پورے زور شور سے اس حدیث کا انکار کر رہے ہیں، اسی طرح محدث قسطلانی الشافعی شارح بخاری اور محدث زرقانی مالکی شارح موطا نے عبدالرزاق کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی تھی: يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ (الحديث) لیکن جب سے مصنف عبدالرزاق چھپ کر بازار میں آئی ہے اور اس میں یہ حدیث نہیں ملی، اسی دن سے غیر مقلد شور مچا رہے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔ یہی حال اس حدیث کا ہے کہ بیہقی کی اصل کتاب میں اس کا نام و نشان نہیں اور کسی اور حدیث کی مستند کتاب میں بھی اس کا اتنا پتا نہیں ملتا۔ مگر پھر بھی پوری ڈھٹائی سے اس کو پیش کیا جاتا ہے۔ تِلْكَ إِذْ قَسَمَ ضَيْزَى۔ حالانکہ غیر مقلدین کو چاہئے تھا کہ جس طرح پہلی دو حدیثوں پر شور مچاتے ہیں یہاں بھی اپنے مولویوں کا ناطقہ بند کر دیتے کہ اصل کتاب میں حدیث دکھاؤ! ورنہ اس حدیث کے جھوٹے ہونے کا تقریری اور تحریری اعلان کرو۔

(۲) دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ دلیل وہ ہے جس میں مکمل دعویٰ آئے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ایک سنت چھوڑنے

سے بھی نماز خلاف سنت ہو جاتی ہے۔ چار رکعت نماز میں تکبیر تحریمہ کی رفع یدین پر اجماع ہے اور یہ غیر معارض رفع یدین ہے۔ باقی تین رکعت کے بارے میں غیر مقلدین کا قول و فعل یہ ہے کہ دو سجدوں سے کھڑے ہو کر یعنی دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں دونوں ہاتھوں کو کانوں تک نہ اٹھانا سنت ہے اور دو رکعتوں سے اٹھ کر تیسری رکعت کے شروع میں دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا سنت ہے۔ مگر ان تینوں سنتوں کا اس حدیث میں ذکر نہیں، تو اگر اس حدیث کو صحیح مانا جاتا تو یہ بھی اعلان تقریری اور تحریری طور پر کرنا لازم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ معاذ اللہ آخری عمر میں خلاف سنت نماز پڑھا کرتے تھے یا ان تینوں سنتوں (ایک مثبت اور دو منفی) کی صراحت اس حدیث میں دکھاؤ۔ اسی طرح اس حدیث میں اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ کے بعد تَوَرَّعَ يَدَيْهِ کی جزا مذکور ہے اگرچہ یہ صراحت نہیں ہے کہ ہاتھ کہاں تک اٹھائے لیکن اِذَا رَكَعَ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ کے بعد تَوَرَّعَ يَدَيْهِ کی صراحت نہیں ہے اور كَانَ لَا يَفْعَلُ ذَالِكَ فِي السُّجُودِ کا مطلب یہ ہے کہ عین حالت سجدہ میں ہاتھ اوپر کو نہ اٹھائے بلکہ زمین پر رکھے۔ سجدوں سے پہلے یا سجدوں سے اٹھ کر رفع یدین کی نفی کی صراحت یہاں نہیں ہے، جس کا دکھانا غیر مقلدین کا فرض تھا، اس لئے نہ پوری دس کا اثبات ہے نہ ۱۸ کی نفی، تو دلیل دعویٰ کے مطابق نہ ہوئی۔

(۳) اب یہ بات بھی ضروری ہے کہ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ تو ضروری ہے کہ اس کا صحیح ہونا دلیل شرعی سے ثابت کیا جائے اور غیر مقلدین کے ہاں دلیل شرعی صرف اور صرف خدا کا فرمان یا رسول کا فرمان ہے۔ اس لئے ان کا فرض ہے کہ یا تو خدا تعالیٰ کا فرمان دکھائیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا رسول اللہ ﷺ کا اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں اور قیامت تک نہ کر سکیں گے، تو اگر کسی امتی کی رائے سے کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنے کا ارادہ ہو تو پہلے تو یہ تحریر لکھ دیں کہ ہم الحمد للہ یہ حدیث نہیں رہے بلکہ اہل الرائے بن گئے ہیں۔ پھر جس کی رائے پیش کریں پہلے ثابت کریں کہ کیا احناف نے اسکی تقلید کا التزام کیا ہے؟ اور یہ بھی وضاحت کریں کہ اس امتی کو آپ نے اللہ مانا ہے یا اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ میں شامل کیا ہے اور اس کی تقلید جناب پر فرض ہے یا واجب اور اس کی دلیل شرعی کیا ہے؟

(۴) اس سند کا پہلا راوی امام بیہقی ہے، اس کا ذکر طبقات الشافعیہ میں ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ وہ امام شافعی کا مقلد ہے اور غیر مقلدین کے ہاں تقلید شخصی شرک ہے، تو بتایا جائے کہ کیا مشرک کی روایت کردہ حدیث حجت ہے؟ امام بیہقی شعبان ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے اور دس جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کے ہاں سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ نہیں تھیں۔ امام الحرمین فرماتے تھے کہ بیہقی کے علاوہ ہر شافعی المسلمک پر امام شافعی کا احسان ہے۔ آپ امام حاکم کے کبار تلامذہ میں سے تھے، ان سے پہلے اس حدیث کی غلط نسبت بھی کسی کتاب کی طرف ثابت نہیں۔

(۵) اس سند کے دوسرے راوی امام حاکم ہیں۔ جس طرح علامہ زحشری تفسیر کے بہت بڑے امام تھے مگر عقیدتا معتزلی تھے، اسی طرح حاکم بھی حدیث کے امام تھے۔ حافظ محمد بن طاہر جنہوں نے سب سے پہلے صحاح ستہ کا لفظ ایجاد کیا، کہتے ہیں کہ

میں نے ابواسامیل انصاری سے حاکم کے متعلق پوچھا، تو کہنے لگے: حدیث میں ثقہ اور لائق اعتماد تھے لیکن خبیث قسم کے رافضی ہیں۔ ابن طاہر کہتے ہیں: باطن میں متعصب شیعہ ہیں اور ظاہر میں شیخین کی فضیلت اور انکی خلافت کے برحق ہونے میں اہل السنۃ کے ہم نوا ہیں۔ حضرت معاویہؓ اور انکے اخلاف سے سخت منحرف ہیں، اس کا برملا اظہار کرتے تھے اور اس سلسلہ میں معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ صفر ۴۰۵ھ میں پائی۔ (تذکرہ) ساری دنیا میں اس حدیث کا یہی ایک راوی ہے، نہ کوئی اسکا متابع ہے نہ شاہد۔ خود مستدرک میں موضوعات تک لائے ہیں، مگر اس حدیث کو مستدرک میں بھی جگہ نہ مل سکی۔ افسوس! کہ غیر مقلدوں کے یتیم اور لا وارث مذہب کا سہارا ایسی ہی بے سرا روایات ہیں۔

(۶) اس سند کا تیسرا راوی جعفر بن محمد بن نصر ہے، حاکم اس سے عن سے روایت کرتا ہے اور وہ بھی اوپر عن سے روایت کر رہا ہے۔ متعصب شیعہ کے اس استاد کی تعدیل اور سند کا اتصال ثابت کرنا ضروری ہے، جس کا شاگرد رافضی ہے اور استاد مُتَّهِمٌ بِالْوَضْعِ ہے۔

(۷) اس سند کا چوتھا راوی عبدالرحمن بن قریش بن خزیمہ الہروی ہے۔ محدث سلیمانی فرماتے تھے کہ یہ جھوٹی احادیث گھڑنے سے متہم ہے (میزان الاعتدال) اور اس کے علاوہ اس گھڑن تو حدیث کو کسی نے روایت نہیں کیا۔

(۸) اس سند کا پانچواں راوی عبداللہ بن احمد الدجی ہے جو اس گھڑن تو یار کا استاد ہے۔ اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی اپنی کتابوں میں اس سے حدیث روایت نہیں کی۔ اس کی توثیق اور عنعنہ کا اتصال ثابت کیا جائے۔

(۹) اس حدیث کا چھٹا راوی الحسن بن عبداللہ بن حمدان الرقی ہے، یہ آئیوا لے کذاب کا اکلوتا شاگرد ہے۔ اصحاب ستہ میں سے کسی ایک نے بھی اس کی روایت نہیں لی، اس کی توثیق بھی بطریق محدثین ثابت کرنا ضروری ہے۔

(۱۰) اس سند کا ساتواں راوی عصمتہ بن محمد انصاری ہے، امام الجرح والتعدیل امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں..... وہ بڑا جھوٹا تھا خود جھوٹی حدیثیں گڑھتا..... باطل روایتیں سچوں کی طرف منسوب کر کے بیان کرتا تھا، (میزان، بغداد)

(۱۱) اس سند کے آٹھویں راوی موسیٰ بن عقبی ہیں، جو صحاح ستہ کے راوی ہیں اور مغازی کے امام ہیں۔ ان کی روایت نافع کے ہی طریق سے بخاری ج ۱ ص ۱۷۱ سند کیساتھ ہے جس میں یہ الفاظ: فَمَا زَالَتِ تِلْكَ صَلَوَتُهُ حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ. نہیں ہیں

(۱۲) اس سند کے نویں راوی نافع کے ۹ شاگرد اس کو روایت کرتے ہیں: عبید اللہ، ایوب، مالک، ابن جریج، لیث، صالح بن کیسان، زید بن واقد، موسیٰ بن عقبی، عمر بن زید (جلاء العینین) مگر کسی نے بھی یہ جملہ بیان نہیں کیا کہ حضرت ﷺ آخر عمر تک یہی نماز ادا فرماتے رہے۔

(۱۳) اس سند کے دسویں راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں جو خود تحریمہ کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(محمد، ابن ابی شیبہ، طحاوی)

(۱۴) غیر مقلدین یہ بھی جھوٹ بولا کرتے ہیں کہ عشرہ مبشرہؓ نے حدیث روایت کی ہے کہ حضور ﷺ آخر عمر تک اختلافی رفع

یدین کرتے رہے۔ جب کہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک سے نہ صحیح سند سے نہ حسن سند سے اور نہ ہی ضعیف سند سے یہ جملہ ثابت ہے: فَمَا زِلْتُ تِلْكَ صَلَوَتُهُ حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ۔

(۱۵) غیر مقلد یہ بھی جھوٹ بولا کرتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ کے علاوہ چالیس اور صحابہ نے بھی حضور ﷺ سے آخر عمر تک اختلافی رفع یدین کرنا روایت کیا ہے مگر یہ سفید جھوٹ بلکہ سیاہ جھوٹ ہے، کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے۔

(۱۸) علامہ نیوی نے آثار السنن میں اسکو ضعیف بلکہ موضوع کہا تو عبدالرحمن مبارک پوری نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ ہمارے استدلال کی بنیاد یہ حدیث نہیں۔ (ابکار السنن) (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تجلیات صفحہ ۳ ص ۳۴۹..... تا ۳۶۰)

دوسری روایت:- تجلیات صفحہ ۳ ص ۳۳۶ پر ہے

ابن اعرابی فرماتے ہیں • ”نَامَحَمَّدُ بْنُ عَصَمَةَ نَاسُوا رَبَّنَا عُمَارَةَ نَارِدِيحُ بْنُ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ ابْنِ أَبِي عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ مَصْبُوحٍ قَالَ رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ فَقَالَ لَا صَلَّيْنَا بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَا أَزِيدُ فِيهِ وَلَا أَنْقُصُ فَأَقْسَمَ بِاللَّهِ إِنْ كَانَتْ هِيَ صَلَوَتُهُ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا. فَقُمْتُ عَنْ يَمِينِهِ لَا نَظَرَ كَيْفَ يَصْنَعُ فَأَبْتَدَأَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَهُ ثُمَّ رَكَعَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ ثُمَّ سَجَدَ وَكَبَّرَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ أَقْسَمَ بِاللَّهِ إِنْ كَانَتْ هِيَ صَلَاتُهُ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا“ **ترجمہ:-** حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ میں ضرور تمہیں نبی پاک ﷺ والی نماز پڑھاؤں گا نہ کچھ کم کروں گا نہ کچھ زیادہ پھر انہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ آپ ﷺ یہی نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا چھوڑ گئے۔ تو میں (ابوزرعمہ) ان (ابو ہریرہ) کے دائیں طرف کھڑا ہوا تو انہوں نے نماز شروع تو تکبیر کہی اور اپنا ایک ہاتھ اٹھایا (نامعلوم کہاں تک) پھر کچھ دیر بعد رکوع کیا تو (رکوع میں جا کر) اللہ اکبر کہا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے (نامعلوم کہاں تک) پھر سجدہ کیا پھر اللہ اکبر کہا پھر سجدہ کیا اور تکبیر کہی یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوئے، پھر خدا کی قسم کھائی اور فرمایا نبی پاک ﷺ کی نماز آخری عمر تک یہی رہی۔ (معجم ج ۱ ص ۲۶۶ نمبر ۱۴۲)

اس روایت کا ایک راوی سوار بن عمارہ ہیں اور ایک ردتح بن عطیہ ہیں انکے بارے میں تجلیات صفحہ ۳ ص ۳۴۹ سے اقتباس ملاحظہ ہو (۴) سند کا دوسرا راوی سوار بن عمارہ ہے اس کو بعض نے ثقہ کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے وہ اکثر ثقات کے خلاف روایت کرتا ہے پھر تہذیب میں نہ اس کے اساتذہ میں ردتح کا ذکر ہے اور نہ تلامذہ میں ردتح کا (۵) ازدی نے کہا ہے کہ وہ ایسی روایت بیان کرتا ہے کہ جن میں اسکا کوئی بھی متابع نہیں ہوتا یہ بھی اسی قسم کی ہے (۶) زبیر علی زئی نے اپنے رسالہ نور القمرین میں بہت بڑا جھوٹ لکھا ہے کہ عباد بن عباد الخواص اسکا متابع ہے مگر نہ وہ سند صحیح ہے اور نہ اسکے متن میں لفظ ”فارق دنیا“ ہے اس روایت میں رکوع کی رفع یدین کا نام و نشان تک نہیں ہے، اس لئے دلیل میں یہ روایت پیش کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے

در اصل یہ روایت اس طرح ہے کہ امام محمد ”موطا“ میں یہ حدیث ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

• أَخْبَرَ نَامَالِكُ ابْنُ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُصَلِّي

بِهِمْ فَكَبَّرُكُمْ خَفَضَ وَرَفَعَ ثُمَّ إِذَا انْصَرَفَ قَالَ: وَاللَّهِ إِنِّي لَا شَبِيهَكُمْ صَلَوةَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ. **ترجمہ:** مالک ابن شہاب، ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ ان کو نماز پڑھاتے اور ہر اونچ نیچ پر تکبیر کہتے تھے اور نماز سے فارغ ہو کر فرماتے: خدا کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ رسول اقدس ﷺ کی نماز سے مشابہت رکھتا ہوں۔ (بخاری کتاب الاذان، بَابُ اِتِّمَامِ التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ ج ۱ ص ۱۰۹) (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تجلیات صفحہ ۳ ص ۳۲۸/۳۲۹)

غرض جتنی صریح روایات غیر مقلدین دوام کے سلسلہ میں پیش کرتے ہیں وہ سب ضعیف ہیں بلکہ موضوع کے درجے تک ہیں اس لئے ایک بھی قابل قبول نہیں۔

آثار و اقوال: غیر مقلدین رفع یدین عند الركوع کے دلائل میں آثار پیش کرتے ہیں حالانکہ غیر نبی کے اقوال و افعال سے دلیل لینا تقلید ہے اور تقلید غیر مقلدین کے نزدیک شرک ہے، اسلئے غیر مقلدین کو آثار و اقوال پیش کرنے کا حق ہی نہیں ہے، اس لئے ان کی طرف سے آثار و اقوال قابل توجہ نہیں ہیں، لیکن عوام کی دل چسپی کیلئے کچھ آثار و اقوال پیش کرتے ہیں تاکہ وہ ان کی حقیقت سے واقف ہو سکیں۔

☆ قَالَ الطَّبْرَانِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُوسَى ثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُقْرِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي لَهْيَعَةَ ثَنِي أَبِي هُبَيْرَةَ أَنَّ أَبَا الْمُصْعَبِ مِشْرَحَ بْنَ عَاهَانَ الْمُعَاظِرِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ الْجُهَنِيَّ يَقُولُ إِنَّهُ يُكْتَبُ فِي كُلِّ إِشَارَةٍ يُشِيرُهَا الرَّجُلُ بِيَدِهِ فِي الصَّلَاةِ بِكُلِّ إِصْبَعٍ حَسَنَةً أَوْ ذَرْجَةً. (معجم کبیر طبرانی ج ۷ ص ۲۹۷) **ترجمہ:** طبرانی نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی بشر بن موسیٰ نے انہوں نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی ابو عبد الرحمن المقری نے ابن ابی لہیعہ سے انہوں نے نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی ابو ہبیرہ نے کہ ابو المصعب مشرح بن عاھان المعافرہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عقبہ بن عامر جہنی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر اشارہ کے عوض جو آدمی اپنے ہاتھ سے کرتا ہے ایک نیکی یا ایک درجہ لکھا جاتا ہے۔

یہ روایت موقوف ہے لہذا غیر مقلدین کا اس روایت سے استدلال درست نہیں ہے۔

☆ جزء رفع یدین میں امام بخاری نے حمیدی کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جو شخص رکوع میں جاتے وقت رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں کرتا تھا حضرت عمرؓ اسے کنکریاں مارا کرتے تھے۔

امام احمد صرف رفع یدین کا لفظ روایت کرتے ہیں لیکن محل رفع یدین سے خاموش ہیں۔

حمیدی اور عیسیٰ بن عمران محل رفع یدین پر اونچ نیچ بیان کرتے ہیں۔

یہاں تدلیس کی گئی ہے کہ سند تو حمیدی کی لگا دی گئی اور رکوع کی رفع یدین

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تجلیات صفحہ ۳ ص ۳۶۲ تا ۳۶۶)

☆ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ كَانُوا يَدِيَهُمُ الْمَرَاوِحَ يَرْفَعُونَهَا إِذَا رَكَعُوا وَإِذَا رَفَعُوا رُؤُسَهُمْ (جزء رفع یدین) رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ ان کے ہاتھ پنکھوں کی طرح تھے وہ اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب رکوع کرتے اور جب اپنے سروں کو اٹھاتے۔

مولانا عبدالرحمن مبارک پوری (غیر مقلد) لکھتے ہیں کہ سعید کا حافظہ بھی بگڑ گیا تھا اور وہ مدلس بھی ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں۔ اور قنادہ بھی مدلس ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں تو یہ سند کیسے صحیح ہو سکتی ہے (ابکار اللمن ص ۹۶) ☆ اسی جزء رفع یدین میں حضرت ربیع کا بیان ہے کہ میں نے حسن، مجاہد، عطاء، طاؤس، قیس بن سعید اور حسن بن مسلم کو دیکھا کہ وہ رکوع کے وقت اور سجدے کے وقت بھی رفع یدین کرتے۔ امام عبدالرحمن بن مہدی نے کہا یہ سنت ہے (جزء رفع یدین) ☆ ابن ابی شیبہ میں یزید بن ہارون عن اشعث سے منقول ہے کہ حسنؓ اور ابن سیرینؓ دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے (ج ۲ ص ۵۰۹)

تو کیا غیر مقلدین امام حسن بصریؒ کے مسلک کے خلاف پرچار ۴ رکعات میں سجدوں کی رفع یدین نہ کر کے سولہ ۱۶ سنتوں کے تارک ہیں۔ (تفصیل کے لئے تجلیات صفحہ ج ۲ ص ۴۹۳)

تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۷۵ پر ہے۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی مصنف قاموس سفر السعادت میں لکھتے ہیں..... کثرت روایات کی وجہ سے (تین مواقع پر ثابت شدہ رفع الیدین) متواتر حدیث کے مشابہ ہے اس مسئلہ میں ۴۰۰ چار سو حدیثیں اور آثار آئے ہیں عشرہ مبشرہ صحابہؓ (جنہیں حضور ﷺ نے ان کی زندگی میں جنتی کہا تھا) نے ان کو روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے اس کے سوا کچھ ثابت نہیں غیر مقلدین اسی بنیاد پر کہتے ہیں کہ ہمارے پاس رفع یدین کی ۴۰۰ چار سو حدیثیں ہیں جب کہ فیروز آبادی صاحب حدیثیں اور آثار ملا کر ۴۰۰ چار سو گنتی کرتے ہیں۔ اور فیروز آبادی نے یہ بھی نہیں لکھا کہ یہ روایات صرف رکوع کے وقت رفع یدین کی ہیں کہ اس میں تکبیر تحریمہ کی اجماعی رفع یدین بھی شامل ہے۔ ویسے صلوٰۃ الرسول کے مصنف نے تو سین میں اپنی بات کا اضافہ کر دیا ہے کہ ”تین مواقع“ پر۔ تخریج صلوٰۃ الرسول کے مؤلف نے حاشیہ پر احتیاطاً لکھ دیا ہے ”حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ رفع یدین کا ذکر پچاس صحابہؓ کی احادیث میں ہے“

ویسے غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف ”صحیح“ احادیث پر عمل کرتے ہیں مصنف نے یہ نہیں بتایا کہ اس میں کتنی احادیث صحیح ہیں۔

اور شیخ الہند نے ایضاح الادلہ ص ۶۵ پر تو قصہ ہی ختم کر دیا ہے وہ لکھتے ہیں ”اب اس کے بعد جو آپ نے بقول عراقی و امام عینی، جلال الدین سیوطی وغیرہم، احادیث رفع کا ثبوت طرق کثیرہ قویہ سے بیان کیا ہے سب طول لا طائل (بے فائدہ بات لمبی کرنا) اور تحصیل لا حاصل ہے۔ ان تمام احادیث قویہ سے بجز اس کے کہ ثبوت رفع فی الجملہ ہو اور کچھ بھی سمجھ میں نہیں

آتا اور بقاء سنت رفع یدین جس کے آپ بطم طراق مدعی ہیں کسی ضعیف حدیث سے بھی نہیں ثابت ہوتا۔

ترک رفع یدین عند الرکوع کی روایات

سب سے پہلے یہ بتادینا ضروری ہے کہ رفع یدین عند الرکوع کے سلسلے میں ہمارا موقف ترک رفع یدین ہے، نسخ رفع یدین نہیں، اور ترک کیلئے تعین وقت ضروری نہیں ہے۔ کسی وقت بھی آپ ﷺ نے ترک کیا ہو تو ثبوت ترک کیلئے کافی ہے، اور یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ احادیث اثبات رفع یدین عند الرکوع اور احادیث ترک میں کوئی تعارض ہی نہیں ہے کہ ایک کو نسخ اور دوسرے کو منسوخ کہیں اور دونوں جانب کی احادیث کے حکم (صحیح یا غیر صحیح) کا موازنہ کیا جائے۔

بلکہ اصل نکتہ یہ ہے کہ احادیث رفع سے فقط ثبوت رفع ہوتا ہے، اسلئے دونوں احتمال متساوی الاقدام ہیں۔ (یعنی احادیث رفع سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ سنت رفع عند الرکوع اب بھی باقی ہے اور نہ احادیث ترک سے نسخ ثابت ہوتا ہے)، اس واسطے ایسی دلیل کی ضرورت پڑی کہ مرجح احد الاحتمالین علی الآخر ہو جائے (یعنی ایسی دلیل کی ضرورت ہے کہ دو احتمالوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح ہو جائے) سو احادیث ترک رفع نے ایک جانب کو رائج کر دیا اور دوسرے کو مرجوح۔

مدعیان رفع یدین عند الرکوع کے پاس کوئی ایک ایسی حدیث صریح نہیں ہے جو بقائے سنت کے ثبوت کیلئے کافی ہو جبکہ مدعیان ترک رفع کے پاس ایسی صریح روایات اور آثار موجود ہیں جو ترک رفع یدین کو ایک جانب رائج کر دے۔

● حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا نَامُعَاوِيَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ تَمِيمِ بْنِ طَرَفَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ (وَفِي النِّسَائِيِّ وَنَحْنُ يَعْنِي رَافِعُوا أَيْدِيَنَا فِي الصَّلَاةِ) فَقَالَ مَا لِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيَكُمْ كَأَنَّهُمْ أَذْنَابُ خَيْلٍ شَمْسٍ اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ .
ترجمہ :- حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہم پر نکلے (اور نسائی میں ہے اس حال میں کہ ہم نماز میں ہاتھوں کو اٹھا رہے تھے یعنی رفع یدین کر رہے تھے) تو فرمایا کیا بات ہے کہ تمہیں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں گویا وہ بد کے ہوئے گھوڑوں کی دھڑکیں ہیں، نماز میں سکون اختیار کرو۔ (صحیح مسلم باب الْأَمْرِ بِاللُّسْكَونِ فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۸۱، سنن نسائی باب السَّلَامِ بِالْأَيْدِي فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۷۶، ابوداؤد باب فِي السَّلَامِ ج ۱ ص ۱۴۳)۔

استدلال پر اعتراضات :- (۱) بعض حضرات نے اس خیال کا اظہار کیا ہے اس حدیث میں سلام کے وقت اشارہ کر نیکی ممانعت فرمائی ہے جیسا کہ صحیح مسلم ہی میں حضرت جابر بن سمرہ کی دوسری حدیث ہے كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ترجمہ :- ہم جب آنحضرت ﷺ کیساتھ نماز پڑھتے تھے تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے وقت دونوں جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا تم ہاتھوں سے اشارہ کس لئے کرتے ہو جیسے وہ بد کے ہوئے گھوڑوں کی دھڑکیں ہوں

تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ ہاتھ رانوں پر رکھے ہوئے دائیں بائیں اپنے بھائی کو سلام کیا کرو۔

جواب:- ان دونوں حدیثوں میں چونکہ ”كَانَهَا اَذْنَابُ خَيْلِ شَمْسٍ“ کا فقرہ آگیا ہے غالباً اس سے ان حضرات کا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں لیکن جو شخص ان دونوں حدیثوں کے سیاق پر غور کرے گا اسے سمجھنے میں قطعاً دشواری نہ ہوگی کہ یہ دونوں الگ الگ واقعہ سے متعلق ہیں اور ان دونوں کا مضمون ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے چنانچہ (الف) پہلی حدیث میں ہے کہ ہم اپنی اپنی نماز میں مشغول تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور دوسری حدیث میں نماز باجماعت کا ذکر ہے۔

(ب) پہلی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا اور اس پر نکیر فرمائی اور دوسری حدیث میں ہے کہ سلام کے وقت دائیں بائیں اشارہ کرنے پر نکیر فرمائی۔

(ج) پہلی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم فرمایا اور دوسری میں ہے کہ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کا طریقہ بتایا۔

(د) پھر یہ دونوں حدیثیں الگ الگ سندوں سے مذکور ہیں پہلی حدیث کے راوی دوسرے واقعہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے اور دوسری حدیث کے راوی پہلے واقعہ سے کوئی تعرض نہیں کرتے۔

اسلئے دونوں حدیثوں کو جن کا الگ الگ مخرج ہے الگ الگ قصہ ہے الگ الگ حکم ہے ایک ہی واقعہ سے متعلق کہہ کر دل کو تسلی دے لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں اسلئے اس حدیث کا رفع یدین وقت سلام پر تخصیص بلا تخصیص ہے اور اگر بطور تنزل تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دونوں حدیثوں کی شان و رود ایک ہی ہے تب بھی یہ مسلمہ اصول ہے کہ خاص واقعہ کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔

(۲) اس حدیث سے تکبیر تحریمہ کے وقت اور وتر کی نماز میں اور عیدین کی نماز میں ہر ایک میں رفع الیدین کی ممانعت ثابت ہوئی اگر رفع یدین سکون کے منافی ہوتا تو تکبیر تحریمہ کے وقت بھی ممنوع ہوتا۔

جواب:- جس موقع پر حضور ﷺ یا صحابہ کرام کے تعامل سے جو حکم یا عمل ثابت ہے اس موقع پر وہی سنت یا مستحب ہے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین پر اتفاق ہے عیدین کی نمازوں میں رفع یدین بالاتفاق حدیث سے ثابت ہے اور وتر کی تیسری رکعت میں رفع یدین تعامل صحابہ سے ثابت ہے اس لئے ان مواقع پر رفع یدین ممنوع نہیں بلکہ سنت یا مستحب ہے۔

(۳) کیا وجہ ہے کہ امام مسلم نے اس کو تشہد کے باب میں پیش کیا ہے؟

جواب:- مؤلف کسی حدیث کو اپنے خاص مقصد کو حاصل کرنے کیلئے کسی باب کے تحت لاتا ہے یہ اس کی اپنی حکمت ہے اسلئے اگر کوئی بھی مؤلف کسی بھی حدیث کو کسی بھی باب کے تحت پیش کرے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس حدیث کو کسی دوسرے مسئلہ کے استنباط کیلئے دلیل نہیں بنا سکتے اسلئے کسی بھی حدیث کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ فلاں باب کے تحت

لائی گئی ہے اسلئے اس سے صرف مسئلہ باب ہی اخذ کیا جائے دوسرا نہیں تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔

رہ گیا مذکورہ حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ امام مسلمؒ نے اسے باب تشہد میں پیش کیا ہے یہ مسلم شریف سے لاعلمی کا نتیجہ ہے کیونکہ امام مسلمؒ نے بذات خود سرے سے کوئی ترجمہ باب ہی مقرر نہیں کیا بلکہ ان تراجم ابواب کو ان کے بعد امام نوویؒ نے قائم کیا اسلئے یہ اعتراض ہی بودا ہے

(۴) کیا حضور ﷺ نے صحابہ کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا کہ نماز میں سرکش گھوڑوں کی طرح ہاتھ کیوں اٹھاتے ہو؟ جبکہ یہی عمل تکبیر تحریمہ کے وقت کیا جاتا ہے یہ کیسے ممکن کہ جو عمل حضور ﷺ خود کرتے ہوں صحابہ کو کرتے دیکھ کر اتنے سخت الفاظ سے منع فرمایا ہو۔

جواب :- حضور ﷺ نے صحابہ کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا کہ نماز میں سرکش گھوڑوں کی طرح ہاتھ کیوں اٹھاتے ہو؟ یہ جملہ صحیح مسلم کی حدیث کا ہے اور اسکی سند میں کوئی کلام نہیں، نہ اس کا کوئی راوی وضاع ہے، تو اس جملہ پر شک کیوں کر ہو سکتا ہے؟ ”یہ کیسے ممکن ہے کہ جو عمل حضور ﷺ خود کرتے ہوں صحابہ کو کرتے دیکھ کر اتنے سخت الفاظ سے منع فرمایا ہو“ یہ اعتراض نہ صرف حدیث پر اعتراض ہے بلکہ آپ ﷺ کے قول پر اعتراض ہے۔ کسی مومن کیلئے جائز نہیں کہ اگر آپ ﷺ کا کوئی قول اس کے مسلک یا اس کے منشاء کے خلاف ہو تو اس پر اعتراض کرے، اسلئے یہ اعتراض باطل ہے۔

● حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ وَبَعْدَ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَلَا يَرْفَعُ وَلَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ . ترجمہ :- سالم بن عبد اللہ اپنے والد (عبد اللہ بن عمرؓ) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھے کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد تو ہاتھ نہیں اٹھاتے، اور نہ دونوں سجدوں کے درمیان (مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۷۷)۔

استدلال پر اعتراضات: اس حدیث کے سلسلے میں یہ اعتراض ہے کہ ”فلا“ اور ”و“ انہنوں میں نہیں ہے اور یہ بھی الزام ہے کہ اسمیں تحریف کردی گئی ہے۔

جواب :- یہ تمام الزامات غلط ہیں اس سلسلہ کیساتھ مسند حمیدی کے نسخے کی فوٹو کاپی منسلک ہے جس میں صاف صاف مذکور الفاظ موجود ہیں اور اسکی طباعت کیلئے کیسی کیسی احتیاط اور کاوشیں کی گئیں ہیں اس کا ذکر بھی منسلک مضمون میں مذکور ہے ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

● عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ بِهِمَا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ وَبَعْدَ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَا يَرْفَعُهُمَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ وَلَا يَرْفَعُ بَيْنَ

السَّجْدَتَيْنِ وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ **ترجمہ:** حضرت سالم اپنے والد (عبداللہ ابن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے اور ان میں سے بعض نے کہا، کندھوں تک، اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ان دونوں کو نہیں اٹھاتے، اور انکے بعض نے کہا کہ اور سجدوں کے درمیان نہیں اٹھاتے، اور معنی ایک ہے۔ (صحیح ابوعوانہ ج ۲ ص ۹۰)

استدلال پر اعتراضات: ابوعوانہ نے یہ حدیث باب رفع الیدین میں پیش کی ہے اور اس سے رفع یدین کرنا مطلب نکلتا ہے ترک رفع یدین کا نہیں۔

جواب: یہ حدیث بھی اصح الاسانید میں سے ہے اور پہلی بات تو یہ کہ ”لَا يَرْفَعُهُمَا“ اور ”لَا يَرْفَعُ“ یہ دونوں سجدوں کے لئے آیا ہے تو ”لَا يَرْفَعُ“ میں ”و“ ہے اور ”لَا يَرْفَعُهُمَا“ میں ”و“ نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”لَا يَرْفَعُهُمَا“ اپنے ماقبل کے جملے کے ساتھ لگا ہوا ہے مابعد کے ساتھ نہیں نہیں تو ”لَا يَرْفَعُهُمَا“ کے ساتھ بھی ”و“ لگا ہوتا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ ابوعوانہ نے یہ حدیث باب رفع الیدین میں پیش کی ہے اس کا مطلب یہی نکلتا ہے تو مسند ابوعوانہ ہی میں ج ۲ ص ۵۶ میں بَابُ فِي النِّهْيِ عَنْ مَنَعِ النِّسَاءِ ہے لیکن اس باب میں حضرت عائشہؓ کی روایت ترجمہ باب سے خلاف بھی لائی ہے۔

● حَدَّثَنَا ابْنُ وَهَبٍ وَابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ. **ترجمہ:** حضرت سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے تھے۔ (مدونہ کبریٰ ج ۱ ص ۷۱)۔

استدلال پر اعتراضات: (۱) ابن قاسم کے علاوہ کسی نے بھی امام مالکؒ سے ترک رفع یدین کی روایت نہیں کی۔

(۲) ہر ایک نے عبداللہ بن عمرؓ سے صرف رفع یدین کی روایت بیان کی ہے۔

جوابات: (۱) درج بالا سند میں خود ابن قاسم کی متابعت ابن وہاب نے کی ہے نیز دوسری احادیث میں بھی حضرت مالک کی متابعت عبداللہ بن عون الخراز وغیرہ نے کی ہے اسلئے ابن قاسم کو اس سلسلے میں منفرد کہنا بجا نہیں (۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بہت سی روایات ابوعوانہ میں چار سندوں کیساتھ وغیرہ میں ترک رفع یدین کی روایات منقول ہیں۔ خود حضرت عبداللہ کا فعل ترک رفع یدین صحیح سند کیساتھ ابن ابی شیبہ میں منقول ہے کہ یہ تمام شہادتیں اس بات پر استدلال کرتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رفع یدین کی روایات بھی منقول ہیں اور صرف اپنے مسلکی تعصب کی بناء پر ہر ایک روایت پر اعتراض بجا نہیں۔

ترک رفع یدین عند الركوع کی صریح روایات: ● حَدَّثَنَا هَنَادٌ نَاوَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُثَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ: لَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ

رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ **ترجمہ:** حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا میں تمہیں حضور اکرم ﷺ جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین کرنے کے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین نہیں فرمایا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب مَنْ لَمْ يَذْكُرِ الرَّفْعَ عِنْدَ الرُّكُوعِ ج ۱ ص ۱۰۹، ترمذی ابواب الصلوٰۃ، باب رَفَعَ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوعِ ج ۱ ص ۵۹، نسائی کتاب الصلوٰۃ، باب رَفَعَ الْيَدَيْنِ وَالرُّخْصَةُ فِي تَرْكِ ذَلِكَ ج ۱ ص ۱۶۱) صاحب آثار السنن نے کہا ہے وَهُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔

استدلال پر اعتراضات: (۱) غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی یہ حدیث ترک رفع یدین کے سلسلہ میں صریح ہے اور صحیح بھی ہے بلکہ آپ کی اطلاع کیلئے یہ عرض ہے کہ ابوداؤد کی سند شرط صحیحین پر ہے۔ ابوداؤد کی سند دو طریق سے ہے ایک طریق تو درج ذیل ہے۔
حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَائِمًا وَبَنُو عَمْرٍو وَأَبُو حَظِيْفَةَ قَالُوا أَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عُلُقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْعُودٍ.
اور دوسرے طریق کی سند اس طرح ہے۔

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَائِمًا وَبَنُو عَمْرٍو وَأَبُو حَظِيْفَةَ قَالُوا أَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كَلْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عُلُقَمَةَ.

وکیچ اس روایت میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ابن مبارک اور ان کے سوا دوسروں نے ان کی متابعت کی ہے۔

عاصم بن کلیب: ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور خود امام مسلم نے صحیح مسلم میں ان سے روایت لی ہے۔

عبد الرحمن بن الاسود: ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انتقال کیا انہوں نے ۹۹ھ میں اور وہ ابراہیم نخعی کے ہم عمر ہیں۔

نسائی کی ایک سند اس طرح ہے۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمَرْوَزِيِّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ

بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عُلُقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ..... الخ

(۲) اس حدیث کے سلسلے میں یہ اعتراض کیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک نے کہا ہے کہ رفع یدین کی حدیث ثابت ہے اور ترک رفع یدین کی ثابت نہیں ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں ترمذی شریف باب رفع الیدین کا ایک جملہ پیش کیا جاتا ہے حالانکہ ترمذی شریف میں عبداللہ بن مبارک کا پورا قول اس طرح درج ہے، "قَدْ ثَبَتَ حَدِيثٌ مَنْ يَرْفَعُ وَذَكَرَ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَرْفَعْ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ"

ترک رفع یدین کے ضمن میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی دو حدیثیں منقول ہیں۔

ایک تو اَلَا أُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلَّيْ فَلَمْ يَرْفَعْ اِلَّا فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ۔

جس کو ترمذی، ابوداؤد، اور نسائی تینوں نے روایت کیا ہے اور نسائی، ابوداؤد نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ دوسری روایت اس طرح ہے ”اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَرْفَعْ اِلَّا فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ“ اس روایت کے باریکیں عبداللہ ابن مبارک نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ (آثار السنن مع التعلیق الحسن) جب کہ پہلی روایت کے راوی خود عبداللہ ابن مبارک ہیں اور نسائی کی اصح سند سے مروی ہے۔ (مزید تفصیل کیلئے بحث ملاحظہ ہو آثار السنن مع التعلیق الحسن حاشیہ میں ص ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، اعلاء السنن حاشیہ پر ص ۳ ص ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱)

آثار:-

حضرت عمر ابن خطابؓ کی روایت:- ☆ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عِيَّاشٍ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ حُسَيْنٍ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ تَرْجُمُهُ:- حضرت اسودؓ سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن خطابؓ کو پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، باب التَّكْبِيْرَاتِ ج ۱ ص ۱۵۶، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ، باب مَنْ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْذُ ج ۲ ص ۴۱۷)

(بحث ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۲۰۹، ۲۱۰، اعلاء السنن ج ۳ ص ۶۲)

حضرت علیؓ کی روایت:- ☆ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَطَافٍ النَّهْشَلِيِّ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَلِيًّا كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ مِنَ الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ بَعْدَ تَرْجُمُهُ:- حضرت عاصم بن کلیبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز میں پہلی تکبیر میں (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین فرماتے تھے پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، باب التَّكْبِيْرَاتِ ج ۱ ص ۱۵۴، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ، باب مَنْ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْذُ ج ۲ ص ۴۱۶، سنن الکبریٰ للبیہقی کتاب الصلوٰۃ، مَنْ لَمْ يَذْكُرِ الرَّفْعَ اِلَّا عِنْدَ الْاَوَّلِ فَتَيَا ج ۲ ص ۸۰)

(بحث ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۲۱۱، ۲۱۲، اعلاء السنن ج ۳ ص ۶۳، ۶۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ:- ☆ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عِيَّاشٍ عَنْ حُصَيْنٍ وَعَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ بْنِ عُمَرَ فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا فِيْ التَّكْبِيْرَةِ الْاُولَى مِنَ الصَّلَاةِ تَرْجُمُهُ:- حضرت مجاہدؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عمر کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ چنانچہ آپ ﷺ صرف نماز کی ابتدا میں پہلی تکبیر (تحریمہ) کے وقت رفع یدین فرماتے تھے۔ (طحاوی کتاب الصلوٰۃ، باب التَّكْبِيْرَاتِ ج ۱ ص ۱۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ، باب مَنْ كَانَ يَرْفَعُ

يَدِيهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ ج ۲ ص ۴۱۷، معرفة السنن والآثار للبيهقي كتاب الصلوة ج ۲ ص ۴۲۹

(بحث ملاحظہ ہو آثار السنن حاشیہ ص ۲۱۲، ۲۱۳، اعلاء السنن ج ۳ ص ۶۳، ۶۵، بحث سلسلہ نمبر ۴)

☆ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَاةِ إِلَّا فِي الْإِفْتِيحِ - ترجمہ: حضرت ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نماز میں تکبیر تحریرہ کے علاوہ کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

(طحاوی کتاب الصلوة، باب التَّكْبِيرَاتِ ج ۱ ص ۱۵۶، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوة، باب مَنْ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ ج ۲ ص ۴۱۶) (بحث ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۲۱۲، ۲۱۳، اعلاء السنن ج ۳ ص ۶۶، ۶۷)

☆ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَأَبُو أُسَامَةَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللَّهِ وَأَصْحَابُ عَلِيٍّ لَا يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَّا فِي الْإِفْتِيحِ الصَّلَاةِ قَالَ وَكِيعٌ ثُمَّ لَا يَعُودُونَ. - ترجمہ: حضرت ابواسحاق سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علیؑ کے شاگردانِ رشید صرف شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے وکیع نے کہا اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوة ج ۱ ص ۱۳۸) (بحث ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۲۱۲، ۲۱۳، اعلاء السنن ج ۳ ص ۶۶)

☆ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ فَلَمْ يَرْفَعْ أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ الْإِفْتِيحِ الصَّلَاةِ - ترجمہ: حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ اور حضراتِ شیخین کی اقتداء میں نماز ادا کی یہ حضرات صرف شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے اور بس۔

عبداللہ ابن مسعودؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، (دیکھئے کفایہ علی الہدایہ ج ۱ ص ۲۷۱ ایضاح الادلہ ص ۷۱، ۷۲)

مَا أَخْرَجَ أَبُو دَاوُدَ عَنْ مَيْمُونِ الْمَكِّيِّ: ☆ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا ابْنُ لَهْيَعَةَ عَنْ أَبِي هُبَيْرَةَ عَنْ مَيْمُونِ الْمَكِّيِّ أَنَّهُ رَأَى عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ صَلَّى بِهِمْ يُشِيرُ بِكَفَيْهِ حِينَ يَقُومُ وَحِينَ يَرْكَعُ وَحِينَ يَسْجُدُ وَحِينَ يَنْهَضُ لِلْقِيَامِ فَيَقُومُ فَيُشِيرُ بِيَدَيْهِ، فَأَنْطَلَقْتُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ إِنِّي رَأَيْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ صَلَّى صَلَاةً لَمْ أَرَأَ أَحَدًا يُصَلِّيُهَا، فَوَصَفْتُ لَهُ هَذِهِ الْإِشَارَةَ، فَقَالَ: إِنْ أَحْبَبْتَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَاقْتَدِ بِصَلَاةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ - (ابوداؤد باب الْإِفْتِيحِ الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۰۸)

(ابوداؤد نے میمون مکی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اس طرح نماز پڑھاتے ہوئے دیکھا کہ وہ اپنی ہتھیلیوں سے اشارہ کر رہے تھے کھڑے ہوئیے وقت اور رکوع اور سجدہ کرئیے وقت، اور سجدہ سے کھڑے ہوئیے وقت، کھڑے ہو کر اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے، پس میں عبداللہ بن عباسؓ کے پاس گیا، اور میں نے عرض کیا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا کہ کسی کو نہ دیکھا تھا، پھر میں نے ان سے اس اشارہ کو بیان کیا، حضرت

عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھنا چاہو تو عبداللہ بن زبیر کی نماز کی اقتداء کرو جملہ ”لَمْ أَر أَحَدًا يُصَلِّهَا“ بشرط فہم اس جانب مشیر ہے کہ اس زمانہ میں بھی عدم رفع شائع و ذائع، اور رفع یدین شاذ و قلیل الوجود تھا، اور اس سے بظاہر نسخ مفہوم ہوتا ہے، ورنہ امر مسنون کو بلا وجہ یک لخت چھوڑ دینا اس زمانہ کے آدمیوں سے نہیں ہو سکتا، اور ترک رفع کیلئے احتمال نسخ بھی کافی ہے، ہم مدعی نسخ نہیں جو دلیل قاطعہ دربارہ نسخ ہم کو پیش کرنی ضروری ہو، کیونکہ امر احتیاطی کے واسطے دلیل احتمالی بھی کافی ہے، کما مقرر، باقی رہا ارشاد عبداللہ بن عباسؓ اس سے فقط یہ معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین فعل نبوی ہے، سو فقط اتنی بات میں کس کا کلام ہے؟ غایت مافی الباب حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی نسخ کے منکر ہوں گے، مگر سب جانتے ہیں کہ مثبت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے۔

علیٰ هذا القیاس قول عبداللہ بن مسعود: رَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَرَفَعْنَا، وَتَرَكَ فَتَرَكْنَا (رسول اللہ ﷺ نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی کیا، اور آپ ﷺ نے چھوڑ دیا تو ہم نے بھی چھوڑ دیا) اور قول عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، نسخ و ترک رفع پر دال ہیں، اور اگر بوجہ تعصب اقوال فقہاء کا اعتبار نہیں تو طبرانی و مصنف ابن ابی شیبہ و رسالہ امام بخاری و طحاوی وغیرہ کو ملاحظہ فرمائیے، بعض احادیث مرفوعہ و موقوفہ و آثار متعددہ ہمارے مؤید مدعا موجود ہیں، جن سے بشرط انصاف اذ لویت عدم رفع ثابت ہوتی ہے، امام عینیؒ و حلبی شارح منیہ وغیرہ نے بھی ان میں سے بعض نقل کئے ہیں۔

تحقیق مسئلہ مذکورہ:- جب غیر مقلدین رفع یدین عند الركوع اور تیسری رکعت کے شروع کو سنت کہتے ہیں اور اسکے خلاف کو جائز نہیں سمجھتے تو انہیں چاہئے کہ رفع یدین مذکورہ کا اصل سنت ہونا ثابت کریں۔ اور اصولاً یہ بات اسی وقت ثابت ہو سکتی ہے جب دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ثابت کی جائے۔ (۱) یا تو دوام رفع یدین ثابت کیا جائے یعنی یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ مقامات مذکورہ پر ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے (۲) یا کم از کم یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کی بالکل آخری نماز میں مقامات مذکورہ پر رفع یدین کیا تا کہ نسخ کا احتمال ختم ہو جائے۔ کیونکہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے بغیر مدعا ثابت نہیں ہو سکتا اور ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کیلئے بھی غیر مقلدین کے پاس بطور دلیل، ایک بھی صحیح صریح حدیث نہیں ہے۔

رفع یدین عند الركوع کی روایات کا جائزہ:- رفع یدین عند الركوع کے سلسلہ میں غیر مقلدین جتنی روایات پیش کرتے ہیں ان سے صرف اثبات رفع یدین ثابت ہوتا ہے بقائے سنت رفع یدین نہیں ثابت ہوتا اسلئے بطور استدلال سب رد ہیں پھر آثار و اقوال پیش کر نیکا انہیں حق نہیں ہے کیونکہ وہ غیر مقلدین میں سے ہیں۔ اسکے بعد بقائے سنت رفع عند الركوع کیلئے ان کے پاس کوئی ایک بھی صحیح روایت نہیں ہے جس سے دوام ثابت ہو۔ جو روایات غیر مقلدین دوام رفع کیلئے پیش کرتے ہیں وہ سب ضعیف ہیں بلکہ موضوع کے درجہ تک ہیں اسلئے سب رد ہیں۔ چنانچہ رکوع سے پہلے اور رکوع

کے بعد اور تیسری رکعت کے شروع کے رفع یدین کا اصل سنت اور اسکے خلاف جائز نہ ہونے کا ان کا دعویٰ رد ہے۔

ترک رفع یدین کی روایات کا جائزہ: ترک رفع یدین کی دلیل میں احناف کے پاس دو قسم کی روایات ہیں۔ ایک تو غیر صریح روایات۔ ان میں حضرت جابر بن سمرہؓ کی صحیح مسلم کی روایت۔ نیز مسند حمیدی، صحیح ابو عوانہ، مدون کبریٰ کی روایات۔ دوسری قسم کی وہ روایات ہیں جو ترک رفع یدین پر صریح ہیں۔ ایک تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت جس کی سند شرط مسلم پر ہے۔ اور آثار جن کی اسناد صحیح ہیں۔

احناف کے نزدیک ”ترک رفع یدین“ مستحب ہے۔ اور مستحب کیلئے ضعیف حدیث یا اقوال و افعال سلف حجت ہیں۔ احناف کے ترک رفع یدین کے دعوے کیلئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مرفوع روایت جو کہ ”صحیح“ ہے، حجت ہے۔ جبکہ اگر ”ضعیف“ بھی ہوتی تو مستحب کی دلیل کیلئے کافی تھی۔ کیونکہ غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح صریح روایت موجود نہیں ہے۔ غیر صریح روایات سے صرف یہ ”قیاس“ ہو سکتا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ رفع یدین اب بھی باقی ہو۔ اور ان کے قیاس کے مقابلے میں صحیح صریح حدیث موجود ہے۔ اگر ضعیف بھی ہوتی تو قیاس کے مقابلے میں حجت ہے چہ جائیکہ صحیح ہے۔ مزید برآں یہ کہ صحیح سند کے ساتھ صریح آثار بھی موجود ہیں جو ترک رفع یدین کے استحباب میں حجت ہونے کیلئے کافی ہیں۔

ترک رفع یدین کے استحباب کے قائلین کے پاس متعدد روایات صحابہ بحکم مرفوع اور صحیح سند سے آثار موجود ہیں جو ترک رفع یدین کے مستحب ہونے کیلئے کافی ہیں۔

دعویٰ اتحاد کا عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کو نے میں پہچان لیا جائے گا کہ یہ حنفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لانے والے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔ غیر مقلدین میں ایسے گروہ موجود ہیں جو صرف رکوع کے وقت رفع یدین کو سنت کہتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو رکوع کیساتھ ساتھ سجدے کے وقت رفع یدین کو بھی سنت کہتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو ہر اونچ نیچ پر رفع یدین کو سنت کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے اور تقلید میں نظم و ضبط ملت ہے۔

سوالات

(۱) ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے کہ آپ ﷺ نے رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کا حکم دیا ہو۔

(۲) اگر غیر مقلدین رکوع کے وقت رفع یدین کی سنت کے قائل ہیں تو دوام رفع یدین کی صحیح صریح احادیث پیش کریں؟

(۳) نیز کس دلیل سے رکوع کے علاوہ دیگر مقامات پر رفع یدین کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں دلیل پیش کریں؟

سجدے میں جانے اور سجدے سے اٹھنے کی کیفیت

غیر مقلدین :- غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے زمین پر دونوں ہاتھ پہلے ٹیکے اس کے بعد گھٹنے۔
احناف :- احناف کا موقف یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے گھٹنوں کو زمین پر پہلے ٹیکے اس کے بعد دونوں ہاتھ۔

غیر مقلدین کے دلائل

● حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي الزَّوَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكُوبِهِ . **ترجمہ :-** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے اور چاہئے کہ رکھے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے۔
(ابوداؤد باب كَيْفَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ ج ۱ ص ۱۲۲)

صاحب آثار السنن نے کہا کہ اس حدیث میں علت ہے۔

اس روایت کو نقل کیا مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۱، ابوداؤد باب كَيْفَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ ج ۱ ص ۱۲۲، نسائی باب أَوَّلُ مَا يَصِلُ إِلَى الْأَرْضِ مِنَ الْإِنْسَانِ فِي سُجُودِهِ ج ۱ ص ۱۶۵، دارمی ج ۱ ص ۳۰۳، دارقطنی ج ۱ ص ۳۴۴، بیہقی ج ۲ ص ۹۹/۱۰۰ وغیرہ نے۔

استدلال پر اعتراضات :- آثار السنن ج ۱ ص ۲۲۵ حاشیہ پر ہے کہ حدیث ابو ہریرہؓ معلول ہے ترمذی نے کہا ہے کہ حدیث ابو ہریرہؓ غریب ہے کیونکہ ہم حدیث ابو ہریرہؓ کو صرف اسی طریق سے یعنی ابو الزناد کے طریق سے جانتے ہیں اور امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ محمد بن عبد اللہ الحسن ان کا کوئی متابع نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ محمد بن عبد اللہ الحسن نے ابو الزناد سے سنا ہے یا نہیں۔ غرض حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ”صحیح“ نہیں ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک حجت صرف صحیح حدیث ہے اس لئے ان روایات سے استدلال ناقابل قبول ہے۔

غیر مقلدین کی کتاب صلوٰۃ الرسول میں ”سجدے کی معراج“ کے عنوان کے تحت تحریر ہے کہ اس حدیث میں اونٹ کی طرح بیٹھنے کی ممانعت ہے۔ اور اونٹ بیٹھتے وقت پہلے ہاتھ رکھتا ہے، اور اس حدیث میں پہلے ہاتھ رکھنے کا حکم ہے۔ اخیر حدیث اول کے مخالف ہوئی۔ آگے تحریر فرماتے ہیں کیونکہ اونٹ کے بیٹھنے میں کئی باتیں ہیں۔ (۱) دونوں ہاتھوں کا پہلے رکھنا (۲) دونوں ہاتھوں پر زور دینا (۳) دونوں پاؤں کھڑے رکھنا۔ تو ممانعت ان سب اوصاف سے ہے۔ الحاصل ترجیح پہلی حدیث کو ہے یعنی حضرت وائل ابن حجرؒ کی حدیث، ابوسلیمان خطابیؒ نے فرمایا ہے کہ ”وائل

بن حجر کی حدیث بہت ثابت ہے اس حدیث سے۔ پس اکثر عمل حدیث وائلؓ پر چاہئے۔“

ابن قیمؒ نے حدیث ابو ہریرہؓ کو جسمیں ہاتھ پہلے رکھنے کا ذکر ہے، مقلوب کہا ہے، اور کہا ہے کہ اصل حدیث یوں تھی ”وَلْيَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ“ یعنی وہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے اور اس سے متعلق انہوں نے طویل کلام کیا ہے۔ ملاحظہ ہو زاد المعاد (ج ۱ ص ۲۲۳)

اور دیگر روایات جو غیر مقلدین پیش کرتے ہیں وہ سب حدیث ابو ہریرہؓ سے زیادہ ضعیف ہیں اور انہیں بطور شواہد پیش کرتے ہیں۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۲۲۵..... تا ۲۲۷، اعلیٰ السنن ج ۳ ص ۳۸..... تا ۵۲ اور تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۸۲..... تا ۲۸۶)

احناف کے دلائل

● حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَحُسَيْنُ بْنُ عِيسَى قَالَا نَايِزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنَا شَرِيْكُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ وَاثِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَاِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ (رواہ ابوداؤد باب كَيْفَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ ج ۱ ص ۱۲۲) ترجمہ:- حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب سجدہ فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو رکھنے سے پہلے اپنے دونوں گھٹنے رکھتے اور سجدے سے اٹھتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اپنے گھٹنوں کو اٹھانے سے پہلے۔ (ابوداؤد باب كَيْفَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ ج ۱ ص ۱۲۲، ترمذی باب مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ قَبْلَ الرُّكْبَتَيْنِ ج ۱ ص ۶۱، نسائی باب اَوَّلُ مَا يَصِلُ اِلَى لَا رُضْرٍ مِنَ الْاِنْسَانِ فِي سُجُوْدِهِ ج ۱ ص ۱۶۵، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۴۹، طحاوی ج ۱ ص ۱۵۰، طبرانی فی الکبیر ج ۲ ص ۴۰، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۹۸، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۲۲۹، جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۱۰)

فائدہ: سجدہ میں جانے کا مذکورہ طریقہ عین مطابق سنت ہے۔ حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث کو محدثین کرام نے رائج قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ خطابیؒ نے فرمایا: حَدِيثُ وَاثِلِ بْنِ حُجْرٍ اَرْجَحُ مِنْهُ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۸۴) اسی طریقہ سے حافظ ابن القیمؒ جوڑی نے اس حدیث کو رائج قرار دیا ہے۔ قَالَ الْعَلَّامَةُ الشَّوْكَانِيُّ فِي النَّيْلِ وَاَمَّا الْحَافِظُ بْنُ الْقَيْمِ فَقَدْ رَجَّحَ حَدِيثُ وَاثِلِ بْنِ حُجْرٍ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۸۴)

علامہ بغویؒ نے اس حدیث کو رائج قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ بعض علماء نے زمین پر پہلے ہاتھ رکھنے کو منسوخ قرار دیا ہے اور بطور دلیل ایک اثر بھی نقل کیا ہے۔ حضرت مصعب بن سعدؓ سے منقول یہ کہ ہم لوگ گھٹنوں سے قبل ہاتھوں کو رکھتے تھے تو ہم کو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھنے کا حکم دیا گیا۔ قَالَ أَبُو سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ حَدِيثُ وَاثِلِ بْنِ حُجْرٍ اثْبَتَ مِنْ هَذَا وَزَعَمَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ أَنَّ هَذَا مَنْسُوخٌ وَرَوَى فِيهِ خُبْرًا عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كَهْمَلٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كُنَّا نَضَعُ

الْيَدَيْنِ قَبْلَ الرُّكْبَتَيْنِ فَأَمْرًا بِالرُّكْبَتَيْنِ قَبْلَ الْيَدَيْنِ (شرح السنن ج ۲ ص ۲۸۵)

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت، سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنوں کو ٹیکنے اور پھر ہاتھ ٹیکنے کی دلیل تو ہے ہی ساتھ ہی ساتھ مصنف عبد الرزاق کا اثر بھی موجود ہے وہ یہ کہ سجدہ میں اس طرح جانا چاہئے کہ پہلے اپنے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے جائیں پھر اپنے دونوں ہاتھ رکھے جائیں پھر چہرہ۔ اور جب سجدہ سے اٹھنا ہو تو پہلے چہرہ اٹھائیں پھر ہاتھ پھر گھٹنے اٹھائے جائیں۔ ہکذا رَوَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَسَارٍ: عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ كَهْمَسٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَسَارٍ. (مصنف عبد الرزاق باب كَيْفَ يَقَعُ سَاجِدًا وَتَكْبِيرُهُ وَكَيْفَ يَنْهَضُ مَنْ مَثَبُ مِنَ السُّجُودِ ج ۲ ص ۱۷۷)

سجدہ سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا زمین پر ٹیکنا منع ہے

غیر مقلدین: غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ کھڑے ہوتے وقت (قیام کی حالت میں آتے وقت) دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھنا سنت ہے۔

احناف:۔ احناف کا موقف یہ ہے کہ سجدہ سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا زمین پر ٹیکنا عذر کی وجہ سے ہے سنت اصلی نہیں ہے

غیر مقلدین کے دلائل

عَنْ مَا لِكَ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ عَنِ السُّجْدَةِ الثَّانِيَةِ جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ قَامَ **ترجمہ:**۔ حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر ٹیک لگا کر پھر کھڑے ہوتے۔ (بخاری باب كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْأَرْضِ إِذَا قَامَ مِنَ الرُّكْعَةِ ج ۱ ص ۱۱۴)

ایوب السخیتیانی عن ابی قلابہؓ کی روایت بھی بخاری میں ہے۔

استدلال پر اعتراضات:۔ مذکورہ روایات کبر سنی پر محمول ہے جیسا کہ نصب الراية ج ۱ ص ۳۸۹ پر ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیان جواز کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔

فائدہ:۔ اٹھتے وقت دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکتے ہوئے مٹھیاں بند رکھیں جیسا کہ حدیث ابن عمرؓ میں رسول اللہ ﷺ کا فعل مذکور ہے اور اس حدیث کو حربی نے ”غریب الحدیث“ میں روایت کیا ہے۔ اس بارے میں ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ یہ حدیث غیر صحیح اور غیر معروف ہے اس سے حجت لینا جائز نہیں۔ نووی نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف یا باطل اور بے اصل ہے۔ (تلخیص الجبیر ج ۱ ص ۲۶۰) (تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۹۹ ص ۳۰۰)

غیر مقلدین جس حدیث کو استدلال میں پیش کرتے ہیں اس حدیث کے متعلق صاحب اعلاء السنن فرماتے ہیں کہ سعید بن منصورؒ کی وہ روایت جو حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے ضعیف سند کیساتھ منقول ہے اور ابن مسعودؓ سے حسن سند کیساتھ منقول ہے غیر مقلدین کی پیش کردہ دلیل (یعنی حضرت ابو قلابہؓ والی حدیث) کے معارض ہے کیونکہ ابو ہریرہؓ اور ابن مسعودؓ

کی حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز میں (سجدوں کے بعد) بچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ اور جس روایت کو ایوب سختیانی نے ابو قلابہ کے طریق سے روایت کیا ہے، وہ کبر سنی پر محمول ہے، یا ایسا آپ نے بیان جواز کے لئے کیا تھا۔ اور اٹھتے وقت ٹیک لگا کر اٹھنے کی ممانعت میں ابن عمرؓ کی حدیث صریح موجود ہے۔

لہذا صریح حدیث کی موجودگی میں غیر مقلدین کی پیش کردہ وہ روایت جس کی بنیاد ایوب سختیانی عن ابی قلابہ ہے پر عمل نہیں کیا جائیگا کیونکہ اس حدیث میں احتمال ہے عذر کا یا بیان جواز کا اور قاعدہ ہے ”اِذَا جَاءَ الْاِخْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ“ کہ جہاں احتمال آجائے وہاں استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ اور غیر مقلدین کے نزدیک آثار حجت نہیں ہیں۔ ان تمام وجوہات کی بناء پر غیر مقلدین کا دعویٰ ”سجدہ سے اٹھتے وقت ٹیک لگا کر اٹھنا سنت ہے“ رد ہے۔

احناف کے دلائل

سجدہ سے اٹھتے وقت ٹیک لگا کر اٹھنا سنت نہیں ہے اس سلسلہ میں احناف چار صحابہ کرام سے روایت پیش کرتے ہیں (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۲) حضرت وائل بن حجرؓ (۳) حضرت علیؓ (۴) حضرت ابو ہریرہؓ اور متعدد آثار نقل کرتے ہیں۔

(۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَتَعَمَّدَ الرَّجُلُ عَلَى يَدَيْهِ إِذَا نَهَضَ فِي الصَّلَاةِ **ترجمہ:-** حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں کو ٹیک لگا کر اٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد باب كَرَاهِيَةِ الْاِغْتِقَادِ عَلَى الْيَدِ فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۴۲، اعلاء السنن ج ۳ ص ۵۳)

(۲) عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَضَ نَهَضٌ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَاعْتَمَدَ عَلَى فَخْذَيْهِ **ترجمہ:-** یعنی حضور اکرم ﷺ جب قیام فرماتے تو اپنے گھٹنوں کے بل زانو پر سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے۔

(ابوداؤد باب كَيْفَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ ج ۱ ص ۱۲۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۹۹، نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۰۰) جیسا کہ علامہ ابن القیمؒ نے بھی زاد المعاد میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اپنے زانو پر سہارا لیتے ہوئے بغیر دونوں ہاتھوں کو

زمین پر ٹیکے ہوئے اٹھتے تھے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۶۱)

فائدہ:- مذکورہ دونوں حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ مسنون طریقہ یہی ہے کہ جب سجدے سے اٹھا جائے تو اٹھتے وقت

زمین پر ہاتھوں سے سہارا نہ لیا جائے۔ بلکہ زانوں پر سہارا لے کر اٹھا جائے، آپ ﷺ کا معمول یہی تھا۔ جن روایتوں میں

زمین پر سہارا لینا ثابت ہے وہ یا تو عذر کی بناء پر تھا یا آپ ﷺ نے بیان جواز کیلئے ایسا فرمایا ہے (اعلاء السنن ج ۳ ص ۵۷)

جیسا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے:- (۳) عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي

الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ إِذَا نَهَضَ الرَّجُلُ فِي الْاَوَّلَيْنِ أَنْ لَا يَتَعَمَّدَ يَدَيْهِ عَلَى اَلرَّضِ اِلَّا أَنْ يَكُنْ شَيْخًا

كَبِيرًا لَا يَسْتَطِيعُ **ترجمہ:-** حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: نماز میں سنت یہ ہے کہ آدمی پہلی دو رکعتوں

میں زمین پر ہاتھ نہ ٹیکے، الا یہ کہ وہ بہت بوڑھا ہو جسے اس کے بغیر اٹھنے کہ ہمت نہ ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ فی الرُّجُلِ يَعْتَمِدُ عَلَى يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ ج ۳ ص ۳۳۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۶)

(۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ. **ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نماز میں (سجدوں کے بعد) پنچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (ترمذی باب كَيْفَ التَّهَوُّضُ مِنَ السُّجُودِ، بَابُ مَنْهُ ج ۱ ص ۶۲، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۱۲۲، جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۱۲)

آثار: ☆ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ. **ترجمہ:** حضرت عبدالرحمن بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز میں اپنے پنچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ مَنْ كَانَ يَنْهَضُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ ج ۳ ص ۳۳۰) ☆ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ قَالَ: كَانَ عَلَى يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ. **ترجمہ:** حضرت عبید بن ابی جعدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نماز میں اپنے پنچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ مَنْ كَانَ يَنْهَضُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ ج ۳ ص ۳۳۰) ☆ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ. **ترجمہ:** حضرت عبدالرحمن بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز میں اپنے پنچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۳۰)

☆ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: رَأَيْتُهُ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ. **ترجمہ:** حضرت خثیمہؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنے پنچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ مَنْ كَانَ يَنْهَضُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ ج ۳ ص ۳۳۰)

☆ حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كَانَ ابْنُ أَبِي لَيْلَى يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ. **ترجمہ:** حضرت محمد بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن ابی لیلیٰؓ نماز میں اپنے پنچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ مَنْ كَانَ يَنْهَضُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ ج ۳ ص ۳۳۰)

☆ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرِ، عَنْ عِيسَى بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ: أَنَّ عُمَرَ وَعَلِيًّا وَأَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَانُوا يَنْهَضُونَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ أَقْدَامِهِمْ. **ترجمہ:** حضرت شعیبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نماز میں اپنے پنچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ مَنْ كَانَ يَنْهَضُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ ج ۳ ص ۳۳۰)

☆ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ

اِذَا سَجَدَ السَّجْدَةَ الثَّانِيَةَ قَامَ كَمَا هُوَ عَلَى صُذُورٍ قَدْ مَيَّهِ . ترجمہ :- حضرت وہب ابن کیسان فرماتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ ابن زبیرؓ کو دیکھا کہ جب وہ دوسرا سجدہ کرتے تھے تو اپنے پنچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ مَنْ كَانَ يَنْهَضُ عَلَى صُذُورٍ قَدْ مَيَّهِ ج ۳ ص ۳۳۱)

یہ تمام آثار اس بات پر دلیل ہیں کہ اکثر صحابہ کرامؓ کا عمل بغیر ہاتھوں کو ٹیکے ہوئے اپنے پنچوں کے بل کھڑے ہونے کا تھا۔ اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کھڑے ہوتے وقت ہاتھ ٹیکنے کا عمل سنت اصلی نہیں

مسئلہ جلسہ استراحت

پہلی اور تیسری رکعت کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا (قعدہ کرنا) اسکے بعد کھڑا ہونا اسے جلسہ استراحت کہتے ہیں۔

غیر مقلدین : غیر مقلدین کے نزدیک پہلی اور تیسری رکعت کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا (قعدہ کرنا) اسکے بعد دوسری یا چوتھی رکعت کیلئے کھڑا ہونا سنت ہے۔

احناف :- احناف اور جمہور کے نزدیک جلسہ استراحت سنت نہیں ہے بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ جلسہ استراحت عذر کی بناء پر تھا۔

غیر مقلدین کے دلائل

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نماز میں مقتدی کو پہلی رکعت کے دونوں سجدہ کرنے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا چاہئے (یعنی جلسہ استراحت کرنا چاہئے) اور اس کی بعد اٹھنا چاہئے اور اس کی دلیل میں چند روایات پیش کرتے ہیں۔

● ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَيَرْفَعُ وَيَثْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَنْهَضُ **ترجمہ :-** پھر حضور ﷺ اللہ اکبر کہتے ہوئے (دوسرے سجدے سے) اٹھتے اور موڑتے بائیں پاؤں اپنا اور بیٹھتے اس پر پھر کھڑے ہوتے۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۶۰۶ ابابُ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ، ترمذی بابُ مَا جَاءَ فِي وَصْفِ الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۶۷)

یہ روایت حضرت ابو حمید ساعدیؓ سے منقول ہے جسے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند و متن پر مختصر کلام ملاحظہ ہو۔

ابوداؤد کی سند میں ایک راوی عبد الحمید بن جعفر ہے انکے بارے میں ماردینی کہتے ہیں کہ وہ اپنی حدیث میں مطعون ہیں اور ایسا ہی یحییٰ بن سعید کہتے ہیں..... ان تمام وجوہات کی بناء پر یہ روایت اسناد و متن میں مضطرب ہے۔ (سنن ابوداؤد مع التعلیق المحمود ص ۱۰۶)

ترمذی کی سند میں محمد بن بشار ہیں ان کے بارے میں کلام ہے (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۷۰)

غرض روایت ”صحیح“ درجہ تک نہیں پہنچتی۔ اور غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ان کی دلیل صرف صحیح حدیث ہے اسلئے بطور استدلال ناقابل قبول ہے۔

تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۹۹ حاشیہ پر ہے ”اس جلسہ استراحت کا ذکر مالک بن حویرث کی حدیث میں بھی ہے جو بخاری (۸۲۳) ابوداؤد (۸۲۴) نسائی (ج ۲ ص ۲۳۴) ترمذی (۲۸۷) ابن خزیمہ (۶۸۶) بغوی (۶۶۸) بیہقی (ج ۲ ص ۲۳) اور محلی ابن حزم (ج ۳ ص ۱۲۴) میں خالد حذاء عن ابی قلابہ کے طریق سے مالک بن حویرث سے ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا جب آپ دوسری اور چوتھی رکعت کیلئے کھڑے ہوتے تو بیٹھے بغیر نہ اٹھتے۔ جو علماء جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں انہوں نے اس حدیث کا جواب دیا ہے کہ یہ موٹاپا اور کبرسنی کی بناء پر تھا مگر یہ تاویل بلا دلیل ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں مالک بن حویرث ”صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ“ حدیث کے راوی ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی جو صفات بیان کیں ہیں وہ سب اس (حدیث کے) حکم میں داخل ہیں فتح الباری ج ۲ ص ۳۰۲۔ شیخ البانی فرماتے ہیں کہ جلسہ استراحت کو اس امر پر محمول کرنا کہ یہ حاجت کی بناء پر تھا عبادت کی غرض سے نہیں لہذا یہ مشروع نہیں ہے جیسا کہ احناف وغیرہ کا قول ہے اور یہ تاویل باطل ہے اور اس کے بطلان کیلئے یہی کافی ہے کہ ان صحابہ نے اسے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ نماز میں داخل ہونے پر سکوت کیا ہے اگر انہیں یہ علم ہوتا کہ آپ ﷺ نے اسے بوقت ضرورت کیا ہے۔ تو ان کیلئے اسے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ نماز میں داخل کرنا جائز نہ تھا۔ ارواء الغلیل (ج ۲ ص ۸۳)، دس صحابہ سے شیخ کی مراد حدیث ابو حمید ساعدی والا واقعہ ہے۔“

درج بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں جلسہ استراحت جو روایات میں منقول ہے وہ عذر کی بناء پر تھا، اور سنت اصلی نہیں تھا۔ اسی لئے اجلہ صحابہ کرام کا عمل جلسہ استراحت نہیں تھا۔ حضرت ابو حمید ساعدیؓ سے جو روایت پیش کی جاتی ہے اور دس صحابہ کرام کا حوالہ دیا جاتا ہے (اور نماز کے بہت سے وہ مسائل جن کا اس مذکورہ روایت میں ذکر بھی نہیں ہے غیر مقلدین ان کو بھی اسی کیساتھ جوڑ دیتے ہیں) اس روایت پر کلام گذر چکا ہے کہ وہ ”صحیح“ درجہ تک نہیں پہنچتی ہے۔ اسلئے غیر مقلدین کا اسے بطور استدلال پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۸ کی حضرت ابو حمید ساعدیؓ کی روایت میں ہے کہ ”آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو گئے“۔ اسی طرح حضرت مالک بن حویرثؓ کی روایت کے الفاظ ”صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ“ یعنی جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو“ کو غیر مقلدین استعمال کر کے دیگر مسائل کو بھی حضرت مالک بن حویرثؓ کے نام سے لکھ دیتے ہیں جن کا ذکر تک مذکورہ روایت میں نہیں ہے بلکہ مذکورہ روایت میں جن مسائل کا تذکرہ ہے ان میں سے بعض کو چھوڑ دیتے ہیں اسلئے ان کا یہ طریقہ استدلال درست نہیں۔

احناف کے دلائل

نماز میں پہلی اور تیسری رکعت میں دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر سیدھا کھڑا ہو جانا چاہئے اسلئے کہ رسول اکرم ﷺ کی سنت ہے اور اسلاف امت کا اجماع و عمل یہی ہے کہ جلسہ استراحت نہ کیا جائے یعنی سجدوں سے فراغت کے بعد بیٹھانہ جائے بلکہ سیدھا پنچوں کے بل کھڑا ہو جانا چاہئے

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُذُورٍ قَدَمَيْهِ تَرْجَمَهُ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نماز میں (سجدوں کے بعد) پنچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (ترمذی باب ۲۱۲) كَيْفَ النُّهُوضُ مِنَ السُّجُودِ، بَابٌ مِنْهُ ج ۱ ص ۶۴، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۱۲۴، جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۱۲)

(۲) عَنْ عَبَّاسٍ أَوْ عِيَّاشٍ بْنِ سَهْلٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ كَانَ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَبُوهُ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَفِي الْمَجْلِسِ أَبُو هُرَيْرَةَ وَأَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ وَأَبُو أُسَيْدٍ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَفِيهِ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ فَقَامَ وَلَمْ يَتَوَرَّكْ. تَرْجَمَهُ: حضرت سہل ساعدیؓ کے صاحبزادے سے مروی ہے کہ وہ اپنے والد کیساتھ ایک مجلس میں حاضر تھے ان کے والد پیغمبر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اسی مجلس میں حضرت ابو ہریرہؓ، ابو حمید ساعدیؓ اور ابو اسیدؓ موجود تھے اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو گئے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۷۰۷، اباباب افتتاح الصلوة، اسنادہ صحیح)

(۳) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عِيَّاشٍ قَالَ أَدْرَكْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجْدَةِ فِي أَوَّلِ رُكْعَةٍ وَالثَّالِثَةِ قَامَ كَمَا هُوَ وَلَمْ يَجْلِسْ تَرْجَمَهُ: حضرت نعمان بن ابی عیاشؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کے بیشمار جانشینوں کو پایا کہ وہ پہلی اور تیسری رکعت میں سجدے سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے، بیٹھتے نہیں تھے (رواہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ مَنْ كَانَ يَقُولُ: إِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ مِنَ السُّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرُّكْعَةِ الْأُولَى فَلَا تَقْعُدْ ج ۳ ص ۳۳۲، اسنادہ حسن)

(۴) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ رَمَقْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ فِي الصَّلَاةِ فَرَأَيْتُهُ يَنْهَضُ وَلَا يَجْلِسُ قَالَ يَنْهَضُ عَلَى صُذُورٍ قَدَمَيْهِ فِي الرُّكْعَةِ الْأُولَى وَالثَّالِثَةِ. تَرْجَمَهُ: حضرت عبدالرحمن بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نماز میں دیکھا کہ وہ کھڑے ہو جاتے ہیں، بیٹھتے نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ پہلی اور تیسری رکعت میں پنچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق باب كَيْفَ النُّهُوضُ مِنَ السُّجْدَةِ الْآخِرَةِ وَمِنْ الرُّكْعَةِ

لَاُولَى وَالثَّانِيَةِ ج ۲ ص ۱۷۸، طبرانی فی الکبیر ج ۹ ص ۲۶۶، حدیث نمبر ۹۳۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۲۵،)

(۵) عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ وَأَصْحَابُ النَّبِيِّ يَنْهَضُونَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ أَقْدَامِهِمْ. **ترجمہ:** حضرت شعبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت علیؓ اور دیگر حضرات صحابہؓ نماز میں پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہؒ "مَنْ كَانَ يَنْهَضُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ" ج ۳ ص ۳۳۰)

اسی طریقہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے ثابت ہے۔

(مصنف عبدالرزاقؒ بَابُ كَيْفِ النَّهْضِ مِنَ السَّجْدَةِ الْآخِرَةِ وَمِنْ الرَّكْعَةِ الْأُولَى وَالثَّانِيَةِ ج ۲ ص ۱۷۸، عن ابن مسعود، مصنف ابن ابی شیبہؒ "مَنْ كَانَ يَنْهَضُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ" ج ۳ ص ۳۳۰ عن ابن الزبیر، طبرانی کبیر ج ۹ ص ۲۶۷)

حضرت عطیہ عوفیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابوسعید خدریؓ کو دیکھا کہ وہ اپنی نمازوں میں پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

عَنْ عَطِيَّةِ الْعُوفِيِّ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ وَابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ الزُّبَيْرِ وَأَبَا سَعِيدَ الْخُدْرِيَّ يَقُومُونَ عَلَى صُدُورِ أَقْدَامِهِمْ فِي الصَّلَاةِ. (سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۱۲۵)

فائدہ: مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کا عمل یہی تھا کہ تیسری اور پہلی رکعت میں کھڑے ہوتے وقت بیٹھتے نہیں تھے یعنی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے۔

حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ اکثر احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ نماز میں پنجوں کے بل کھڑا ہونا مسنون ہے وہ سجدہ کے بعد پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے اور کھڑے ہونے سے قبل بیٹھتے نہیں تھے۔

قَالَ أَحْمَدُ وَ أَكْثَرُ الْأَحَادِيثِ عَلَى هَذَا قَالَ الْأَوْثَرُ وَ رَأَيْتُ أَحْمَدَ يَنْهَضُ بَعْدَ السُّجُودِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ وَلَا يَجْلِسُ قَبْلَ أَنْ يَنْهَضَ. (الجوہر النقی علی السنن البیہقی ج ۲ ص ۱۲۵)

ابن القیم جوزیؒ کی تحقیق:۔ زاد المعاد فی ہدی خیر المباد کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اپنے پنجوں اور گھٹنوں کے بل رانوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے۔ اور کئی صحابہ کرام سے ان تمام لوگوں سے مروی ہے جنہوں نے آپ ﷺ کے طریقہ نماز کو بیان فرمایا ہے۔ یعنی انہوں نے جلسہ استراحت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جلسہ استراحت اگر آپ ﷺ کا طریقہ ہوتا اور آپ ﷺ کی عادت مبارکہ ہوتی تو یہ لوگ ضرور ذکر فرماتے۔ محض آپ ﷺ کا جلسہ استراحت کبھی کر لیا اس پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ وہ نماز کے سنن میں سے ہے۔

ثُمَّ كَانَ ﷺ يَنْهَضُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ وَ رُكْبَتَيْهِ مُعْتَمِدًا عَلَى فِخْذَيْهِ وَقَدْ رَوَى عَنْ عِدَّةٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَ سَائِرٍ مِّنْ وَصَفَ صَلَاتَهُ ﷺ لَمْ يَذْكُرْ هَذِهِ الْجَلْسَةَ وَلَوْ كَانَ هَذَا مِنْ ﷺ فَعَلَهَا دَائِمًا لَدَكَرَهَا مَن وَصَفَ صَلَاتَهُ ﷺ الخ (زاد المعاد ج ۱ ص ۲۴۰، ۲۴۱)

خلاصہ کلام :- اسی وجہ سے اساطین امت کا اجماع ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے بعد سیدھا کھڑا ہونا چاہئے بیٹھنا نہیں چاہئے (جلسہ استراحت) نہیں کرنا چاہئے۔ وَفِي نَوَادِرِ الْفُقَهَاءِ لِابْنِ بَنِي نَعِيمٍ أَجْمَعُوا أَنَّهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ آخِرِ سَجْدَةٍ مِنَ الرُّكْعَةِ الْأُولَى وَالثَّالِثَةِ نَهَضَ وَلَمْ يَجْلِسْ إِلَّا الشَّافِعِيُّ يَعْنِي إِمَامَ شَافِعِيٍّ كَمَا سَوَّاهُ تَمَامُ اسْلَافِ كِرَامِ كَا اِجْمَاعِ هِيَ كَهِ بِهِيَ رُكْعَتِ اِوَر تِيسَرِ رُكْعَتِ مِیْ دُوسَرِ سَجْدَه كِه بَعْدِ سِیْدَهَا كُھْرَا هُ وَ جَانَا چَا هُیَ (الجوهر النقی علی سنن البیہقی ج ۲ ص ۱۲۷)

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اعلیٰ السنن ج ۳ ص ۴۸..... ۵۲، آثار السنن ص ۲۳۳..... ۲۳۷)

نماز میں قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ

احناف اور اکثر اہل علم : امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور امام ثوریؒ اور عبد اللہ ابن مبارکؒ اور بعض مالکیہ اور اکثر اہل علم کا موقف یہ ہے کہ ”قعدہ میں دائیں پیر کو کھڑا کیا جائے اور بائیں پیر بچھا کر اس پر بیٹھا جائے“ یہی مستحب ہے۔
شوافع اور بعض اہل علم :- امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب اور امام مالک کا موقف یہ ہے کہ ”آخری قعدہ میں تورک کیا جائے“ (تورک یہ ہے کہ دایاں پیر کھڑا کیا جائے اور بائیں پیر بچھا کر اسے آگے کیا جائے اور سرین کے بل بیٹھا جائے)
حنابلہ :- حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ ”تورک ایسی نماز کے لئے خاص ہے جس میں دو قعدے ہوں۔

مسئلہ تورک

غیر مقلدین: غیر مقلدین کا موقف ہے کہ نماز کے آخری قعدہ میں تورک کیا جائے اور ان کے نزدیک یہی سنت اصلی ہے
احناف: احناف کا موقف یہ ہے کہ نماز کے تمام قعدوں میں بیٹھنے کا طریقہ ایک ہی ہے ان کے نزدیک تورک عذر کی بناء پر ہے

غیر مقلدین کے دلائل

● عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرْنَا..... فَإِذَا جَلَسَ فِي الرُّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى فَإِذَا جَلَسَ فِي الرُّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْآخِرَى وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَتِهِ
ترجمہ :- حضرت محمد بن عمرو بن عطاء سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے تو ہم نے نبی ﷺ کی نماز کا ذکر کیا تو حضرت ابو حمید ساعدیؒ نے کہا..... پس جب (آپ ﷺ) بیٹھے دو رکعتوں پر تو بیٹھے اپنے بائیں پیر پر اور کھڑا کرتے اپنے دائیں پیر کو اور جب بیٹھے آخری رکعت میں تو اپنے بائیں پیر کو آگے کر دیتے اور دوسرے کو کھڑا کرتے اور بیٹھے اپنی سرین پر۔ (بخاری باب كَيْفَ يَغْتَمِدُ عَلَى الْأَرْضِ إِذَا قَامَ مِنَ الرُّكْعَةِ ج ۱ ص ۱۱۴)

استدلال پر اعتراضات: (۱) آثار السنن ص ۲۳۸ حاشیہ میں ہے بایاں پیر آگے نکالنا یہ حالتِ عذر پر محمول ہے ہمارے اصحاب کے نزدیک۔ (۲) بیہقی میں یہی عمل پہلے قعدہ میں منقول ہے جس کا علامہ ابن ترکمانی نے الجوہر النقی میں رد کیا ہے (۳) علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں نماز کے قعدوں کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ حدیث وائل اور حدیث عائشہ وہ دونوں تشہد اوسط پر محمول ہیں اور حدیث ابو حمید ساعدی مقید ہے تشہد اخیرہ پر۔ اور حمل مطلق مقید پر واجب ہے اور اس کا جمع کرنا بعید ہے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۲۳۸ اور ۲۳۹ حاشیہ نیز نیل الاوطار) (۴) امام طحاویؒ نے امام بخاریؒ کی پیش کردہ سند پر کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ محمد بن عمرو بن عطاء اور صحابہ کے درمیان عباس بن سہل داخل ہیں جیسا کہ ابودود وغیرہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اعلیٰ السنن ج ۳ حاشہ ص ۱۰۱ تا ۹۲) غیر مقلدین تورک کے سلسلہ میں حضرت ابو حمید ساعدیؒ کی روایات ترمذی، دارمی، ابن ماجہ وغیرہ سے بھی پیش کرتے ہیں جب کہ ان روایات پر کلام گذر چکا ہے کہ وہ ”صحیح“ درجہ تک نہیں پہنچتی ہیں۔

جبکہ دونوں قعدوں میں یکساں طریقہ پر بیٹھنے کی صریح مرفوع روایات موجود ہیں اور آثار بھی موجود ہیں اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ تورک سنتِ اصلی نہیں ہے۔

احناف کے دلائل

● عَنْ عَائِشَةَ ۖ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ

.. وَكَانَ يَقُولُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يُفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهَى أَنْ يُفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبْعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ. **ترجمہ:** حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو تکبیر تحریمہ کیساتھ شروع کرتے تھے.....

..... اور آپ ﷺ ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے اور اپنا دایاں پیر بچھاتے اور بایاں پیر کھڑا کرتے اور شیطان کی طرح گوٹھ مارنے سے منع کرتے تھے اور اس بات سے بھی منع کرتے تھے کہ آدمی درندوں کی طرح اپنی بائیں پھیلائے اور آپ ﷺ نماز کو سلام پر ختم فرماتے تھے۔ (مسلم باب مَا يَجْمَعُ صِفَةَ الصَّلَاةِ..... ج ۱ ص ۱۹۴)

فائدہ: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے تبعین کی دلیل ہے کہ نماز میں قعدہ یہی ہوگا جو حدیث میں مذکور ہے۔ (نووی شرح المسلم ج ۱ ص ۱۹۵، باب صِفَةُ الصَّلَاةِ)

● عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا قَعَدَ..... وَجَلَسَ عَلَيْهَا.

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؒ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ ﷺ قعدہ میں بیٹھے تو اپنے بائیں پیر کو زمین پر بچھایا اور اس پر بیٹھے۔ (طحاوی باب صِفَةُ الْجُلُوسِ ج ۱ ص ۱۷۸)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مِنْ سُنَّةِ الصَّلَاةِ أَنْ تُنْصَبَ الْقَدَمُ الْيُمْنَى وَاسْتِقْبَالَهُ بِأَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ وَالْجُلُوسُ عَلَى الْيُسْرَى **ترجمہ:** - عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نماز کی سنت میں سے ہے کہ بائیں پیر بچھا کر اسکی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کیا جائے اور دائیں پیر پر بیٹھا جائے (نسائی بابُ الْاِسْتِقْبَالِ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ الْقَدَمِ.... ج ۱ ص ۱۷۳)

● عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْإِقْعَاءِ وَالتَّوْرُكِ فِي الصَّلَاةِ. **ترجمہ:** - حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز میں ”اقعاء“ اور ”تورک“ سے منع فرمایا (السنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۱۲۰، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۸۶)

● عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مِنْ سُنَّةِ الصَّلَاةِ أَنْ تُنْصَبَ الْقَدَمُ الْيُمْنَى وَاسْتِقْبَالَهُ بِأَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ وَالْجُلُوسُ عَلَى الْيُسْرَى **ترجمہ:** - حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سنت میں سے یہ ہے کہ اپنے دائیں قدم کو کھڑا رکھا جائے انگلیوں کو قبلہ کی جانب رکھا جائے اور بائیں قدم پر بیٹھا جائے۔ (نسائی بابُ الْاِسْتِقْبَالِ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ الْقَدَمِ.... ج ۱ ص ۱۷۳، مصنف ابن ابی شیبہ ”يُفْتَرِشُ الْيُسْرَى وَيُنْصَبُ الْيُمْنَى“ ج ۲ ص ۵۴۴، مؤطا امام محمد ص ۱۱۲)

مذکورہ روایت کی تائید بخاری شریف کی درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے ”وَقَالَ أَيُّ عَبْدًا

لِلَّهِ ابْنُ عُمَرَ إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تُنْصَبَ رِجْلُكَ الْيُمْنَى وَتُثْبِتَ الْيُسْرَى **ترجمہ:** - حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا نماز کی سنت میں سے یہ ہے کہ تم دائیں پیر کو کھڑا رکھو اور بائیں پیر کو موڑ لو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۲، بابُ سُنَّةِ الْجُلُوسِ)

آثار:- ☆ حضرت عبد الرحمنؓ اپنے والد قاسم سے نقل کرتے ہیں کہ نماز میں بیٹھنے کی سنت یہ ہے کہ بائیں قدم کو موڑ لیا جائے اور دائیں قدم کو کھڑا رکھا جائے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۹۴)

☆ حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ اقعاء اور تورک کو مکروہ سمجھتے تھے (مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۹۱)

ان مرفوع روایات اور آثار کی بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے آخری قعدہ میں تورک سنت اصلی نہیں ہے

مسئلہ اشارہ بالسبابہ

نماز میں قعدہ کی حالت میں جب مصلیٰ تشهد پڑھتا ہے تو سبابہ (کلمہ کی انگلی) سے ایک مرتبہ اشارہ کرتا ہے۔ ماضی بعید میں علماء میں اختلاف اس بات پر تھا کہ تشهد کے وقت سبابہ سے اشارہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ بعض کہتے تھے نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ سکون کے منافی ہے۔ لیکن اکثر علماء یہ کہتے تھے کہ احادیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس وقت اشارہ کرتے تھے اگرچہ یہ احادیث ضعیف ہیں لیکن استحباب کیلئے ضعیف احادیث بھی کافی ہیں اسلئے اشارہ کرنا مستحب ہے۔

غیر مقلدین :- غیر مقلدین کہتے ہیں کہ پورے قعدہ میں (بیٹھنے کی حالت میں) سبابہ (کلمہ کی انگلی) بار بار ہلانا سنت ہے اور بار بار نہ ہلانا جائز نہیں (غیر مقلدین اسی کو تحریک سبابہ کہتے ہیں)۔

احناف اور جمہور کا مسلک :- احناف اور جمہور کے نزدیک نماز میں تشهد میں ”اشھدان لا الہ الا اللہ“

پڑھتے وقت انگلیوں سے ایک مرتبہ اشارہ کرنا مستحب ہے، بار بار حرکت دینا ہمارے (احناف کے) نزدیک مکروہ ہے۔
(شرح مشکوٰۃ للفقاری)

شواہغ کے نزدیک یہ عمل کثیر ہے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے (المسوی مصنفہ شیخ ولی اللہ بحوالہ اعلاء السنن ج ۳ ص ۱۵۷)
نکتہ اختلاف :- احناف کہتے ہیں کہ انگلیوں سے حلقہ بنانا ہے سوائے سبابہ کے، اور تشہد کے وقت سبابہ سے (ایک مرتبہ) اشارہ کرنا مستحب ہے۔ جبکہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ پورے قعدہ میں (بیٹھنے کی حالت میں) سبابہ (کلمہ کی انگلی) بار بار ہلانا سنت ہے اور بار بار نہ ہلانا جائز نہیں۔

چونکہ غیر مقلدین تحریک سبابہ (بار بار ہلانے) کو سنت مؤکدہ جانتے ہیں اسلئے انہیں دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کرنا چاہئے اور جمہور کے استحباب کی دلیل میں ضعیف احادیث بھی کافی ہیں۔

انگلی کو بار بار حرکت دینے کے استدلال میں بہت سی روایات پیش کی جاتی ہیں جو صرف ایک مرتبہ اشارہ کے سلسلہ میں آئی ہیں، ان میں بار بار حرکت دینے کی تصریح نہیں ہے اسلئے بار بار حرکت دینے کے استدلال میں اس قسم کی روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ کیونکہ انہیں بار بار حرکت دینے کا ذکر ہی نہیں ہے۔ چنانچہ خود غیر مقلدین کو اس بات کا اعتراف ہے۔ چنانچہ ”تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۳۰۶ حاشیہ“ پر ہے ”الحاصل اشارہ کے محل (یعنی جگہ) کے تعین کے بارے میں کوئی صریح صحیح روایت نہیں ہے لہذا ظاہر حدیث (یعنی انکے قیاس) کے مطابق شروع سے انگلی اٹھالینی چاہئے اور حدیث ”يُحَرِّكُهَا“ کے مطابق اسے حرکت دیتے رہنا چاہئے۔ واللہ اعلم“۔ غیر مقلدین کی اس عبارت کا مطلب ہی یہ ہے کہ کس جگہ انگلی اٹھانا چاہئے یہ متعین نہیں ہے اسلئے انکا قیاس یہ ہے کہ شروع ہی سے انگلی اٹھانا چاہئے اور ”يُحَرِّكُهَا“ (یعنی اس کو حرکت دیتے تھے) سے یہ قیاس کرتے ہیں کہ بار بار حرکت دیتے تھے، ”بار بار حرکت دینے“ کا لفظ نہیں ہے۔ شروع سے انگلی اٹھانا اور بار بار حرکت دینے کے سلسلہ میں کوئی صحیح صریح حدیث نہیں ہے یہ عمل صرف ”غیر مقلدین کا قیاس“ ہے۔

غیر مقلدین سے بحث یہ ہے کہ انگلی کو بار بار حرکت دینا یا نہ دینا۔ غیر مقلدین تشہد میں اپنی انگلی کو بار بار حرکت دیتے ہیں جبکہ جمہور علماء تشہد کے وقت ”اشھد ان لا الہ الا اللہ“ پر ایک مرتبہ اشارہ کرنے کے قائل ہیں۔ غیر مقلدین بار بار حرکت دینے کے دلائل میں ایسی روایات بھی پیش کرتے ہیں جو ایک مرتبہ اشارہ کے سلسلے میں آئی ہیں ان میں بار بار حرکت دینے کی تصریح نہیں ہے اسلئے ان کی طرف سے ایسی روایت قابل قبول نہیں ہے۔ مثلاً صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت اور صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت اور ابوداؤد وغیرہ کی روایات۔

تحریک سبابہ کی دلیل میں غیر صریح روایات : ☆ ● حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَالَيْتُ عَنْ ابْنِ عَجَلَانَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ نَابُؤُ خَالِدٍ الْأَحْمَرِيُّ عَنْ ابْنِ عَجَلَانَ عَنْ عَامِرِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَعَدَ يَدْعُو وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى فِجْذِهِ الْيُمْنَى

وَيَدُهُ الْيُسْرَى عَلَىٰ فَخِذِهِ الْيُسْرَى وَأَشَارَ بِأَصْبَعِهِ السَّابِغَةِ وَوَضَعَ إِبْهَامَهُ عَلَىٰ أَصْبَعِهِ الْوُسْطَىٰ وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرَى رُكْبَتَهُ. **ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب دعا کیلئے بیٹھتے تو دائیں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اور انگوٹھے کو بیچ والی انگلی سے ملا لیتے تھے۔ (مسلم شریف باب صِفَةِ الْجُلُوسِ فِي الصَّلَاةِ.... الخ ج ۱ ص ۲۱۶، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۱۳۱، شرح السنہ ج ۲ ص ۳۰۹)

● حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ نَابُؤُنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ نَاحِمًا ذُبُنُ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَىٰ رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَىٰ رُكْبَتِهِ الْيُمْنَى وَعَقَدَ ثَلَاثًا وَخَمْسِينَ وَأَشَارَ بِالسَّابِغَةِ. **ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے تو اپنے بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھتے اور ۵۳ تہن کا عقد بنایا اور سبابہ سے اشارہ کیا۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد، باب صِفَةِ الْجُلُوسِ فِي الصَّلَاةِ.... الخ ج ۱ ص ۲۱۶)

● حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَابِشْرُ بْنُ مُفَضَّلٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ حَلَقَ الْإِبْهَامَ وَالْوُسْطَىٰ وَرَفَعَ الَّتِي تَلِيهِمَا يَدُغُوبُهُمَا فِي التَّشَهُّدِ. **ترجمہ:** حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ابہام (انگوٹھا) اور وسطیٰ (بیچ والی انگلی) کا حلقہ بنایا اور اٹھایا اپنی وہ انگلی جو انگوٹھے کے نزدیک ہے دعا مانگتے تھے اسکے ذریعے تشہد میں۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب كَيْفَ الْجُلُوسُ فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۳۸، نسائی کتاب السهو، باب مَوْضِعِ الذِّرَاعَيْنِ ج ۱ ص ۱۸۶، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ، باب لَا شَارَةَ فِي التَّشَهُّدِ ص ۶۶، مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۸)

● حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عِصَامِ بْنِ قِدَامَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ نُمَيْرٍ الْخَزَاعِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَاضِعًا يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَىٰ فَخِذِهِ الْيُمْنَى فِي الصَّلَاةِ وَيُشِيرُ بِأَصْبَعِهِ **ترجمہ:** حضرت مالک بن نمیر خزاعی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز میں دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھے ہوئے دیکھا اور آپ اپنی انگلی سے اشارہ کر رہے تھے۔ (ابن ماجہ باب لَا شَارَةَ فِي التَّشَهُّدِ ص ۶۶، ابوداؤد باب لَا شَارَةَ فِي التَّشَهُّدِ ج ۱ ص ۱۴۲، نسائی باب لَا شَارَةَ فِي التَّشَهُّدِ ج ۱ ص ۱۸۷، موطا امام محمد باب الْعُبُثُ بِالْحِصَىٰ فِي الصَّلَاةِ ج ۱ ص ۱۵۶)

ان تمام روایات میں بار بار حرکت دینے کا ذکر ہی نہیں ہے اسلئے غیر مقلدین کی طرف سے بطور استدلال یہ تمام روایات ناقابل قبول ہیں۔

[مذکورہ تمام روایات تو سبابہ کو بار بار حرکت دینے کی دلیل میں قابل قبول نہیں ہیں لیکن ایک مرتبہ اشارہ کرنے

کے سلسلہ میں حجت بن سکتی ہیں۔]

صریح روایات :- بار بار حرکت دینے کے سلسلے میں غیر مقلدین جو روایات پیش کرتے ہیں ان کے زعم میں وہ صریح ہیں جب کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ ان کے خیال کے مطابق ایک روایت ہے جو زائدہ بن قدامہ عن عاصم بن کلیب عن ابیہ کے طریق سے ہے وہ درج ذیل ہے۔

● عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ قُلْتُ لَا نُظَرُّنَ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ يُصَلِّي فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ فَوَصَفَ..... قَالَ ثُمَّ قَعَدَ وَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَضَعَ كَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى فِخْذِهِ وَرُكْبَتِهِ الْيُسْرَى وَجَعَلَ حَدِّمْرِفَقِهِ الْأَيْمَنِ عَلَى فِخْذِهِ الْيُمْنَى ثُمَّ قَبَضَ اثْنَتَيْنِ مِنْ أَصَابِعِهِ وَحَلَقَ حَلَقَةً ثُمَّ رَفَعَ إصْبَعِيهِ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُو بِهَا. **ترجمہ :-** وائل بن حجر سے روایت ہے میں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں، میں نے دیکھا..... پھر قعدہ میں بیٹھے بایاں پاؤں بچھا کر اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی اپنی ران پر اور گھٹنے پر رکھی اور داہنے ہاتھ کی کہنی دہنی ران پر جمائی پھر دو انگلیوں کو بند کر لیا اور ایک حلقہ باندھ لیا (بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے) اور کلمے کی انگلی کو اوپر اٹھایا تو میں نے دیکھا آپ کلمے کی انگلی کو ہلاتے تھے اور اس سے دعا کرتے تھے۔ (نسائی باب قبض الثنتین من أصابع اليد اليمنى وعقد الوسطى والأبهام منها ج ۱ ص ۱۸۷، دارمی وغیرہ)

استدلال پر اعتراضات :- (۱) غیر مقلدین کے نزدیک دلیل صرف ”صحیح“ احادیث ہوتی ہیں اور یہ روایت ”صحیح“ درجہ تک نہیں پہنچی اسلئے یہ بطور استدلال ناقابل قبول ہے۔ (۲) عون المعبود میں عن المحلی ہے یہاں تحریک سبابہ سے مراد اٹھانا ہے، (ج ۱ ص ۳۷۵) (بحث ملاحظہ ہو تخریج صلوٰۃ الرسول حاشیہ ص ۳۰۷، ۳۰۸) ایک مرتبہ انگلی سے اشارہ کرنے کو غیر مقلدین بار بار اشارہ کرنے پر محمول کرتے ہیں جو صحیح نہیں ہے اس لئے بھی یہ روایت تحریک سبابہ کے سلسلہ میں ناقابل قبول ہے۔

انگلی کو بار بار حرکت دینے کے سلسلے میں جو روایات غیر مقلدین پیش کرتے ہیں وہ نہ ”صحیح“ ہیں اور نہ صریح۔ بار بار انگلی ہلانے کی صراحت کسی روایت میں نہیں ہے بلکہ یہ صرف ان کا قیاس ہے۔ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ان کی دلیل صرف صحیح حدیث ہوتی ہے (بار بار انگلی ہلانا غیر مقلدین کا قیاس ہے جو حجت نہیں ہے)۔ چونکہ ان کا بار بار حرکت دینے کا عمل بغیر دلیل ہے اسلئے رد ہے۔

سبابہ سے ایک مرتبہ اشارہ کرنے کی روایات :- مذکورہ تمام روایات (جو سبابہ کو بار بار حرکت دینے کی سلسلہ میں اوپر پیش کی گئی ہیں) مثلاً صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت اور صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت اور ابوداؤد وغیرہ کی روایات، ایک مرتبہ اشارہ کرنے کے سلسلہ میں حجت بن سکتی ہیں۔

بار بار انگلی نہ ہلانے کی صریح حدیث :- ● أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْوَزَّانُ قَالَ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ

قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي زِيَادُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجَلَانَ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُشِيرُ بِأَصْبَعِهِ أَذَا دَعَا وَلَا يُحَرِّكُهَا - ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن زبیر سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب دعا پڑھتے تو انگلی سے اشارہ فرماتے اور اس کو ہلاتے نہیں رہتے تھے۔

(نسائی بابُ بَسْطِ الْيُسْرَى عَلَى الرُّكْبَةِ ج ۱ ص ۱۸۷، ابوداؤد بابُ الْإِشَارَةِ فِي التَّشَهُّدِ ج ۱ ص ۱۴۲)

ابوداؤد میں یہ روایت ”الْإِشَارَةُ فِي التَّشَهُّدِ“ کے باب میں ہے اور آگے الفاظ بھی ہیں کہ ”قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَزَادَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ..... عَلَى فَعِيْذِهِ الْيُسْرَى“ جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ اشارہ تشہد کے وقت تھا۔ مزید یہ کہ مذکورہ روایت حسن ہے۔

انگلی سے اشارہ کرنے کی جتنی روایات ہیں چاہے وہ ایک مرتبہ اشارہ کرنے کی ہوں یا جن سے بار بار اشارہ کرنے پر قیاس کیا جاتا ہے وہ سب غیر صحیح ہیں۔ جب کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ان کی دلیل صرف صحیح حدیث ہوتی ہے اور بار بار انگلی ہلانے کی یا تحریک سبابہ کی دلیل میں کوئی روایت نہ صریح ہے اور نہ ہی صحیح کے درجہ تک پہنچتی ہے چونکہ ان کی تحریک سبابہ کا یہ عمل بغیر دلیل کے ہے اسلئے رد ہے۔

جبکہ ”اشہد ان لا اله الا الله“ پر ایک مرتبہ اشارہ کرنے کی صریح روایت ”حسن“ کے درجہ تک ہے جو کہ مستحب کیلئے قابل قبول ہے۔ (اگر ضعیف بھی ہوتی تو مستحب کیلئے قابل قبول ہوتی)۔ غیر مقلدین کے پاس تحریک سبابہ کے سلسلہ میں روایات بطور استدلال قیاس کی حد تک ہیں اور حدیث کو (اگرچہ ضعیف بھی ہو) قیاس پر ترجیح حاصل ہے۔ اس لئے سبابہ سے صرف ایک مرتبہ اشارہ ثابت ہوتا ہے۔

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی خفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائیگا کہ یہ خفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں خفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لانے والے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو قعدہ میں بار بار انگلی ہلانے کے سلسلہ میں آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔

کوئی اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ سے انگلی ہلانا شروع کرتا ہے۔

کوئی شروع قعدہ ہی سے انگلی ہلانا شروع کرتا ہے۔

کوئی پہلے قعدہ میں انگلی بار بار نہیں ہلاتا صرف دوسرے قعدہ میں ہلاتا ہے۔

کوئی دونوں قعدوں میں بار بار انگلی ہلاتا ہے۔
اگر مزید توجہ سے جائزہ لیا جائے تو اور بھی مختلف مناظر نظر آئیں گے۔
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے اور تقلید میں نظم و ضبط ملت ہے۔

سوالات

- (۱) قعدہ میں بار بار انگلی ہلانے کی صرف ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے؟
- (۲) قعدہ میں انگلی کب سے ہلانا شروع کرنا چاہئے صحیح صریح حدیث سے ثابت کیجئے؟
- (۳) قعدہ میں انگلی ہلانے کی کیفیت (دائیں بائیں یا اوپر نیچے وغیرہ وغیرہ) کیا ہونی چاہئے صحیح صریح حدیث سے بیان کیجئے؟

نماز وتر

نماز عشاء کے بعد سے صبح صادق سے پہلے تک جو طاق عدد میں نماز پڑھی جاتی ہے اسے وتر کہتے ہیں۔ روایات میں اس کی رکعات کی مختلف تعداد آئی ہیں، مشہور تعداد تین رکعات ہیں۔ بعض میں پانچ اور اس سے زائد بھی آئی ہیں اور کچھ روایات میں ایک رکعت بھی ہے۔ لیکن بعض روایات سے ایک رکعت کی کراہیت بھی معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت سعدؓ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایک رکعت کبھی کافی نہ ہوگی (طبرانی، موطا امام محمد ص ۱۴۶، طحاوی ج ۱ ص ۱۷۴) نیز حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بتیراء سے منع کیا (بتیراء یہ ہے کہ) کوئی شخص ایک رکعت وتر پڑھے (تمہید ابن عبد البر)۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ شوافع کے نزدیک واجب اور فرض میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں کا درجہ ایک ہے اور غیر مقلدین بھی واجب اور فرض میں تمیز نہیں کرتے۔ جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب اور فرض میں فرق ہے۔ واجب کا درجہ سنت مؤکدہ سے بڑھا ہوا اور فرض سے کم ہے اور واجب کا ثبوت سنت یعنی احادیث سے ہوتا ہے نص قرآنی سے نہیں (حوالہ شامی باب الوتر والنوافل ج ۲ ص ۴۳۸، ۴۳۹ حاشیہ ”مَطْلَبٌ فِي الْفَرَضِ الْعِلْمِيِّ وَالْعَمَلِيِّ وَالْوَجِبِ“)۔ غیر مقلدین ”واجب اور فرض“ میں تمیز نہیں کرتے اس لئے ان کے گمان میں واجب فرض معلوم ہوتا ہے۔

کچھ علماء نے یہ کہا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ وتر کے واجب ماننے میں منفرد ہیں انکے اس موقف کا اور کوئی حامل نہیں ہے۔ علامہ عینیؒ نے اس بات کا سخت جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ انکی یہ بات صحیح نہیں ہے وہ کہتے ہیں ”اس میں ابوحنیفہؒ منفرد نہیں ہیں۔ سخون اور اصغ بن الفرّج سے مروی ہے کہ یہ قاضی ابوبکر بن العربی ہیں جو وجوب کے قائل ہیں اور ابن حزمؒ نے

بیان کیا ہے کہ امام مالکؒ نے کہا کہ جس نے ادب کو ترک کیا اور اسکی شہادت مجروح ہوگئی (جس نے ایسا کہا) اور ابن قدامہ نے مغنی میں امام احمد کا وجوب کا موقف بیان کیا اور مصنف میں حضرت مجاہدؒ سے بسند صحیح مروی ہے کہ وہ واجب ہے اور فرض نہیں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بسند صحیح مروی ہے کہ اگر میرے لئے سرخ اونٹ بھی ہوں تو میں پسند نہیں کرتا کہ وتر ترک کروں اور ابن بطلال نے اسکا وجوب بیان کیا ہے اہل القرآن (حفاظ) سے ابن مسعودؓ سے اور حذیفہؓ سے اور ابراہیم نخعیؒ سے اور یوسف بن خالد السمتی سے شیخ الشافعی کا وجوب کا موقف مروی ہے، اور ابن ابی شیبہ نے بھی بیان کیا ہے سعید بن مسیبؒ سے اور ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ اور ضحاکؒ سے وجوب کا موقف۔ (بحوالہ آثار السنن مع التعلیق الحسن ص ۳۰۰ حاشیہ) غیر مقلدین اور احناف کے درمیان نماز وتر میں فرق تین امور میں ہے (۱) حکم (۲) طریقہ ادائیگی (۳) دعاء۔

حکم

غیر مقلدین :- غیر مقلدین کے نزدیک نماز وتر سنت ہے۔

احناف :- احناف کے نزدیک نماز وتر واجب ہے۔

احناف کے دلائل

● عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وَتُرَاوَاهُ الشَّيْخَانِ .

ترجمہ :- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ۔

(بخاری ابواب الوتر، باب لِيَجْعَلَ آخِرَ صَلَوَاتِهِ وَتُرَا ج ۱ ص ۱۳۶، مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب صَلَوَةِ اللَّيْلِ وَعَدَدِ رَكَعَاتِ النَّبِيِّ ﷺ ج ۱ ص ۲۵۷)

● وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ بَا دِرُوا الصُّبْحَ بِالْوُتْرِ . رواه مسلم - **ترجمہ :-** حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھنے میں جلدی کرو۔

(مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب صَلَوَةِ اللَّيْلِ وَعَدَدِ رَكَعَاتِ النَّبِيِّ ﷺ ج ۱ ص ۲۵۷)

● وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أَوْتِرُوا قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوا . رواه الجماعة الا البخارى - **ترجمہ :-** ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صبح سے پہلے وتر پڑھو۔

(مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب صَلَوَةِ اللَّيْلِ وَعَدَدِ رَكَعَاتِ النَّبِيِّ ﷺ ج ۱ ص ۲۵۷)

● وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ وَمَنْ طَمَعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَإِنَّ صَلَوَةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ وَذَلِكَ أَفْضَلُ . رواه مسلم - **ترجمہ :-** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کو آخر رات میں نہ اٹھنے کا خوف ہو تو اس کو چاہئے کہ پہلے ہی وتر پڑھے اور

جو شخص آخرِ رات میں اٹھنے کا عادی ہو تو آخرِ رات کی نماز فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے اور یہ افضل ہے۔

(مسلم كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ ج ١ ص ٢٥٤)

● حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْثَىٰ نَا أَبُو سَحَاقٍ الطَّائِفِيُّ نا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ عُيَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْعَتَكِيِّ عَنْ بَرِيدَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا. رواه ابو داود واسنادہ حسن . ترجمہ :- حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا وتر کی نماز حق ہے جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر کی نماز حق ہے جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

(ابوداؤد باب فِي مَنْ لَمْ يُؤْتِرْ ج ٢٠١)

● وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى زَادَكُمْ صَلَوةً وَهِيَ الْوُتْرُ. رواه الطبرانی فی مسند الشامیین وقال الحافظ فی الدرایہ باسناد حسن. ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایک نماز کی زیادتی فرمائی ہے اور وہی وتر ہے۔

(الدراية كتاب الصلوة بَاب صَلَوةِ الْوُتْرِ نَقْلًا عَنِ الْمُسْنَدِ الشَّامِيِّ لِلطَّبْرَانِيِّ ج ١ ص ١٨٩)

● وَعَنْ أَبِي تَمِيمٍ الْجِشَانِيِّ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ خَطَبَ النَّاسَ يَوْمَ جُمُعَةٍ فَقَالَ إِنَّ أَبَابُصْرَةَ حَدَّثَنِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللَّهَ زَادَكُمْ صَلَوةً وَهِيَ الْوُتْرُ فَصَلُّوهَا فِيمَا بَيْنَ صَلَوةِ الْعِشَاءِ إِلَى صَلَوةِ الْفَجْرِ قَالَ أَبُو تَمِيمٍ فَأَخَذَ بِيَدِي أَبُو ذَرٍّ فَسَارَ فِي الْمَسْجِدِ إِلَى أَبِي بَصْرَةَ فَقَالَ لَهُ أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا قَالَ عَمْرُو قَالَ أَبُو بَصْرَةَ أَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبْرَانِيُّ وَاسْنَا

دہ صحیح - ترجمہ :- حضرت ابو تمیم جیشانی سے مروی ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے جمعہ کے دن لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ ابوبصرہ نے مجھ سے بیان کیا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز کی زیادتی فرمائی ہے اور وہی وتر ہے، اس کو فجر اور عشاء کے درمیان پڑھو ابو تمیم کہتے ہیں کہ ابو ذرؓ میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں ابوبصرہؓ کے پاس لے گئے اور ان سے کہا کہ کیا عمرو بن عاصؓ نے جو بات کہی ہے آپ نے بنی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، ابوبصرہؓ نے کہا کہ (ہاں) میں نے نبی کریم ﷺ سے اس بات کو سنا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۷، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۳، مجمع الزوائد بسبب ما جاء فی

الْوُتْرُ نَقْلًا عَنِ الطَّبْرَانِيِّ فِي الْكَبِيرِ ج ١ ص ٢٣٥

● وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ نَامَ عَنْ وَتْرِهِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيَصِلْهُ إِذَا أَصْبَحَ أَوْ ذَكَرَهُ رَوَاهُ الدَّارِقُطْنِيُّ وَآخَرُونَ وَاسْنَادُهُ صَحِيحٌ. **ترجمہ:** حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنی وتر سے سو جائے یا اس کو بھول جائے تو اس کو چاہئے کہ جب صبح کرے یا جب اس کو یاد آئے پڑھ لے۔

(دارقطنی بَابُ نَامٍ عَنْ وَتْرٍ هُ أَوْ نَسِيَهُ ج ۲ ص ۲۲)

دلائل وجوب :- (۱) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے، کیونکہ حضور ﷺ خود فرما رہے ہیں کہ وتر واجب ہے، جیسا کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث سے واضح ہے۔

(۲) درج بالا احادیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو وتر پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور یہ قانون ہے کہ امر وجوب کیلئے آتا ہے جب تک کہ دوسرے معنی مراد لینے کا کوئی قرینہ نہ ہو۔

(۳) آپ ﷺ نے وتر نہ پڑھنے پر وعید فرمائی ہے کہ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ یہ بھی وجوب کی علامت ہے۔

(۴) آپ ﷺ نے وتر رہ جانے کی صورت میں قضاء کر نیک حکم دیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہے، کیونکہ قضاء فرض اور واجب ہی کی جاتی ہے۔

علامہ عینیؒ نے البنا یہ میں کہا ہے کہ حافظ ابو جعفر طحاوی نے ذکر کیا کہ قضاء وتر کا وجوب اجماع صحابہ سے ہے جیسا کہ حاشیہ مسند الامام ص ۹۰ پر ہے (بحوالہ اعلاء السنن ج ۶ ص ۱۸ حاشیہ)

(۵) آپ ﷺ نے وتر کی نماز مواظبت و مداومت سے بلا ترک ادا فرمائی ہے، اس سے بھی وتر کا وجوب ثابت ہوتا ہے، نیز صحابہ کرام اور تابعین عظام کے فرمان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وتر واجب ہے۔

طریقہ ادائیگی

تعداد رکعات :- اگرچہ رکعات کی تعداد روایات میں مختلف آئی ہیں لیکن ان میں مشہور تین ہی ہیں۔

● عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلَوةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةٍ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطَوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطَوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّمَا قَبْلَ أَنْ تُؤْتَرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنِي تَنَامُ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي .

ترجمہ :- حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی (رات کی) نماز رمضان میں کیسی تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں کرتے تھے چار رکعت پڑھتے تھے پس اس کی طول اور حسن کو مت پوچھ اور پھر چار رکعت پڑھتے تھے پس نہ پوچھ اس کے طول اور حسن کو پھر وہ تین رکعت پڑھتے عائشہؓ نے کہا پس میں نے فرمایا کہ اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ (صحیح بخاری بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ ج ۱ ص ۱۵۴، صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ

المساقرین، بَابُ صَلَوةِ اللَّيْلِ وَعَدَدِ رَكَعَاتِ النَّبِيِّ ﷺ ج ۱ ص ۲۵۴)

حدثنا شباة قال: حدثنا يونس، عن أبي اسحاق، عن سعيد ابن جبیر، عن ابن عباس: ان النبی ﷺ کان یوتر بثلاث، یقرأ فیہن بسم ربک الا علی وقل یا ایہا الکافرون وقل هو اللہ احد۔ **ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اس میں سبح اسم ربک الا علی، قل یا ایہا الکافرون، قل هو اللہ احد پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ فی الوتر: ما یقرأ ج ۲ ص ۵۱۲ حدیث نمبر ۶۹۵۱)

نماز وتر تین رکعات ہیں ایک سلام کے ساتھ :- ● حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور نہیں سلام پھیرتے مگر انکے آخر میں۔ (حاکم ج ۱ ص ۲۵۴)

مزید حوالے (مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب صلوٰۃ اللیل وَعَدَدِ رُكُوعَاتِ النَّبِيِّ ﷺ ج ۱ ص ۲۵۴، ۲۶۱، ترمذی کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب ما جاء ما یقرأ فی الوتر ج ۱ ص ۱۰۶، نسائی باب کَیْفَ الْوُتْرِ ج ۱ ص ۲۴۸، دارقطنی ج ۲ ص ۲۴، طحاوی باب الْوُتْرِ ج ۱ ص ۱۶۸، کنز العمال ج ۱ ص ۱۹۴)

وتر دو قعدے اور ایک سلام کے ساتھ تین رکعات ہیں :- ● حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وتر تین ہے دن کی وتر نماز مغرب کی طرح۔ وتر کی تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ پڑھے پھر تکبیر کہتے ہوئے رفع یدین کرے۔ (طحاوی باب الْوُتْرِ ج ۱ ص ۱۷۳، موطا امام محمد ص ۱۴۶، دارقطنی ج ۱ ص ۱۷۳)

قنوت وتر رکوع سے پہلے ہے :- ● عَنْ عَاصِمٍ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوتِ فَقَالَ: قَدْ كَانَ الْقُنُوتُ قُلْتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ قَالَ قَبْلَهُ قَالَ فَإِنَّ فَلَانًا أَخْبَرَنِي عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ فَقَالَ كَذَبَ إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا أَرَاهُ كَانَ بَعَثَ قَوْمًا يَقَالُ لَهُمُ الْقُرَاءَةُ هَآءِ سَبْعِينَ رَجُلًا إِلَى قَوْمٍ مُّشْرِكِينَ دُونَ أَوْ لِيكَ أَوْ كَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَهْدٌ فَقَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ شَهْرًا يَدْعُوْنَ عَلَيْهِمْ. رَوَاهُ الشَّيْخَانِ۔ **ترجمہ:** حضرت عاصمؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے قنوت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ قنوت تھی میں نے کہا رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد فرمایا رکوع سے پہلے۔ حضرت عاصمؓ کہتے ہیں کہ فلاں نے مجھے آپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ خبر دی ہے کہ آپ رکوع کے بعد کہتے ہیں۔ انس بن مالکؓ نے کہا کہ اس نے جھوٹ کہا۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھا میرا خیال ہے (یہ اس واقعہ سے متعلق ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گروہ کو جنہیں قرأ کہا جاتا تھا جو تقریباً ستر افراد پر مشتمل تھا مشرک قوم کی طرف بھیجا تھا نہ کہ انکے علاوہ دوسرے لوگوں کا (واقعہ)۔ انکے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک عہد تھا (اس عہد کے خلاف ہونے پر) رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے ایک مہینے تک بدو عافرائی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۳۶، مسلم ج ۱ ص ۲۳۷)

● وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ أَنَسًا عَنِ الْقُنُوتِ بَعْدَ الرُّكُوعِ أَوْ عِنْدَ فَرَاغٍ مِنَ الْقِرَاءَةِ قَالَ بَلْ عِنْدَ فَرَاغٍ مِنَ الْقِرَاءَةِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْمَغَازِي۔ **ترجمہ:** حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت

انس سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ وہ رکوع کے بعد ہے یا قرأت سے فراغت کے بعد۔ تو فرمایا کہ قرأت سے فراغت کے بعد۔ (بخاری باب غزوة الرّجیع و رِغْلٍ وَذُكُوانٍ وَبِشْرٍ مَعُونَةٍ ج ۲ ص ۵۸۶)

● حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ الرَّقِیُّ ثَنَا مَخْلَدُ بْنُ یَزِیدَ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ زُبَیْدِ الْیَمِیُّ عَنْ سَعِیدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِی عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُ فَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ. رواه ابن ماجه و النسائی و اسنادہ صحیح . ترجمہ:- حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وتر پڑھتے تو رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (ابن ماجہ باب مَا جَاءَ فِي الْقُنُوتِ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ ص ۸۴، نسائی بَابُ كَيْفِ الْوُتْرِ بِثَلَاثٍ ج ۱ ص ۲۴۸)

● وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ لَا يَقْنُتُ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ إِلَّا الْوُتْرَ فَإِنَّهُ كَانَ يَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ. رواه الطحاوی و الطبرانی و اسنادہ صحیح ترجمہ:- حضرت عبدالرحمن بن اسودؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے سوائے وتر کے۔ اسلئے کہ وہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (طحاوی باب الْقُنُوتِ فِي الْفَجْرِ وَغَيْرِهِ ج ۱ ص ۱۷۳، معجم کبیر ج ۹ ص ۳۲۷ حدیث نمبر ۹۴۲۵)

● وَعَنْ عَلْقَمَةَ أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ وَأَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ كَانُوا يَقْنُتُونَ فِي الْوُتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ. رواه ابن ابی شیبہ و اسنادہ صحیح ترجمہ:- حضرت علقمہؓ سے مروی ہے کہ ابن مسعود اور نبی ﷺ کے اصحاب وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ باب فِي الْقُنُوتِ قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ ج ۴ ص ۵۲۱)

● وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يَقْنُتُ السَّنَةَ كُلَّهَا فِي الْوُتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ. رواه محمد بن الحسن فی کتاب الآثار و اسنادہ مرسل جید . ترجمہ:- حضرت ابراہیمؓ روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ پورے سال وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (کتاب الآثار باب الْقُنُوتِ فِي الصَّلَاةِ ص ۴۳ حدیث نمبر ۲۱۱)

● وَعَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ أَنَّ الْقُنُوتَ وَاجِبٌ فِي الْوُتْرِ فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَإِذَا أَرَدْتُ أَنْ تَقْنُتَ فَكَبِّرْ وَإِذَا أَرَدْتُ أَنْ تَرْكَعَ فَكَبِّرْ أَيْضًا. رواه محمد بن الحسن فی کتاب الحج و الآثار و اسنادہ صحیح . ترجمہ:- حضرت حماد ابراہیم نخعیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رمضان اور اسکے علاوہ وتر میں قنوت رکوع سے پہلے واجب ہے اور جب آپ قنوت پڑھنے کا ارادہ کریں تو تکبیر کہیں اور جب رکوع کا ارادہ کریں تب بھی تکبیر کہیں۔ (کتاب الحج باب عَدَدِ الْوُتْرِ ج ۱ ص ۲۰۰، کتاب الآثار باب الْقُنُوتِ فِي الصَّلَاةِ ص ۴۳ حدیث نمبر ۲۱۲)

دعا

قنوت نازلہ :- غیر مقلدین وتر میں جو دعا پڑھتے ہیں اسے عرف عام میں قنوت نازلہ کہتے ہیں جو مخصوص مواقع پر پڑھی

جاتی ہے وہ ہے اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيمَنْ هَدَيْتَ.....

قنوت وتر :- ● حضرت اسودؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ وہ وتر کی آخری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے پھر رفع یدین کرتے تھے (ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے تھے اور اللہ اکبر کہتے تھے) پھر رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (جزء رفع یدین بخاری ص ۲۰، طحاوی ج ۱ ص ۳۹۱)

دعائے قنوت :- حضرت خالد بن ابی عمرانؓ سے روایت ہے کہ اس اثناء میں جب کہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ مضر کے خلاف دعا کرتے تھے حضرت جبریل علیہ السلام آئے پس اشارہ کیا آپ ﷺ کی طرف کہ آپ ﷺ خاموش ہو جائیں۔ پس آپ ﷺ خاموش ہو گئے پھر (جبریل نے) فرمایا اے محمد ﷺ بے شک اللہ نے نہیں بھیجا آپ کو سب (دشمن) کیلئے اور نہ لعنت کیلئے اور بے شک آپ کو بھیجا رحمت بنا کر اور نہیں بھیجا عذاب بنا کر۔ نہیں ہے آپ ﷺ پر کوئی چیز کہ آپ ﷺ ان کیلئے توبہ کریں یا عذاب دیں۔ اسلئے کہ وہ ظالم ہیں۔ کہا بھر سکھایا آپ ﷺ کو یہ قنوت: ”اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغِيْثُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُشْكِرُكَ وَنُحْفَدُ وَنَرْجُو اَرْحَمَ رَحِمَتِكَ وَنَخْشَىٰ عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكَفَّارِ مُلْحَقٌ“۔ (مدون کبریٰ ج ۱ ص ۱۰۰، ابوداؤد فیٰ مراسل باب ماجاء فی من نام عن الصلوٰۃ ص ۸، سنن بیہقی باب دُعَاءِ الْقُنُوْتِ، الفاظ کے فرق کیساتھ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۵۱۸)

(مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۲۹۹... ۳۳۸، اعلاء السنن ج ۶ مکمل)

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کی مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائے گا کہ یہ حنفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتۂ اتحاد پر لایا نہ والے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔

غیر مقلدین کا وتر پڑھنے کے سلسلے میں مختلف مقامات میں اختلاف ہے مثلاً
بعض غیر مقلدین تین رکعات وتر پڑھتے ہیں اور بعض تین رکعات کو مشروع نہیں مانتے۔
بعض تیسری رکعت میں تکبیر کہہ کے رفع یدین کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے۔
بعض رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے ہیں اور بعض رکوع کے بعد۔
بعض ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں اور بعض ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

اس سے ثابت ہے ہوتا ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے اور تقلید میں نظم و ضبط ملت ہے۔

سوالات

- (۱) صحیح حدیث پیش کیجئے کہ وتر میں دعائے قنوت رکوع کے بعد ہے؟
 (۲) نماز وتر میں دونوں ہاتھ اٹھا کر (جیسے دعا میں کرتے ہیں) دعائے قنوت پڑھنا چاہئے صریح حدیث پیش کیجئے؟

نماز تراویح

تراویح کی تعریف :- ”سُمِّيتِ الصَّلَاةُ فِي الْجَمَاعَةِ فِي لَيْلِائِي رَمَضَانَ التَّرَاوِيحُ“ جو نماز جماعت کے ساتھ رمضان کی راتوں میں پڑھی جاتی ہے، اس کا نام تراویح ہے (فتح الباری ج ۴ ص ۱۷۸)۔ اور حافظ عبد اللہ صاحب ضمیمہ رکعات التراویح میں لکھتے ہیں نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہ رمضان کی مبارک راتوں میں عشاء کے بعد پڑھی جائے اور یہی قسطلانی ج ۳ ص ۴۸۳ میں بھی مذکور ہے۔

احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ غرض پوری امت محمدیہ تراویح کی نماز کے مسنون ہونے کی قائل ہے سوائے روافض کے۔ گویا فی زمانہ تراویح کی نماز کے سلسلہ میں نین مواقف ہیں (۱) روافض سرے سے نماز تراویح ہی کا انکار کرتے ہیں (۲) غیر مقلدین بھی نماز تراویح کا انکار کرتے ہیں سوائے ان کے ایک فرقہ اہلحدیث کے۔ اور فرقہ اہلحدیث میں بھی دو گروہ ہیں ایک گروہ روزانہ آٹھ رکعات نماز تراویح کو مسنون مانتا ہے اور دوسرا روزانہ نماز تراویح کا منکر ہے (۳) احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ جمیع اہلسنت والجماعت روزانہ بیس رکعات نماز تراویح کو سنت مانتے ہیں۔

غیر مقلدین کا موقف :- جمہور کے مسالک کے خلاف تقریباً سو سال سے ان کے نزدیک صرف آٹھ رکعات تراویح کی نماز سنت ہے اور آٹھ سے زیادہ بدعت ہے۔ اس فرقہ کے معرض وجود میں آنے کے بعد کچھ عرصہ تک ان کے نزدیک بھی بیس رکعات ہی سنت تھی (ملاحظہ ہو فتاویٰ ثنائیہ)۔ لیکن بعد میں انہیں جدید انکشاف ہوا کہ ”آج تک جو امت کرتی آئی ہے اور خود ان کا بھی جو عمل تھا وہ غلط تھا، صحیح یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے آٹھ رکعات نماز کی روایت پیش کی ہے (جو تہجد کے لئے ہے) دراصل وہی آٹھ رکعات تراویح سنت ہے۔

جو حضرات ”آٹھ رکعات“ کو تراویح کا نام دیتے ہیں دراصل یہ انکی کم علمی ہے کیونکہ ”ترویجہ“ کہتے ہیں چار رکعات کے بعد آرام کرنے کو۔ اسلئے اصطلاحاً ”چار رکعات“ کو ترویجہ کہتے ہیں اور آٹھ رکعات کیلئے تشبیہ کا صیغہ آتا ہے یعنی ترویجتمان یا ترویجتین۔ اور بارہ رکعات یا اس سے زائد کیلئے لفظ ”تراویح“ کا انطباق ہوتا ہے اس لئے قاعدے کے مطابق تراویح تو آٹھ رکعات ہو سکتی ہی نہیں۔

جمہور امت تراویح کی نماز کے مسنون ہونے کی قائل ہے سوائے روافض کے۔ گویا غیر مقلدین بھی روافض کی طرح

نماز تراویح کے منکر ہیں کیونکہ وہ نماز تراویح کو الگ کوئی نماز نہیں مانتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ رمضان میں تہجد ہی تراویح ہو جاتی ہے۔ یہ انکا ”قیاس غلط“ ہے۔ اسکی دلیل میں انکے پاس قرآن کریم کی کوئی آیت یا حدیث صحیح صریح نہیں ہے۔ جب کہ جمیع اہلسنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ ”تراویح“ ایک الگ نماز ہے اور اسلاف کا متواتر عمل چلا آ رہا ہے کہ وہ تراویح اور تہجد دونوں کو علاحدہ علاحدہ سمجھتے تھے اور پڑھتے تھے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت فاروق اعظمؓ تراویح کے بعد تہجد کی ترغیب دیا کرتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو (نماز تہجد) وہ افضل ہے اس نماز (تراویح) سے جو تم پڑھتے ہو۔

(صحیح بخاری باب فُضِّلَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ ج ۱ ص ۲۶۹)

(۲) اسی طرح طلق بن علیؓ نے ایک مسجد میں نماز (تراویح) باجماعت پڑھائی پھر اپنی مسجد میں جا کر نماز (تہجد) باجماعت پڑھائی۔ (ابوداؤد باب فِی وَقْتِ الْوُجُوحِ ص ۲۰۳)

(۳) خود امام بخاریؒ (جن کی روایت کا حوالہ دیکر غیر مقلدین آٹھ رکعات پڑھتے ہیں) کا عمل یہ تھا کہ رمضان کی رات کے ابتدائی حصہ میں اپنے شاگردوں کو لیکر باجماعت نماز پڑھتے اور ایک قرآن ختم کرتے تھے اور سحر کے وقت اکیلے پڑھتے تھے اور ہر تیسرے دن ایک ختم کرتے۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۲۸۱)

”اس طرح امت میں تراویح کے بعد تہجد پڑھنا متواتر عمل چلا آ رہا ہے یہاں تک کہ فرقہ غیر مقلدین کے بانی میان نذیر الحسین دہلوی بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے (الحیاء بعد المماتہ ص ۱۳۸)۔ سب سے پہلے چنانوالی مسجد لاہور کے غیر مقلد امام عبداللہ چکڑالوی جو بعد میں منکرین حدیث کے بانی بنے انہوں نے ایک رسالہ ”القول الفصیح“ نامی لکھا جس میں تہجد اور تراویح کو ایک نماز قرار دیا۔ بعد میں غیر مقلدین نے اس اختلاف کو اپنا مسلک بنا لیا اب وہ تہجد کی آٹھ رکعات پڑھ کر اسی کو تراویح اور اسی کو تہجد کہہ لیتے ہیں“ (تجلیات صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳)

تہجد اور تراویح علاحدہ علاحدہ نمازیں ہیں ان دونوں میں فرق کیلئے چند مزید

نکات وتفصیلات :- (۱) نماز تہجد کی مشروعیت نص قرآنی ہوئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے ”وَمِنَ اللَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ“ اور کچھ رات جاگتارہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی ہے آپ کیلئے“ (ترجمہ شیخ الہند ص: ۲۸۵، سورہ بنی اسرائیل پ: ۱۵) (يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا) اے کپڑے میں لیٹنے والے کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات کو۔ (ترجمہ شیخ الہند ص: ۶۱، سورہ مزمل پ: ۲۹) جب کہ تراویح کی مشروعیت حدیث شریف سے ہے:

”عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ عَلَيْكُمْ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ. ترجمہ :- حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر رمضان کے روزے فرض فرمایا ہے اور میں نے تمہارے لئے اسکے قیام (تراویح) کو مسنون قرار دیا

ہے۔“ (نسائی ج ۱ ص ۲۳۹ بَابُ ثَوَابِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، ابن ماجہ ص: ۹۴، بَابُ مَا جَاءَ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۶، نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۷، بَابُ صَلَوةِ التَّرَاوِيحِ)

(۲) تہجد کی مشروعیت مکہ میں ہوئی ہے جیسا کہ واضح ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کی سورت ہے۔ اور تراویح کی مشروعیت مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے جیسا کہ روایات کے سیاق و سباق سے ثابت ہے۔

(۳) حضرت امام بخاری کا عمل بتاتا ہے کہ وہ دونوں کو علاحدہ علاحدہ سمجھتے تھے، انکا معمول تھا کہ رمضان کی رات کے ابتدائی حصے میں اپنے شاگردان رشید کو لے کر باجماعت نماز پڑھتے اور ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ اور سحر کے وقت اکیلے پڑھتے تھے اور ہر تیسرے دن ایک ختم کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں ”كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيُّ إِذَا كَانَ أَوَّلَ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ يَجْتَمِعُ إِلَيْهِ أَصْحَابُهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ وَيَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ عَشْرِينَ آيَةً وَكَذَلِكَ إِلَى أَنْ يَخْتِمَ الْقُرْآنَ. وَكَانَ يَقْرَأُ فِي السَّحَرِ مَا بَيْنَ النِّصْفِ إِلَى الثُّلُثِ مِنَ الْقُرْآنِ يَخْتِمُ عِنْدَ السَّحَرِ فِي كُلِّ ثَلَاثِ لَيَالٍ. ترجمہ:- رمضان المبارک کی رات کے ابتدائی حصہ میں امام محمد بن اسماعیل بخاری کے یہاں ان کے شاگرد جمع ہو جاتے پھر وہ انہیں نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے تھے ایسے ہی ختم قرآن تک سلسلہ جاری رہتا اور سحر کے وقت (تہجد میں) نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے اور سحر کے وقت ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔“ (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص: ۲۸۱)

(۴) تراویح کی نماز آپ ﷺ کے عہد مبارک میں اور حضرت عمرؓ کے بابرکت عہد میں ہمیشہ اول شب میں پڑھی گئی جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جب پہلے دن تراویح سے فراغت ہوئی تو تہائی رات گزر چکی تھی. حَتَّىٰ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۵، ترمذی ج ۱ ص ۱۶۶) دوسرے دن جب فراغت ہوئی تو آدھی رات گزر چکی تھی. حَتَّىٰ ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ۔ اور تیسرے دن اول شب سے رات کے اخیر حصہ تک ادا کرتے رہے یعنی تیسرے دن آپ ﷺ نے اس قدر لمبی نماز پڑھائی کہ رات کے شروع سے سحری تک پڑھائی۔ حضرات صحابہ کرامؓ کو سحری کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو گیا. حَتَّىٰ خَشِينَا أَنْ يَفُوتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السُّحُورُ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۵، بَابُ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ، ترمذی ج ۱ ص ۱۶۶، تحفۃ الاحوذی میں ہے وَفِيهِ ثُبُوتُ صَلَوةِ التَّرَاوِيحِ بِالْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ أَوَّلَ اللَّيْلِ یعنی اس حدیث میں شروع رات میں مسجد میں باجماعت نماز تراویح کے شروع ہونیکا ثبوت ملتا ہے (تحفۃ الاحوذی شرح الترمذی ج ۳ ص ۶۰۵ بَابُ مَا جَاءَ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ) حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں تراویح کے اول شب میں پڑھے جانیکا ثبوت عبدالرحمن بن عبدالقاری کی روایت سے ہوتا ہے۔

جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب جماعت تراویح کو دیکھا جس کی امامت حضرت ابی بن کعبؓ کر رہے تھے (اور یہ جماعت حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ تھی) تو فرمایا: ”قَالَ عُمَرُ نِعْمَةَ الْبِدْعَةِ هَذِهِ اور فرمایا: وَاللَّيْ

تَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ اللَّيْلِ تَقُومُونَ يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ یعنی یہ کیا ہی اچھی نوپید چیز ہے اور وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو (تہجد) اس نماز (تراویح) سے افضل ہے“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۹ بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ، شرح السنن ج ۳ ص ۷۱، حدیث نمبر ۹۹۰، موطا امام مالک ص ۴۰، جمع الفوائد ج ۱ ص ۳۱۷)

فائدہ:- نماز تہجد جو آخر شب میں پڑھی جاتی ہے اس نماز سے افضل ہے جو تم اس وقت (اول شب میں) پڑھ رہے ہو۔ یعنی تراویح سے چونکہ اکثر لوگ تراویح پڑھ کر تہجد کو نہیں اٹھ پاتے تھے اسلئے حضرت عمرؓ کا مقصود ان کو تہجد کی رغبت دلانا تھا کہ افضل کو ترک نہ کرنا چاہئے۔ بخاری کی اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ تراویح الگ نماز ہے اور تہجد الگ نماز ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نماز تہجد رات کے اخیر حصہ میں پڑھتے تھے۔ حضرت اسودؓ فرماتے ہیں: سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَ صَلَاةُ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ؟ قَالَتْ كَانَ يَنَامُ أَوَّلَهُ وَيَقُومُ آخِرَهُ فَيُصَلِّي ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى فِرَاشِهِ. یعنی حضرت اسودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کی رات کی نماز (نماز) کی کیفیت کیا ہوتی تھی۔ فرمایا: آپ ﷺ رات کے شروع حصہ میں آرام فرماتے تھے اور رات کے اخیر حصہ میں بیدار ہوتے، نماز پڑھتے پھر واپس بستر پر تشریف لاتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۴، بَابُ مَنْ نَامَ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَخْبَى آخِرَهُ)

نیز صحیحین کی دوسری روایات میں ہے کہ آپ ﷺ تہجد اخیر شب میں پڑھتے، تہجد سے فراغت کے بعد وتر ادا فرماتے اسکے بعد کبھی دو رکعت نفل ادا فرماتے اور کبھی نہ پڑھتے پھر کبھی آرام کیلئے لیٹتے اور کبھی نہ لیٹتے کہ فجر کی اذان ہو جاتی ہے (صحیح بخاری بَابُ كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ وَكَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ج ۱ ص ۱۵۳، صحیح مسلم بَابُ صَلَاةِ اللَّيْلِ وَعَدَدِ رَكَعَاتِ النَّبِيِّ ﷺ... الخ ج ۱ ص ۲۵۳)

فائدہ:- مذکورہ روایات سے ثابت ہوا کہ نماز تہجد رات کے اخیر حصہ میں پڑھی جاتی تھی۔ جیسا کہ تراویح رات کے شروع حصہ میں پڑھی جاتی تھی، اس تفصیل سے دونوں کے درمیان واضح طور پر مغایرت ثابت ہوتی ہے۔

(۵) آپ ﷺ نے نماز تہجد باقاعدہ جماعت سے کبھی نہیں ادا فرمائی ہمیشہ تنہا ادا فرماتے تھے، بغیر دوسروں کو بلائے ہوئے خود کوئی آکر شامل ہو گیا ہو تو ہو گیا ہو جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نبی کریم ﷺ کیساتھ ایک مرتبہ نماز تہجد ادا کی یعنی وہ آکر خود شامل ہو گئے تھے۔ ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَثُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَقُمْتُ أَصَلِّي مَعَهُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِرَأْسِي وَأَقَامَ عَنْ يَمِينِهِ. ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی خالہ حضرت ميمونہؓ کے پاس رات گزاری آپ ﷺ بیدار ہوئے اور (وضو کے بعد) رات کی نماز (تہجد) پڑھنے لگے تو میں بھی کھڑے ہو کر آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے لگا (مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ) میں بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ ﷺ نے میرا سر (کان) پکڑ کر اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔“ (بخاری بَابُ إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِهِ ۱: ۹۷، یہ روایت تفصیل کیساتھ موطا امام مالک ص ۴۲ میں موجود ہے، باب صلاة النبي ﷺ في الوتر، ابوداؤد: ۱۹۳،

بَابُ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ) لیکن آپ ﷺ نے تینوں دن نماز تراویح باجماعت پڑھائی جیسا کہ حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں تراویح کیلئے باقاعدہ جماعت ثابت ہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنے گھروالوں اور عورتوں کو بلا کر شامل کیا تھا (ترمذی ج ۱ ص ۱۶۶، بَابُ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۵، بَابُ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ)

عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ مَالِكٍ الْقُرْظِيِّ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ فَرَأَى نَاسًا فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ يُصَلُّونَ فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هَؤُلَاءِ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَؤُلَاءِ نَاسٌ لَيْسَ مَعَهُمُ الْقُرْآنُ وَأَبِيُّ بَنٍ كَعْبٍ يَقْرَأُهُمْ مَعَهُ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ فَقَالَ قَدْ أَحْسَنُوا، وَقَدْ أَصَابُوا وَلَمْ يَكُفِّرْ ذَلِكَ لَهُمْ (رواه البيهقي في المعرفة واسناده جيد وله شاهد دون حسن عند أبي داود من حديث أبي هريرة) ترجمہ:- حضرت ثعلبہ بن مالک قرظیؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک رات رمضان میں نکلے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ مسجد کے گوشہ میں نماز پڑھ رہے ہیں، ارشاد فرمایا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں ایک بتلانے والے نے بتلایا کہ یا رسول اللہ! یہ لوگ حافظ نہیں ہیں۔ حضرت ابی ابن کعبؓ پڑھ رہے اور یہ لوگ انکے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا بہت اچھا کیا اور درست کیا۔ آپ نے اس کو ناپسند نہیں قرار دیا (بیہقی، فی المعرفة السنن والآثار ج ۲ ص ۳۹، حدیث نمبر ۵۴۰۰، آثار السنن ج ۲ ص ۴۹، بَابُ فِي جَمَاعَةِ التَّوَارِيخِ، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۴۹۵، کذا فی ابوداؤد بَابُ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ ج ۱ ص ۱۹۵)

فائدہ: اس روایت سے صاف ثابت ہے کہ نماز تراویح باجماعت ہو رہی تھی آپ ﷺ نے اسکی تائید و توثیق فرمائی اور پسند فرمایا۔ اور متعدد روایات سے تراویح باجماعت ثابت ہو رہی ہے۔ مذکورہ تفصیلات سے ثابت ہوا کہ تہجد اور تراویح الگ الگ دو نمازیں ہیں ایک نہیں۔ دونوں کو ایک قرار دینا بالکل غلط ہے

(۶) شروع زمانہ اسلام میں نماز تہجد آپ ﷺ اور تمام امت پر فرض تھی جب نماز پنجگانہ فرض ہو گئی تو ایک سال بعد نماز تہجد کی فرضیت امت سے منسوخ ہو گئی، البتہ نبی کریم ﷺ کے حق میں اس کی فرضیت برابر رہی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: (وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ) اور رات کے ایک حصہ میں تہجد پڑھا کیجئے یہ خاص آپ کیلئے ایک زائد چیز ہے (سورہ بنی اسرائیل پ ۱۵)

نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی اس وقت جب کہ حضرات صحابہ کرام کے قدم ورم کر جاتے، جیسا کہ ابوداؤد میں ہے: ثُمَّ نَزَلَ آخِرُهَا فَصَارَ قِيَامُ اللَّيْلِ تَطَوُّعًا بَعْدَ فَرِيضَةٍ یعنی جب سورہ منزل کا آخری حصہ نازل ہوا تو قیام اللیل (تہجد) فرضیت کے بعد نفل بن گیا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۰، بَابُ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ)

زرقانی شرح موطا میں ہے: كَانَ قِيَامُ اللَّيْلِ فَرَضًا عَلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُونَ أُمَّتِهِ یعنی تہجد کی نماز صرف آپ پر فرض تھی، آپ ﷺ کی امت پر نہیں۔ (زرقانی شرح موطا ج ۱ ص ۲۱۱)

فائدہ:- جب نماز تہجد ابتداء اسلام میں مسلمانوں پر فرض تھی اس وقت نماز تراویح کا وجود بھی نہ تھا۔ جب بعد ہجرت مدنی

زندگی میں رمضان کا روزہ فرض ہوا تو اسی کیساتھ نماز تراویح کے فرض سے زائد (نفل) ہونیکا اعلان بھی کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: جَعَلَ اللَّهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا یعنی اللہ تعالیٰ نے اسکے روزے کو فرض فرمایا ہے اور اس کی رات کی نماز (تراویح) کو نفل (زائد از فرض) قرار دیا ہے۔ (رواہ البیہقی مشکوٰۃ ص ۱۷۳، عن سلمان الفارسی)

اگر نماز تہجد ہی تراویح بنتی تو قیام لیلہ تطوُّعاً (اس کی رات کی نماز کو نفل) فرمانے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ صرف یہ ارشاد فرمادیتے کہ اب تک جو نماز تہجد رمضان وغیر رمضان میں فرض تھی اب وہی رمضان وغیر رمضان میں نفل بن گئی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ دونوں نمازیں ایک نہیں بلکہ علاحدہ علاحدہ دو نمازیں ہیں۔

(۷) حضرت ابو ذرؓ کی روایت میں چوتھے دن نماز تراویح کیلئے حاضر نہ ہونے کی وجہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی: ”خَشِيتُ أَنْ تُفَرَّضَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا“ یعنی تمہارے شوق و رغبت کو دیکھ کر مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر یہ نماز فرض قرار دے دی جائے پھر تم اسکی ادائیگی سے عاجز رہو“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۹ بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۹ بَابُ التَّرْغِيبِ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ وَهُوَ التَّرَاوِيحُ)

اگر تہجد و تراویح ایک ہی نماز ہوتی تو آپ ﷺ یہ جملہ نہ ارشاد فرماتے کہ مجھے تراویح کی فرضیت کا اندیشہ ہو گیا۔ بلکہ یہ ارشاد فرماتے کہ: خَشِيتُ أَنْ تُعَادَّ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ فَرِيضَةً، یعنی مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم پر تہجد کی نماز دوبارہ نہ فرض کر دی جائے۔ کیونکہ تہجد کی فرضیت ابتداء اسلام میں ہو چکی تھی پھر امت سے اس کی فرضیت ساقط کر دی گئی۔

خلاصہ کلام: اندیشہ فرضیت کے اعادہ کا ہوتا، نہ کہ از سر نو فرض ہونیکا خدشہ ظاہر کیا گیا ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تہجد کے علاوہ دوسری نماز تھی، یعنی تراویح جس کی سنیت زبان رسالت ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ نسائی (ج ۱ ص ۲۳۹، ابن ماجہ ص ۹۲) میں ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ دونوں ایک نمازیں نہیں ہیں۔

(۸) اگر تہجد و تراویح ایک ہی نمازیں ہوتیں تو تراویح کی بھی قضاء ہوتی، حالانکہ دونوں کو ایک کہنے والے بھی تراویح کی قضاء کے قائل نہیں ہیں۔ اور نہ کسی روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے تراویح کی قضاء فرمائی ہو۔ جبکہ تہجد کی قضاء صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جیسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے: ”إِذَا فَاَتَتْهُ الصَّلَاةُ مِنَ اللَّيْلِ مِنْ وَجَعٍ أَوْ غَيْرِهِ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً“ یعنی آپ ﷺ سے جب تہجد کی نماز در دیا تکلیف (یا نیند و تھکان) کی وجہ سے فوت ہو جاتی تو آپ دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے۔“ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۶، بَابُ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ، کذا فی ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۰، بَابُ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ، نسائی ج ۱ ص ۱۹۹، شرح السنہ ج ۳ ص ۶۹، حدیث نمبر ۹۸۶)۔ اور نسائی شریف میں ہے: ”وَكَانَ إِذَا شَغَلَهُ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ نَوْمٌ أَوْ مَرَضٌ أَوْ وَجَعٌ صَلَّى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً“ یعنی جب بوجہ درد، مرض اور نیند تہجد کی نماز آپ سے فوت ہو جاتی تو آپ دن کو بارہ رکعت پڑھ لیتے تھے“ (نسائی ج ۱ ص ۱۸۲، بَابُ قِيَامِ اللَّيْلِ، ترمذی ج ۱ ص ۱۰۰، أَبْوَابُ صَلَاةِ اللَّيْلِ)

فائدہ:۔ دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ تہجد کی الگ نماز ہے اور تراویح کی الگ نماز ہے۔

ازالہ شبہ:- اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ جب ہمارے نزدیک تہجد تراویح ایک ہیں تو تہجد کی قضاء کے ثبوت سے تراویح کے قضاء کا ثبوت فراہم ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس تہجد کی قضاء کا ذکر احادیث میں ہے وہ بارہ رکعت ہے اور آپ کے نزدیک تراویح آٹھ رکعت ہے۔ لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

خلاصہ بحث:- مذکورہ تمام وجوہ فرق کی بنیاد پر علماء محققین نے ثابت کیا ہے اور عمل کیا ہے کہ تہجد اور تراویح دو نمازیں الگ الگ ہیں جیسا کہ فقہ حنفی کے علاوہ بھی اس کی صراحت ملتی ہے۔ فقہ حنبلی کی کتاب المقنع میں ہے ”ثُمَّ التَّرَاوِیْحُ وَهِيَ عِشْرُونَ رَكْعَةً يُقْرَأُ بِهَا فِي رَمَضَانَ بِجَمَاعَةٍ وَيُؤْتَرُ بَعْدَهَا فِي الْجَمَاعَةِ فَإِنْ كَانَ لَهُ تَهْجُدُ جَعَلَ الْوُتْرَ بَعْدَهُ۔“ یعنی پھر تراویح ہے اور اس کی بیس رکعتیں ہیں باجماعت ادا کرے اور اس کے بعد وتر باجماعت ادا کرے اور اگر وہ تہجد کا عادی ہو تو وہ وتر تہجد کے بعد ادا کرے (المقنع ج ۱ ص ۱۸۷)۔ اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں الگ الگ ہیں: هَذَا كِتَابٌ فِي الْفِقْهِ عَلَى مَذْهَبِ حَنَابِلَةِ عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ الْخَلِیْیِیِّ إِمَامِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ كِتَابٌ فِي الْفِقْهِ عَلَى مَذْهَبِ حَنَابِلَةٍ مَطَابِقٌ لِكِتَابِ هَذَا مِنْهُ مَعْلُومٌ هُوَ أَنَّ إِمَامَ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ كَتَبَ تَرَاوِیْحَ وَتَهْجُدَ كَوَالِیْکَ الِیَّ سَمِعْتُهُ۔

یہ وجوہ فرق بیان کر دی گئی ہیں۔ جب کہ انکے علاوہ اور بھی بیان کی جاسکتی ہیں۔ محققین علماء نے اپنے اپنے مقام پر ثابت بھی کیا ہے۔ مثلاً حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے فتاویٰ عزیز یہ (ص: ۱۱۹) میں حضرت مولانا قاسم صاحب حب نانوتویؒ نے اپنے رسالہ لطائف قاسمیہ (ص: ۷) میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے اپنے رسالہ تراویح (ص: ۳۰۶) میں حضرت محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ نے اپنے رسالہ رکعات تراویح (ص: ۳۷) میں اور بعد کے علماء نے بھی ثابت فرمایا ہے۔ فَجَزَاهُمْ اللَّهُ تَعَالَى أَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

نکتہ اختلاف:-

غیر مقلدین:- غیر مقلدین کے نزدیک نماز تراویح آٹھ رکعات سنت ہے اور آٹھ رکعات سے زیادہ بدعت ہے۔
جمیع اہلسنت والجماعت:- جمیع اہلسنت والجماعت کے نزدیک نماز تراویح بیس رکعات سنت ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل

آٹھ رکعات تراویح کو سنت ثابت کرنے کے سلسلہ میں غیر مقلدین دو قسم کی روایات پیش کرتے ہیں۔

(۱) غیر صریح روایات۔ (۲) صریح روایات۔

غیر صریح روایات:- ● عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلَوةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي

أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطَوْلِهِنَّ ثُمَّ يَصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطَوْلِهِنَّ ثُمَّ يَصَلِّي ثَلَاثًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُؤْتِرَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنِي تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔ ترجمہ:- حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن روایت کرتے ہیں انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کی نماز (شبینہ) کیسی ہوتی تھی۔ فرمایا رمضان اور اسکے علاوہ گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھتے۔ ان کی طوالت اور خوبی بس کیا پوچھتے ہو پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ فرمایا عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل نہیں سوتا۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم، بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ ج ۱ ص ۱۵۴، صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرين، بَابُ صَلَوةِ اللَّيْلِ وَعَدَدِ رَكَعَاتِ النَّبِيِّ ﷺ ج ۱ ص ۲۵۴) **استدلال پر اعتراضات:-** اس روایت کو تراویح کے سلسلے میں بطور استدلال پیش کرنا کئی وجوہ سے قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ۔ (۱) یہ روایت امام بخاری کے حوالے سے غیر مقلدین آٹھ رکعات تراویح کیلئے پیش کرتے ہیں جب کہ امام بخاریؒ کا عمل بیس رکعات کا تھا چنانچہ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۱ میں ہے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيُّ إِذَا كَانَ أَوَّلَ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ يَجْتَمِعُ إِلَيْهِ أَصْحَابُهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ وَيَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ عَشْرِينَ آيَةً وَكَذَلِكَ إِلَى أَنْ يَخْتِمَ الْقُرْآنَ. وَكَانَ يَقْرَأُ فِي السَّحَرِ مَا بَيْنَ النِّصْفِ إِلَى الثَّلَاثِ مِنَ الْقُرْآنِ يَخْتِمُ عِنْدَ السَّحَرِ فِي كُلِّ ثَلَاثِ لَيَالٍ۔ ترجمہ:- رمضان المبارک کی رات کے ابتدائی حصہ میں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے یہاں ان کے شاگرد جمع ہو جاتے پھر وہ انہیں نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے تھے ایسے ہی ختم قرآن تک سلسلہ جاری رہتا اور سحر کے وقت (تہجد میں) نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے اور سحر کے وقت ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ اسلئے غیر مقلدین کا اس کو تراویح کی دلیل میں پیش کرنا ناقابل قبول ہے۔

(۲) یہ روایت اصل میں تہجد کے بارے میں ہے کیونکہ اسمیں رمضان اور غیر رمضان دونوں کا تذکرہ ہے تراویح حضور ﷺ سے عشاء کے بعد منقول ہے جب کہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تہجد رات کے اخیر حصے میں پڑھنے کی تھی اور آخر میں آپ وتر کرتے تھے۔ اور روایت میں یہ الفاظ ہیں ”يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُؤْتِرَ“ یعنی حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوتے ہیں“ یہ جملہ اس بات پر دلیل ہے کہ یقیناً یہ نماز تہجد کی تھی۔ اگر غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ رمضان میں تہجد ہی تراویح ہو جاتی ہے تو اس کی دلیل میں قرآن کریم کی کوئی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث پیش کریں ورنہ یہ استدلال ناقابل قبول ہے۔

(۳) حضرت عائشہؓ نے رات کی نماز کے بارے میں صحیح روایت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری بَابُ كَيْفِ صَلَوةِ اللَّيْلِ وَكَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصَلِّي بِاللَّيْلِ ج ۱ ص ۱۵۳) اس لئے صرف

گیارہ پر انحصار کیوں؟

(۴) امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل میں ایک باب کا عنوان یہ قرار دیا ہے بَابُ عَدَدِ الرُّكْعَاتِ الَّتِي يَقُومُ بِهَا الْإِمَامُ لِلنَّاسِ فِي رَمَضَانَ یعنی ان رکعتوں کی تعداد کا باب جو امام لوگوں کیساتھ رمضان میں پڑھے گا اس باب میں وہ رکعات تراویح کی تعداد بتانے کیلئے بہت سی روایتیں لائے ہیں مگر حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو جو سب سے صحیح اور اعلیٰ درجہ کی، ذکر کرنا تو درکنار اشارہ تک نہیں کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے علم و تحقیق میں بھی اس حدیث کا کوئی تعلق تراویح سے نہیں ہے۔

(۵) یہ حدیث خود غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں کیونکہ اس روایت میں چار، چار اور تین رکعات پڑھنے کا معمول ذکر کیا گیا ہے اور غیر مقلدین دو دو رکعات پڑھتے ہیں۔ گویا اس کی خلاف ورزی سنت کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں دوسروں پر اس سے حجت قائم کرنا یا کسی دعویٰ کے ثبوت میں اس کو پیش کرنا بالکل خلاف انصاف و دیانت ہے۔ اسلئے بطور استدلال ہرگز قابل قبول نہیں۔

سب سے اہم بات یہ کہ مذکورہ روایت تراویح کے سلسلہ میں غیر صریح ہے اور غیر صریح روایات بطور استدلال قیاس کا درجہ رکھتی ہیں اسلئے اس سے ”سنت“ ثابت نہیں کی جاسکتی۔

اگر غیر مقلدین اس باب میں دیگر غیر صریح روایات پیش کرتے ہیں تو وہ صرف قیاس کا درجہ رکھتی ہیں اسلئے بطور

استدلال ناقابل قبول ہیں

صریح روایات :- ● وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ وَأَوْتَرَفَلَمَّا كَانَتِ الْقَابِلَةُ اجْتَمَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا أَنْ يُخْرَجَ فَلَمْ يَخْرُجْ فَلَمْ نَزَلْ فِيهِ حَتَّى أَصْبَحْنَا ثُمَّ دَخَلْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ اجْتَمَعْنَا الْبَارِحَةَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا أَنْ تُصَلِّيَ بِنَا فَقَالَ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ. ترجمہ:- حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم کو نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک میں آٹھ رکعات (تراویح) وتر پڑھائی، جب دوسری رات آئی تو ہم سب مسجد میں جمع ہوئے اور ہمیں امید تھی کہ آپ ﷺ نکلیں گے لیکن آپ ﷺ نہیں نکلے تو ہم مسجد میں صبح تک رکے رہے پھر ہم نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم سب گزشتہ رات مسجد میں جمع تھے اور ہمیں امید تھی کہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں گے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے۔ (المعجم الصغیر للطبرانی ص ۱۹۰، قیام اللیل کتاب قیام رمضان ص ۱۵۵، صحیح ابن

خزیمہ ج ۱ ص ۱۳۸ حدیث ص ۱۰۷، صحیح ابن حبان کتاب الصلوٰۃ ج ۵ ص ۶۲ حدیث ۲۴۰۱)

● وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ جَاءَ أَبِي بَنُ كَعْبٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ كَانَ مِنِّي اللَّيْلَةَ شَيْءٌ يَعْنِي فِي رَمَضَانَ قَالَ وَمَا ذَاكَ يَا أَبُي قَالَ نِسْوَةٌ فِي دَارِي قُلْنَا إِنَّا لَا نَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَصَلَّيْ بِصَلَاةِكَ

قَالَ فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَأَوْتَرْتُ فَكَانَتْ سُنَّةَ الرِّضَا وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا **ترجمہ:** حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ (میرے دل میں) ایک رات کے متعلق کچھ ہے یعنی رمضان کی رات کے متعلق، نبی کریم ﷺ نے پوچھا اے ابی وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ ہمارے گھر میں کچھ عورتیں تھیں انہوں نے کہا کہ ہم قرآن پڑھنا نہیں جانتیں لہذا ہم آپ کی اقتدا کریں گی، فرماتے ہیں کہ میں نے انکو آٹھ رکعات اور وتر پڑھائی آپ ﷺ نے (یہ سن کر) سکوت اختیار فرمایا چنانچہ یہ رضا مندی والی سنت ہو گئی۔

(مسند ابی یعلیٰ ج ۳ ص ۳۳۶ حدیث ۱۸۰۱، مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ، بَابُ فِي الرَّجُلِ يَوْمُ الْتِسَاءِ ج ۲ ص ۷۴)
استدلال پر اعتراضات :- پہلی روایت کے بارے میں صاحب آثار السنن نے لکھا ہے کہ وہ فی اسنادہ لین۔ اس کی اسناد پر کلام ہے۔

دوسری روایت کے بارے میں حضرت ابی بن کعبؓ کے اس واقعہ کے بارے میں یہی محقق نہیں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے۔ چنانچہ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ ”رکعات تراویح“ میں تحریر فرماتے ہیں۔
 ”حضرت ابیؓ کے اس واقعہ کو تراویح سے متعلق قرار دینا محض تحکم اور بالکل بے دلیل ہے، روایت کے کسی ایک لفظ سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہ تراویح کا واقعہ ہے بلکہ اسکا گھر کے اندر کا واقعہ ہونا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ وہ تہجد کا واقعہ ہے لہذا اس روایت کو تراویح کی آٹھ رکعتوں کے ثبوت میں پیش کرنے سے پہلے لازم تھا کہ اسکا تراویح ہونا روایت کے کسی لفظ سے ثابت کیا جاتا..... تراویح تو بالائے طاق یہی محقق نہیں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے اور جس نے اس واقعہ کی روایت میں ”فی رمضان“ کا لفظ بول دیا ہے وہ اپنی طرف سے اضافہ اور اصل روایت سے ایک زائد بات ہے، جو راوی نے اپنی سمجھ سے بڑھادی ہے، یعنی اصطلاح محدثین میں ”فی رمضان“ کا لفظ اس روایت میں مدرج ہے، اسکی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کی یہ روایت مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۵ (زیادات عبد اللہ) میں موجود ہے اور اس میں رمضان کا قطعاً ذکر نہیں ہے، اور مجمع الزوائد میں ”فی رمضان“ کا اضافہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے رمضان کا نام نہیں لیا تھا عیسیٰ یا اس سے نیچے کا کوئی راوی کہتا ہے کہ اس روایت کا تعلق رمضان سے تھا، لہذا جب حضرت جابرؓ نے یہ نہیں کہا، بلکہ نیچے کا کوئی راوی اپنی سمجھ سے اسکا مطلب یہ بیان کرتا ہے تو وہ روایت نہ ہوئی، بلکہ فہم راوی ہوا، جو ہو سکتا ہے کہ صحیح ہو اور ہو سکتا ہے کہ صحیح نہ ہو، بہر حال بحالت موجودہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت جابرؓ نے رمضان کا یہ واقعہ بتایا ہے۔ اب رہی قیام اللیل کی روایت تو اس میں بے شک جاء اَبِي فِي رَمَضَانَ کا لفظ ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ راوی کا تصرف اور ادراج ہے، اسلئے کہ جب سوائے عیسیٰ کے کوئی دوسرا اس واقعہ کا ناقل نہیں ہے، تو دو ہی صورتیں ممکن ہیں، ایک یہ کہ خود انہی نے تین دفعہ تین طرح بیان کیا، اسلئے قیام اللیل کی روایت میں فی رمضان کے لفظ کا مدرج ہونا ثابت ہوا، دوسری صورت یہ ہے کہ عیسیٰ نے کوئی ایک صورت اختیار کی ہو، یعنی رمضان کہا ہو، یا کچھ ذکر نہ کیا ہو اور نیچے کے راویوں کے تصرفات سے یہ

تین صورتیں پیدا ہوئی ہوں تو اس صورت میں فی رمضان کا لفظ اور بھی مشکوک ہو جائے گا، اور وہ حضرت جابرؓ کا تو درکنار عیسیٰ کا بھی بیان قرار نہ پاسکے گا۔“

پہلی اور دوسری دونوں روایات کی اسناد میں ایک راوی ہیں عیسیٰ بن جاریہ۔ وہ راوی دونوں میں مشترک ہیں اور اسماء الرجال کی کتابوں میں ان پر جرحیں کی گئی ہیں۔ ان جرحوں سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ تراویح کے سلسلہ میں جو صریح روایات آئی ہیں وہ کتنی ہیں اور وہ کن واقعات کی طرف اشارہ کرتی ہیں تاکہ تمام روایات کا حال نظروں کے سامنے رہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ محدث جلیلؒ کی رکعات تراویح کا اقتباس پیش کر دیا جائے جو درج ذیل ہے۔

محدث جلیلؒ حضرت جابرؓ کی پہلی روایت پیش کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ ”اسکے متعلق سب سے پہلے یہ جان لیجئے کہ یہ واقعہ فقط ایک رات کا ہے، اسلئے کہ روایت میں آگے یہ مذکور ہے کہ جب دوسری رات میں صحابہ مجتمع ہوئے تو آنحضرت ﷺ حجرہ سے برآمد نہیں ہوئے اور میزان الاعتدال میں ”لیلۃ“ ایک رات کی تصریح بھی موجود ہے، دوسری بات یہ معلوم کر لیجئے کہ رمضان میں آنحضرت ﷺ کے مسجد میں نماز پڑھنے اور آپ کیساتھ صحابہ کے شریک ہونیکا ایک واقعہ تو وہ ہے، جو صحیحین وغیرہ میں بروایت حضرت عائشہؓ منقول ہے، اس میں تین راتوں میں پڑھنا اور چوتھی رات میں حجرہ سے برآمد نہ ہونا مذکور ہے۔

دوسرا واقعہ وہ ہے جو بروایت حضرت انسؓ مسلم میں مذکور ہے، اور اسکی نسبت حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے ”وَ الظَّاهِرُ أَنَّ هَذَا كَانَ فِي قِصَّةِ أُخْرَى“ یعنی ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسرے قصہ میں ہوا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۸)

تیسری روایت حضرت جابرؓ کی ہے، جو اس وقت زیر بحث ہے اس کی نسبت یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی واقعہ ہے جس کو حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ہے، اسلئے کہ جابرؓ کے بیان میں صرف ایک رات نماز پڑھنا اور دوسری رات میں نہ آنا مذکور ہے، اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں واقعوں کے ایک ہونے میں تردد کا اظہار کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۸)

چوتھی روایت حضرت ابوذرؓ کی ہے جس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کا ایک سال رمضان کی تیسویں پچیسویں اور ستائیسویں رات میں مسجد کے اندر باجماعت تراویح پڑھنا بیان کیا ہے، یہ روایت ترمذی و ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔

پانچویں روایت زید بن ثابتؓ کی ہے، جس میں رمضان کی تصریح نہیں ہے، مگر ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی رمضان ہی کا واقعہ ہے۔

چھٹی روایت حضرت نعمان بن بشیرؓ کی ہے کہ ہم نے رمضان کی تیسویں رات میں آدھی رات تک قیام کیا، پھر ستائیسویں کو قیام کیا، تو ہم کو اندیشہ ہوا کہ آج سحری نہ کھاسکیں گے انکے علاوہ اور روایتیں بھی ہیں، غرض رمضان میں آنحضرت ﷺ کی نماز باجماعت کو بہت سے صحابہ بیان کرتے ہیں، مگر ان صحابیوں کے شاگردوں اور راویوں میں سے کوئی ایک شاگرد یا راوی ان صحابیوں سے ان رکعات کی تعداد نقل نہیں کرتا، جو آنحضرت ﷺ نے ان راتوں میں پڑھی تھیں۔

حضرت جابرؓ سے ان کی حدیث روایت کر نیوالا صرف ایک شخص ہے اور وہی ایک شخص حضرت جابرؓ کے واسطہ سے ان رکعات کی تعداد نقل کرتا ہے۔

لہذا ویسے تو ہر حدیث کی اسناد میں نظر کرنا اور اسکے رجال کے حالات معلوم کر کے دیکھنا کہ یہ اسناد قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ محدثین کے نقطہ نظر سے ضروری ہے لیکن اس حالت میں کہ نماز تراویح باجماعت کے واقعہ یا واقعات کے ناقل کئی صحابیوں کے شاگرد ہیں اور ان میں کوئی بھی رکعات کا ذکر نہیں کرتا، از بس ضروری ہو جاتا ہے کہ حضرت جابرؓ کے راوی کا حال معلوم کیا جائے، جو تہا رکعات کا ذکر کرتا ہے، اسلئے میں حضرت جابرؓ کے راوی عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق رجال کی کتابوں سے ناقدین رجال کی تصریحات پیش کرتا ہوں تاکہ یہ فیصلہ ہو سکے کہ اسکی روایت از روئے فن حدیث قابل اعتماد ہے، یا نہیں؟ عیسیٰ بن جاریہ کا حال اس راوی کا ذکر حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب وغیرہ میں کیا ہے، اور لکھا ہے کہ امام فن جرح و تعدیل یحییٰ بن معین نے اس کی نسبت لکھا ہے ”لَيْسَ بِذَاكَ“ وہ قوی نہیں ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اسکے پاس متعدد منکر روایتیں ہیں، اور امام نسائی، و امام ابوداؤد نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے امام نسائی نے اس کو متروک بھی کہا ہے، اور ساجی و عقیلی نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں (یعنی شاذ و منکر ہیں)۔

یہ سات حضرات ہیں جنہوں نے عیسیٰ پر جرح کی ہے، اور انکے مقابل میں صرف ایک امام ابو ذرؓ ہیں جنہوں نے عیسیٰ کو ”لَا بَأْسَ بِهِ“ (اس میں کوئی مضائقہ نہیں) کہا، اور دوسرے ابن حبان ہیں جنہوں نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، لہذا عیسیٰ اصولاً مجروح قرار پائے گا، بالخصوص جب کہ عیسیٰ پر جرحیں کی گئی ہیں وہ بہت سخت ہیں، چنانچہ امام نسائی و ابوداؤد نے اسکو منکر الحدیث لکھا ہے۔..... (مُنْكَرُ الْحَدِيثِ وَصَفٌ فِي الرَّجُلِ يَسْتَحِقُّ بِهِ التَّرْكُ الْحَدِيثُ ص ۱۹۱) یعنی منکر الحدیث ہونا آدمی کا ایسا وصف ہے کہ وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اسکی حدیث ترک کر دی جائے (اس سے حجت نہ پکڑی جائے اور قبول نہ کی جائے)۔

اس تصریح کے بموجب از روئے اصل عیسیٰ کی یہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی بالخصوص جب کہ حضرت جابرؓ سے اس بات کو نقل کرنے میں وہ منفرد ہے، دوسرا کوئی اس کا مؤید و متابع موجود نہیں نہ کسی دوسرے صحابی کی حدیث اس کی شاہد ہے، جابرؓ سے روایت کرنے میں اس کے منفرد ہونے کی دلیل تو یہ ہے کہ امام طبرانی نے عیسیٰ کی یہ روایت نقل کر نیکے بعد لکھا ہے ”لَا يُرْوَى عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ إِلَّا بِهَذَا سَنَادٍ“ (یعنی حضرت جابر سے بجز اس سند کے کسی دوسری سند سے یہ حدیث مروی نہیں ہے)۔ (رکعات تراویح ص ۲۸)

اسلئے کہ اسکا مدار عیسیٰ بن جاریہ پر ہے۔ عیسیٰ بن جاریہ: ذہبی نے کہا کہ ابن معین نے کہا کہ ان کے پاس منا کیر ہیں، نسائی نے کہا منکر الحدیث ہیں اور متروک ہیں۔ ابو ذرؓ نے کہا لَا بَأْسَ بِهِ ابوداؤد نے کہا منکر الحدیث ہیں۔ حافظ

ابن حجر نے تقریب میں کہا **فِيهِ لَيْقٌ**۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۷۹)
چونکہ یہ روایات صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچتیں اور غیر مقلدین کے نزدیک صرف صحیح روایات ہی دلیل ہیں اس لئے
یہ روایات تراویح کی دلیل میں ناقابل قبول ہیں۔

آثار: آثار چونکہ غیر نبی کے اقوال و افعال ہوتے ہیں اسلئے غیر مقلدین کی طرف سے بطور دلیل ناقابل قبول ہیں۔
(ان آثار پر بحث جمہور کے دلائل میں پیش کی جائیگی)
غرض ”آٹھ رکعات تراویح سنت ہے“ اس دعویٰ کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح صریح حدیث موجود نہیں

ہے اسلئے انکا دعویٰ رد ہے

جمہور امت کے دلائل

پہلی دلیل: ابو بکر ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، اور عبد بن حمید نے اپنے مسند میں اور بغوی نے اپنے معجم میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی نے سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۹۶ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حدثنا یزید بن ہارن قال اخبرنا ابراہیم ان عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر - ترجمہ: آنحضرت ﷺ رمضان میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ”کَمْ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ“ ج ۵ ص ۲۲۵)

اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان واقع ہے اور وہ مجروح راوی ہے، اسلئے اسکی یہ روایت ضعیف قرار دی گئی ہے، اسکو ضعیف کہنے والوں میں ابن حجر، سیوطی، ابن الہمام اور عیسیٰ وغیرہم شامل ہیں، اور کچھ شبہ نہیں کہ ابراہیم بن عثمان پر سخت سخت جرحیں نقل کی گئی ہیں، مگر اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ جتنی جرحیں نقل کی جاتی ہیں سب مقبول نہیں ہیں، بعض ان میں مردود بھی ہیں لیکن افسوس کی بات ہے مقبول جرحوں کے ساتھ مردود جرحوں کو بھی نقل کر دیا جاتا ہے، راوی ابراہیم کے باب میں جس قدر مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہے وہ مجروح بے شک ہے، لیکن نہ اتنا جتنا بتایا جاتا ہے۔

بہر حال ہم کو اتنا تسلیم ہے کہ ابراہیم راوی ہے اور اسوجہ سے یہ حدیث بھی ضعیف ہے لیکن ابراہیم اتنا ضعیف و

مجروح نہیں ہے۔

دوسری دلیل: امام بیہقی کی سنن کبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ میں حضرت سائب بن یزیدؓ راوی ہیں، أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ الْحُسَيْنِ ابْنِ فَنَجُويَه الدِّينُورِيُّ بِالْأَمَّانِ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَنْبَأَنَا ابْنُ أَبِي ذُئْبٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي شَهْرِ

رَمَضَانَ بِعَشْرَيْنَ رَكْعَةٍ یعنی حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں لوگ رمضان کے مہینہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے، اور اسی اثر کو امام بیہقی نے قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ الْفَقِيهِيُّ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو عُثْمَانَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ کے طریق سے معرفۃ السنن میں بھی روایت کیا ہے۔

ویسے تو غیر مقلدین کا تعلق استدلال کے سلسلہ میں آثار سے نہیں ہے لیکن وہ مغالطہ دینے کیلئے آثار کی بحث بھی درمیان میں لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے بیس رکعات تراویح کا اثر صحیح نہیں ہے بلکہ موطا امام مالک میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعتوں کا حکم دیا۔ دراصل غیر مقلدین سعید بن منصور کی روایت کے سلسلہ میں بحث کرتے ہیں۔ لیکن سعید بن منصور کے اثر کی حقیقت درج ذیل ہے۔

حضرت سائب بن یزید سے روایت کرنے والے محمد بن یوسف ہیں اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں اور پانچوں کا بیان باہم مختلف ہے۔ امام مالکؒ سے بحکم حضرت عمرؓ گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے، یحییٰ قطان سے گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے (حضرت عمرؓ کے حکم کا تذکرہ نہیں ہے)، عبدالعزیز بن محمد سے گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے (اس میں نہ حکم کا ذکر ہے نہ ابی و تمیم کا)، ابن اسحاق سے تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے، عبدالرزاق کے شیخ داؤد بن قیس سے اکیس رکعتوں کا ذکر ہے بحکم حضرت عمرؓ سے۔ پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے اور اس حالت میں جب تک کہ کسی ایک طریق کو اصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام طرق میں تطبیق نہ دی جائے اس وقت تک کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔ جب کہ سائب بن یزید کے ایک دوسرے شاگرد یزید بن حصیفہ ہیں ان کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے یزید کے کل شاگرد بلا اختلاف سائب بن یزید کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اس طریق سے یہ اثر ”صحیح“ ہے۔ اور سنن سعید بن منصور کی مذکورہ روایت ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابلِ اعتماد نہیں ہے اور ترجیح کے بعد گیارہ کا ثبوت ہی نہیں ہوگا۔ اسلئے غیر مقلدین کی یہ ابلہ فریبی لائقِ توجہ ہی نہیں ہے۔ اور سنن کبریٰ اور معرفۃ السنن کی بیس رکعات والا اثر قابلِ حجت ہے۔

مزید یہ کہ حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں تراویح کی بیس رکعتوں کا ثبوت تنہا سائبؒ ہی کی روایت سے نہیں ہوتا، بلکہ اسکے علاوہ متعدد روایات سے ہوتا ہے جو درج ذیل ہیں۔

(۱) جس کے الفاظ یہ ہیں ”كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ رَكْعَةً یعنی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں تیس رکعتیں (مع وتر پڑھتے تھے)۔

(موطاع تنویر ج ۱ ص ۱۳۸، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶، قیام اللیل ص ۹۱)

(۲) عبدالعزیز بن رفیع کا اثر ہے، جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے اسکے الفاظ یہ ہیں، ”كَانَ أَبِي بَنُ كَعْبٍ يُصَلِّي

بِالنَّاسِ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُؤْتَرُ بِثَلَاثٍ“ (یعنی حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے) چونکہ حضرت ابی کی وفات اکثر لوگوں کے قول کے مطابق عہد فاروقی میں ہوئی ہے، اسلئے یہ بیان بھی عہد فاروقی سے متعلق ہے) (مصنف ابن ابی شیبہ ”کَمْ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ“ ج ۵ ص ۲۲۳)

(۳) سعید بن انصاری کا اثر ہے کہ ”أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَةً (یعنی حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے،)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ”کَمْ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ“ ج ۵ ص ۲۲۳)

(۴) خود حضرت ابیؓ سے روایت ہے ”أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ يَصُومُونَ النَّهَارَ وَلَا يُحْسِنُونَ أَنْ يَقْرَأُوا فَلَوْ قَرَأْتَ عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ هَذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ حَسَنٌ فَصَلَّى بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَةً (یعنی حضرت عمرؓ نے ابی کو حکم دیا کہ لوگوں کو رات کے وقت رمضان میں نماز پڑھایا کرو، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں، اور قرآن خوب اچھا پڑھنا نہیں جانتے لہذا کاش تم رات میں پڑھتے، ابی نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین یہ بات پہلے نہیں ہوئی (یعنی ایک امام کے ساتھ سب کا اکٹھا ہو کر پڑھنا) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن یہ اچھا ہے، چنانچہ ابی نے ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں) (کنز العمال ج ۴ ص ۲۸۴ بحوالہ ابن منیع وآثار السنن ج ۲ ص ۶۰)۔

(۵) محمد بن کعب قرظی کا اثر ہے ”كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً يُطِيلُونَ فِيهَا الْقِرَاءَةَ وَيُؤْتَرُونَ بِثَلَاثٍ“ (یعنی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعتیں پڑھتے تھے، اور قرأت لمبی کرتے تھے، اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے) (قیام اللیل ص ۹۱)۔

(۶) زید بن وہب کا اثر ہے ”كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُصَلِّي بِنَا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ قَالَ أَلَا غَمَشُ كَانَ يُصَلِّي عِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُؤْتَرُ بِثَلَاثٍ“ (یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو رمضان میں نماز پڑھاتے تھے، جب فارغ ہو کر واپس ہوتے، تو ابھی رات رہتی تھی۔ اعمش نے کہا کہ وہ (حضرت ابن مسعودؓ) وتر کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھتے تھے، اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے) (قیام اللیل ص ۹۱)

درج بالا روایات حضرت سائب بن یزید کے اثر کی تائید میں ہے۔

(مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ”رکعات تراویح“ مصنف محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی ص ۷۳... ۷۰)

تیسری دلیل :- سنن بیہقی (ج ۲ ص ۴۹۶) وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قراء کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھایا کرے، اور وتر حضرت علیؓ پڑھاتے تھے، امام بیہقی اس اثر کو قوی تسلیم کرتے ہیں، اسلئے کہ انہوں نے پہلے شیر ابن شغل کی نسبت نقل کیا ہے کہ ”وہ حضرت علیؓ کے اصحاب میں تھے، اور لوگوں کو

رمضان میں بیس رکعتیں تراویح کی اور تین وتر کی پڑھایا کرتے تھے؛ اسکو نقل کر کے فرمایا کہ اس میں قوت ہے۔ (یعنی یہ قوی اثر ہے)۔ پھر اسکی دلیل میں مذکورہ بالا اثر بیہقی نے نقل کیا ہے، بیہقی کی پوری عبارت ملاحظہ ہو۔

وَرَوَيْنَا عَنْ شَتِيرِ بْنِ شَكْلٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يَوْمَهُمْ فِي رَمَضَانَ بَعِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ وَفِي ذَلِكَ قُوَّةٌ لَمَّا أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ بْنُ الْفَضْلِ الْقَطَّانُ بِغَدَاذِ أَنْبَاءِ نَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عِيْسَى بْنِ عَبْدِكَ الرَّازِي ثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَمْرُو بْنُ تَمِيمٍ ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يُونُسَ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ دَعَا الْقُرَّاءَ فِي رَمَضَانَ فَأَمَرَهُمْ رَجُلًا يُصَلِّي بِلِنَاسٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً قَالَ وَكَانَ عَلِيٌّ يُوتِرُ بِهِمْ وَرَوَيْنَا ذَلِكَ مِنْ وَجْهِ آخَرَ عَنْ عَلِيٍّ .

اس عبارت کے آخر میں بیہقی نے یہ بھی تصریح کر دی کہ حضرت علیؑ کا یہ اثر دوسرے طریق سے بھی مروی ہے، لہذا تنہا بھی یہ اثر قوی تھا، اور اب تو مجموعی طور پر اتنا قوی ہو گیا کہ اس میں کلام کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی۔ (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ”رکعات تراویح“ ص ۷۰..... ۸۳)

بیس رکعات پر اجماع :- خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس رکعات تراویح پر اجماع ہو گیا، اور بلاد اسلامیہ میں اسی پر عمل قرار پا گیا۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس پر اجماع ہو گیا۔ غیر مقلدین اسکے خلاف ایک روایت بھی پیش نہیں کر سکتے جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں کسی نے اس کے خلاف کیا یا کہا ہو۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ اور خلیفہ رابع حضرت علیؓ کے دور میں بھی بیس رکعات پر عمل رہا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمہور امت کے نزدیک بیس رکعات تراویح ”سنت“ ہے تو پھر خلفاء راشدین کے عہد کے آثار کو ”سنت“ کیلئے کیوں دلیل بنایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی حدیث ”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّأْسِيْدِيْنَ الْمَهْدِيْنَ“ یعنی تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کے تحت بیس رکعات تراویح بھی سنت تسلیم کی گئی۔ کیونکہ حضور ﷺ نے خلفاء راشدین کے طریقہ کو بھی سنت کہا ہے۔ مزید یہ کہ اس پر صحابہ کا اجماع بھی ہو گیا پس بیس رکعات تراویح کا جمہور امت کا موقف بھی ثابت ہو گیا۔ فَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”رکعات تراویح“ مصنف حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی)

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے

شوافع:- فجر کی نماز غسل میں افضل ہے۔

حنا بلہ :- فجر کی نماز غلس میں افضل ہے۔

ائمہ اربعہ میں اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے جائز اور ناجائز کا نہیں ہے۔

نکتہ اختلاف :-

غیر مقلدین :- فجر کی نماز کا معمول غلس میں پڑھنے کا ہے۔ اور اسی کو وہ سنت اصلی سمجھتے ہیں۔

احناف :- فجر کی نماز اسفار میں افضل ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل

● حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ كُنْ نِسَاءَ الْمَوءِ مَنَاتٍ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ صَلَوةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ حِينَ يَقْضِينَ الصَّلَوةَ لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغُلَسِ. **ترجمہ :-** حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم مسلمان خواتین رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ فجر کی نماز کیلئے اپنی چادروں میں لپٹ کر حاضر ہوتیں تھیں، جب نماز سے فارغ ہوتیں اور اپنے گھروں کو لوٹ کر جاتیں تو کوئی شخص (اندھیرے کے سبب) انہیں پہچان نہ سکتا تھا۔ (بخاری باب وَقْتُ الْفَجْرِ ج ۱ ص ۸۲، مسلم بابِ اسْتِحْبَابِ التَّكْبِيرِ بِالصُّبْحِ الخ ج ۱ ص ۲۳۰)

● حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ أَبِرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ ابِرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو وَهُوَ ابْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ صَلَوةِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةً وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَلًا وَإِذَا قَلُوا الْآخَرَ وَالصُّبْحَ بِالْغُلَسِ. **ترجمہ :-** حضرت محمد بن عمرو بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ روایت کرتے ہیں ہم نے جابر سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت دریافت کی، کہا نماز ظہر دوپہر کو پڑھتے تھے اور عصر اس وقت کہ سورج نکھر اہوتا تھا، اور مغرب جب سورج غروب ہو جاتا اور نماز عشاء جب آدمی اکٹھے ہو جاتے تو جلد پڑھ لیتے اور جب کم ہوتے تو دیر سے پڑھتے اور نماز فجر اندھیرے میں (پڑھتے)۔ (بخاری باب وَقْتُ الْعِشَاءِ إِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ الخ ج ۱ ص ۸۰، مسلم بابِ اسْتِحْبَابِ التَّكْبِيرِ بِالصُّبْحِ الخ ج ۱ ص ۲۳۰)

استدلال پر اعتراضات :- (۱) ان روایات میں غلس سے مراد مسجد کے اندر کا غلس ہے اور امہات المؤمنین کے حجرے کی چھتیں قریب قریب تھیں اس سے اسفار ہوتے ہوئے بھی غلس سمجھ میں آتا تھا (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۹۹)

(۲) غلس میں نماز پڑھنا عورتوں کی جماعت میں حاضری کی وجہ سے تھا اور جب انہیں روک دیا گیا تو حکم اپنے اصل کے طرف لوٹے گا یعنی اسفار میں نماز پڑھنے کے طرف (تابع الآثار ص ۷۱)

(۳) خود غیر مقلدوں کی کتاب تخریج صلوٰۃ الرسول میں حضرت عائشہ کی حدیث کے حاشیہ (ص ۱۸۰) میں ہے ”اندھیرے میں نماز فجر سے فراغت رسول ﷺ کا ہمیشہ کا معمول نہ تھا بلکہ آپ ﷺ کے مختلف احوال تھے کبھی اندھیرے میں فراغت اور کبھی اس وقت جب کہ چہرے پہچانے جاتے۔ دیکھئے (ارواء الغلیل ج ۱ ص ۲۷۹، ۱۲۸۰)“

(۴) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا صبح کی نماز کا وقت مختلف تھا۔

اس لئے مذکورہ روایت کو غلص میں فجر کی نماز کو سندِ اصلی کے لئے حجت بنانا صحیح نہیں ہے۔

● حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ نَابِئُ وَهْبٍ عَنْ أَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَانَ قَاعِدًا عَلَى الْمِنْبَرِ فَأَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَمَا إِنَّ جَبْرِيلَ قَدْ أَخْبَرَ مُحَمَّدًا ﷺ بِوَقْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ أَعْلَمَ مَا تَقُولُ فَقَالَ عُرْوَةُ سَمِعْتُ بِشِيرَ بْنَ أَبِي مَسْعُودٍ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ لَا نَصَارِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ نَزَلَ جَبْرِيلُ فَأَخْبَرَنِي بِوَقْتِ الصَّلَاةِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ يَحْسُبُ بِأَصَابِعِهِ خُمُسَ صَلَوَاتٍ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ وَرُبَّمَا أَخَّرَهَا حِينَ يَشْتَدُّ الْحَرُّ وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةً بَيَضاءَ قَبْلَ أَنْ تَدْخُلَهَا الصُّفْرَةُ فَيَنْصَرِفُ الرَّجُلُ مِنَ الصَّلَاةِ فَيَأْتِي ذَا الْحُلَيْفَةِ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَيُصَلِّي الْمَغْرِبَ حِينَ تَسْقُطُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعِشَاءَ حِينَ يَسْوَدُّ الْأَفْقُ وَرُبَّمَا أَخَّرَهَا حَتَّى يَجْتَمِعَ النَّاسُ وَصَلَّى الصُّبْحَ مَرَّةً بِغَلَسٍ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَرَّةً أُخْرَى فَاسْفَرَبَهَا ثُمَّ كَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدَ ذَلِكَ التَّغْلِيصُ حَتَّى مَاتَ لَمْ يَعُدْ إِلَى أَنْ يُسْفِرَ. ترجمہ:- محمد بن سلمہ مرا دی، ابن وہب، اسامہ بن زید لیشی، ابن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز (خلیفہ عادل) منبر پر بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے عصر کی نماز میں دیر کی عروہ بن زبیر نے کہا تم کو معلوم نہیں حضرت جبریل علیہ السلام نے محمد ﷺ کو نماز کا وقت بتا دیا عمر بن عبد العزیز نے کہا سمجھ کر کہو عروہ نے کہا میں نے بشیر بن ابومسعود انصاری سے سنا وہ کہتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے حضرت جبریل اترے اور انہوں نے مجھے نماز کا وقت بتلایا میں نے ان کیساتھ نماز پڑھی، پھر ان کیساتھ نماز پڑھی، انگلیوں پر اپنی شمار کیا پانچ نمازوں کا تو میں نے رسول ﷺ کو دیکھا آپ نے ظہر کی نماز پڑھی آفتاب ڈھلتے ہی اور کبھی دیر کر کے جب گرمی کی شدت ہوئی اور میں نے دیکھا آپ کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے اور آفتاب بلند تھا اس میں سفید زردی نہیں آئی تھی آدمی عصر کی نماز سے آپ کیساتھ فارغ ہو کر ذوالحلیفہ میں پہنچ جاتا آفتاب ڈوبنے سے پہلے اور مغرب کی نماز آفتاب ڈوبتے ہی اور عشاء کی نماز پڑھتے جب کناروں میں آسمان کے سیاہی آ جاتی اور کبھی عشاء میں دیر کرتے لوگوں کے جمع ہونے کیلئے اور فجر کی نماز پڑھتے آپ اندھیرے میں ایک بار روشنی میں پڑھی مگر بعد اسکے آپ ہمیشہ اندھیرے میں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ وفات تک آپ نے کبھی روشنی میں نماز نہیں پڑھی۔

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب المواقیف ج ۱ ص ۵۷، صحیح ابن حبان کتاب الصلوٰۃ ج ۳ ص ۲۵ حدیث ۱۴۹۲)

استدلال پر اعتراضات:- ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس روایت کو زہری سے معمر، مالک، ابن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ اور لیث بن سعد وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے، لیکن انہوں نے اس وقت کو ذکر نہیں کیا جس میں نماز پڑھی اور نہ اس کی تفسیر کی، اسی طریقہ سے ہشام بن عروہ اور حبیب بن ابی مرزوق نے اس روایت کو عروہ سے اسی طرح ذکر کیا ہے، جس طرح معمر اور ان کے اصحاب نے مگر حبیب نے بشیر کو ذکر نہیں کیا، اور وہب بن کیسان نے بواسطہ جابر بنی رضی اللہ عنہ سے وقت مغرب کو ذکر کیا کہ حضرت جبریل دوسرے دن مغرب کے وقت غروب شمس کے بعد آئے، یعنی دونوں دن ایک ہی وقت میں، ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے دوسرے دن مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھائی، اسی طرح عبد اللہ بن عمرو بن عاص حدیث حسان بن عطیہ، شعیب انکے والد، ان کے دادا بھی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

ابوداؤد کی سند میں اسامہ بن زید ابنا اللیشی ہیں بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے تخریج نہیں کی ہے اور مسلم نے متابعت کیساتھ ان سے روایت کی ہے۔

حضرت یحییٰ قطان نے کہا ہے کہ ان کی حدیث آخر میں چھوڑ دی گئی۔

ابن حبان کی روایت کی اسناد میں کلام ہے اور زیادتی غیر محفوظ ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے آثار السنن کا حاشیہ ص ۹۶، ۹۷)

● حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ نَافِلٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هَلَالٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَمْرٍو عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَوةً لَوْ قُتِيهَا إِلَّا خَرَّ مَرَّتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ . **ترجمہ:-** رسول خدا ﷺ نے نہیں پڑھی نماز آخر وقت دوبار۔ یہاں تک کہ وفات دی اللہ تعالیٰ نے (یعنی ہمیشہ اول وقت ہی پڑھتے رہے) اور جواز کیلئے ساری عمر میں ایک بار پڑھی (ترمذی باب مَا جَاءَ فِي الْوَقْتِ الْأَوَّلِ مِنَ الْفَضْلِ ج ۱ ص ۴۳، دارقطنی ۲۳۹/۱، حاکم ج ۱ ص ۱۹۰، بیہقی ج ۱ ص ۴۳۵)

امام ترمذی نے خود کہا ہے کہ یہ سند منقطع ہے۔ ابن قطان نے کہا ہے کہ یہ منقطع ہے اور اسحاق بن عمر مجہول ہیں۔ دارقطنی نے اسے ترک کر دیا ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ یہ مرسل ہے۔

ان تمام علتوں کی بناء پر غیر مقلدین اس روایت سے استدلال نہیں کر سکتے۔

● حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ نَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو الْعُمَرِيُّ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ غَنَامٍ عَنْ عَمَّتِهِ أُمِّ فَرْوَةَ وَكَانَتْ مِمَّنْ بَايَعَتِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَتْ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ الصَّلَوةُ لِأَوَّلِ وَقْتِهَا . **ترجمہ:-** حضرت ام فروہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کون سے اعمال افضل ہیں نبی ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اسکے اول وقت میں پڑھنا۔ (ترمذی باب مَا جَاءَ فِي الْوَقْتِ الْأَوَّلِ مِنَ الْفَضْلِ ج ۱)

ص ۴۲، احمد ۶/۴۴۰ وغیرہ)

اس حدیث کی سند میں اضطراب و جہالت ہے اس میں ایک راوی القاسم بن غنام ہے۔ عقیلی نے کہا ہے کہ اسکی حدیث میں اضطراب ہے۔ (تخریج صلوٰۃ الرسول حاشیہ ص ۱۸۲، ۱۸۳)
چونکہ اس حدیث میں اضطراب ہے اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

● حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ مَرْوَانَ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ عَنْ أَبِي يَعْقُوبٍ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ الْعِزَّارِ عَنْ أَبِي عَمْرِو الشَّيْبَانِيِّ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِابْنِ مَسْعُودٍ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ قَالَ سَأَلْتُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ الصَّلَاةُ عَلَى مَوَاقِيتِهَا. **ترجمہ:** حضرت ابو عمر و شیبانی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود سے پوچھا کہ کونسا عمل افضل ہے تو فرمایا کہ نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا ہے (ترمذی باب مَا جَاءَ فِي الْوَقْتِ الْأَوَّلِ مِنَ الْفَضْلِ ج ۴ ص ۴۳، حاکم وغیرہ)۔

استدلال پر اعتراضات :- (۱) تخریج صلوٰۃ الرسول میں ص ۱۸۲ حاشیہ میں ہے ”تنبیہ“ یہ حدیث ان الفاظ سے ترمذی میں نہیں ہے امام ترمذی نے اسے دو مقام پر ذکر کیا ہے اور دونوں مقاموں پر فی اَوَّلِ وَقْتِهَا کے الفاظ نہیں ہے۔ یعنی اول وقت نہیں بلکہ اس کے وقت پر۔

(۲) ”فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا“ یعنی اول وقت میں“ کی زیادتی شاذ ہے اور ثقات کی مخالفت ہے اور محفوظ ”الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا“ ہے جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے۔

یہ روایت صحیح درجہ تک نہیں پہنچتی اور اس میں دیگر علتیں بھی ہیں اسلئے اس سے استدلال قابل قبول نہیں ہے۔
اس سلسلے میں اور بھی روایات پیش کی جاتی ہیں لیکن وہ سب ”صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچتی ہیں۔
(تفصیل کیلئے دیکھئے اعلاء السنن ج ۲ ص ۳۴۳ تا ۳۹۴ حاشیہ)

غیر مقلدین کے معمول، فجر کی نماز غلَس میں پڑھنے کی دلیل میں کوئی روایت قابل استدلال نہیں اسلئے انکا دعویٰ رد ہے

احناف کے دلائل

● حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ أَخْبَرَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَارَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى صَلَاةً لَغَيْرِ مِيقَاتِهَا إِلَّا صَلَاتَيْنِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَّى الْفَجْرَ قَبْلَ مِيقَاتِهَا. **ترجمہ:** عبد اللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فجر دو نمازوں کے کوئی بھی نماز بے وقت پڑھتے نہیں دیکھا۔ مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ملا کر پڑھی اور صبح کی نماز وقت سے پہلے پڑھی (صحیح بخاری کتاب الحج ممتیٰ الْفَجْرَ بِجَمْعِ ج ۴ ص ۲۲۸، مسلم کتاب الحج باب اسْتِحْبَابِ

زِيَادَةُ التَّغْلِيْسِ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَالْمَبَا لَغَةٍ فِيهِ بَعْدَ تَحَقُّقِ طُلُوعِ الْفَجْرِ ج ۱ ص ۴۱۷)

● حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَجَاءٍ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ إِلَى مَكَّةَ ثُمَّ قَدِمْنَا جَمْعًا فَصَلَّى الصَّلَاتَيْنِ كُلَّ صَلَاةٍ وَحَدَّاهَا بِإِذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَالْعِشَاءَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ قَائِلٌ يَقُولُ طَلَعَ الْفَجْرُ وَقَائِلٌ لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ حَوْلَتَا عَنْ هَذَا الْمَكَانِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءَ فَلَا يَقْدُمُ النَّاسُ جَمْعًا حَتَّى يُعْتَمُوا وَصَلَاةَ الْفَجْرِ هَذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ وَقَفَ حَتَّى أَسْفَرَ ثُمَّ قَالَ لَوْ أَنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَفَاضَ الْآنَ أَصَابَ السُّنَّةَ فَمَا أَدْرَى أَقْوَلُهُ كَانَ أَسْرَعَ أَمْ دَفَعَ عُثْمَانُ فَلَمْ يَزَلْ يُلَبِّي حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ - **ترجمہ:** - عبد الرحمن بن یزید روایت کرتے ہیں ہم لوگ عبد اللہ (بن مسعود) کیساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے پھر ہم لوگ مزدلفہ آئے تو انہوں نے دو نمازیں پڑھیں ہر نماز کیلئے علیحدہ اذان و اقامت کہی ان دونوں کے درمیان کھانا کھایا پھر طلوع فجر کے وقت نماز فجر ادا کی جبکہ بعض کہتے تھے کہ صبح ہوگئی اور بعض کہتے تھے صبح نہیں ہوئی پھر رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بتایا کہ یہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں اپنے وقت سے ہٹادی گئی ہیں اسلئے اندھیرا ہونے تک لوگ مزدلفہ نہ آئیں اور نماز فجر کا یہ وقت نہیں پھر کھڑے رہے یہاں تک کہ خوب روشنی ہوگئی پھر کہا اگر امیر المؤمنین اسی وقت چل دیں تو سنت کے مطابق چلیں گے مجھے معلوم نہیں کہ ان کا کہنا پہلے ہو یا عثمان پہلے چلے گئے وہ برابر لیک کہتے رہے یہاں تک کہ قربانی کے دن رمی جمار کیا۔ (صحیح بخاری کتاب الحج، متی یصلی الفجر بجمع ج ۱ ص ۲۲۸، مسلم کتاب الحج، بابُ اسْتِحْبَابِ زِيَادَةِ التَّغْلِيْسِ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَالْمَبَا لَغَةٍ فِيهِ بَعْدَ تَحَقُّقِ طُلُوعِ الْفَجْرِ ج ۱ ص ۴۱۷) اور مسلم میں قبل وَقْتِهَا بَغْلَسَ ہے۔

● حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ عَبْدِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ أَسْفَرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَكْبَرُ لِلْأَجْرِ. **ترجمہ:** - حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فجر کی نماز خوب روشنی ہونے پر (اسفار میں) پڑھا کرو۔ اس کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ (ترمذی بابُ مَا جَاءَ فِي الْأَسْفَارِ بِالْفَجْرِ ج ۱ ص ۴۰، آخر ج ابن حبان والطبرانی کذا فی اللیل ج ۲ ص ۲۲، نسائی شریف ج ۱ ص ۹۴، السنن الکبری للبیہقی ج ۱ ص ۴۵۷، طبرانی کبیر ج ۳ ص ۲۴۹)

● أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي هَيْمٍ عَنْ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ عَنْ رَجَالٍ مِنْ قَوْمِهِ الْأَنْصَارِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَا أَسْفَرْتُمْ بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَكْبَرُ لِلْأَجْرِ. **ترجمہ:** - حضرت محمود بن لبید اپنی قوم انصار کے کچھ لوگوں سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم صبح کی نماز میں جس قدر اسفار کرو گے وہ اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔

(نسائی شریف باب ۱۱۱ سَفَارِج ص ۹۴)

● حَدَّثَنَا أَبِي ثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ وَغَيْرُهُ عَنْ أَبِي إِسْمَاعِيلَ الْمُؤَدَّبِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ هُرَيْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ سَمِعْتُ جَدِّي رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِبَلالٍ نَوَزَ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى يَبْصُرَ الْقَوْمَ مَوَاقِعَ نَبْلِهِمْ مِنَ الْأَسْفَارِ - ترجمہ :- حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ سے ارشاد فرمایا: اے بلال! نماز فجر اس قدر روشنی میں پڑھا کرو یہاں تک کہ لوگ اجالے کی وجہ سے اپنے تیر اندازی کے نشان کو دیکھ لیں۔ (مسند ابی داؤد طرابلسی ص ۱۲۹ حدیث ۱۹۶۱ معجم الکبیر للطبرانی ص ۲۷۸ حدیث ۴۴۱۲، حدیث ۴۰۰، ابن ابی حاتم، ابن ابی شیبہ و اسحاق)

● وَعَنْ بَيَانَ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ حَدَّثَنِي بَوَقْتُ رَسُولِ اللَّهِ فِي الصَّلَاةِ قَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ عِنْدَ دُلُوكِ الشَّمْسِ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ بَيْنَ صَلَوَتَيْكُمْ الْأُولَى وَالْعَصْرَ وَكَانَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ عِنْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَيُصَلِّي الْعِشَاءَ عِنْدَ غُرُوبِ الشَّفَقِ وَيُصَلِّي الْغَدَاةَ عِنْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ حِينَ يَفْتَحُ الْبَصَرُ كُلُّ مَا بَيْنَ ذَلِكَ وَقْتُ أَوْ قَالَ صَلَاةُ تَرْجَمُهُ: حضرت بیانؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ سے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا وقت بتلائیے حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز ادا فرماتے تھے سورج ڈھلنے کے بعد اور عصر کی نماز ادا فرماتے تھے تمہاری پہلی نماز (یعنی ظہر) اور عصر کے درمیانی وقت میں اور مغرب کی نماز ادا فرماتے تھے سورج غروب ہونے کے بعد اور عشاء کی نماز ادا فرماتے تھے شفق کے غروب ہونے کے بعد اور فجر کی نماز ادا فرماتے تھے صبح صادق کے بعد جس وقت آنکھ کھلتی انہی اوقات کے درمیان نماز کا وقت ہے یا فرمایا نماز ہے۔ (مسند ابی یعلیٰ ج ۷ ص ۷۶، حدیث ۱۲۴۹، مجمع الزوائد کتاب الصلوة، باب بیان الوقت ج ۱ ص ۳۰۴)

● وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ نَفِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا الصُّبْحُ بَغْلَسٍ فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ اسْفِرُوا بِهَذِهِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ أَفْقَهُ لَكُمْ إِنَّمَا تَرِيدُونَ أَنْ تَخْلُوا بِحَوَائِجِكُمْ. ترجمہ :- حضرت جبیر بن نفیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھو تو ابودرداءؓ نے فرمایا کہ اس نماز (فجر) کو اجالے میں پڑھو بلاشبہ تم اپنی ضروریات سے فارغ ہونا چاہتے ہو لیکن یہ تمہارے لئے زیادہ مناسب ہے (یعنی اسفار میں پڑھنا) (طحاوی کتاب الصلوة، باب وقت الفجر ج ۱ ص ۱۲۶)۔

● عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُيَيْدٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ لِمَاءِ ذِيهِ اسْفِرُوا اسْفِرُوا. ترجمہ :- حضرت علی بن ربیعہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو اپنے موزن سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ صبح کی نماز کو اجالے میں پڑھو، صبح کی نماز کو اجالے میں پڑھو (مصنف عبدالرزاق کتاب الصلوة، باب وقت الفجر ج ۱ ص ۵۶۹، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوة، ”من كان ينور بها، لا يرى به بأساً“ ج ۳ ص ۱۲۷)۔

● حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ يُنَوِّرُ بِالْفَجْرِ. **ترجمہ:** حضرت عبدالرحمن بن یزید سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو آپ صبح کی نماز اجالے میں پڑھتے تھے (طحاوی کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۲۵ باب وقت الفجر۔ مصنف عبدالرزاق کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۲۸ باب وقت الصبح، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات ج ۳ ص ۱۲۸ بَابُ مَنْ كَانَ يُنَوِّرُ بِهَا وَيُسْفِرُ..... الخ)

وجوہ ترجیح:۔ فجر کی نماز غلس (اندھیرے میں لیکن صبح صادق کے بعد) میں ہو جاتی ہے اور ایسے ہی اسفار (چاندنا یا اجالا پھیلنے پر) میں بھی ہو جاتی ہے مگر بحث اس میں ہے کہ دونوں میں افضل کون ہے غلس یا اسفار؟ حضور اکرم ﷺ امت کی بہت رعایت کرتے تھے اس وجہ سے غلس میں بھی فجر کی نماز پڑھ لیتے۔ خود احناف بھی رمضان کے مہینے میں غلس میں ہی نماز پڑھ لیتے ہیں اور اسکی وجہ یہی ہے کہ لوگ سحری کھا کر فوراً سونہ جائیں اور فجر کی نماز چھوٹ جائے۔

فریقین کی روایات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسفار کی روایات قوی ہیں اور اکثر حالات میں قوی روایات کو فعلی روایات پر ترجیح ہوتی ہے اسلئے اسفار (اجالا پھیلنے پر) فجر کی نماز پڑھنا افضل ہے اور روایات میں اسکا ثواب زیادہ آیا ہے۔

جب تک جماعت ملنے کا امکان ہو فجر کی سنت نہیں چھوڑنا چاہئے

● عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَوةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ. **ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کی اقامت کہی جائے تو کوئی نماز نہیں ہے سوائے فرض نماز کے (سنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۴۸۳)۔ (۱) سے بخاری کے سوا صحاح ستہ کی پانچوں کتابوں میں نفل کیا گیا ہے)۔

درج بالا روایت کی بناء پر جب اقامت کہی جانے لگے اس وقت نفل، سنت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن فجر کی سنتوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ اسے پڑھے یا نہ پڑھے اس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) فجر کی سنتوں کے بارے میں بڑی فضیلت اور تاکید وارد ہوئی ہے۔

(۲) اور فجر کی دو سنتیں دوسری سنتوں کی طرح نہیں ہیں یہ زیادہ مؤکد ہیں اور ان کی قضاء کا عمل بھی وارد ہوا ہے۔

(۳) صحابہ کرام اور سلف صالحین سے جماعت کے وقت میں ان کا پڑھنا وارد ہوا ہے۔

(۱) **فجر کی سنتوں کی فضیلت و تاکید:** ● حَدَّثَنَا بَيَّانُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءٌ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى شَيْئٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ مَعَاهِدَةً عَلَى الرُّكْعَتَيْنِ أَمَامَ الصُّبْحِ. (شرح السنن ج ۲ ص ۲۷۵، حدیث نمبر ۸۷۴، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۶، کتاب التہجد، باب تعاهد رکعتی الفجر، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۱، کتاب صلاة المسافرين، باب استحباب

رکعتی سنة الفجر، ابوداؤد ج ۱ ص ۸۷ باب رکعتی الفجر)۔ **ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جس قدر فجر کی دو سنتوں کا اہتمام فرماتے تھے نوافل میں اتنا اور کسی نفل کا اہتمام نہیں فرماتے تھے۔

● حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَّارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا. (ترمذی وفی الباب عن علیؓ وابن عمرؓ، وابن عباسؓ)۔ **ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فجر کی دو رکعتیں (دو سنتیں) دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ (ترمذی باب ما جاء فی رکعتی الفجر من الفضل ج ۱ ص ۹۲، کنز العمال ج ۷ ص ۳۷۰، ابن ابی شیبہؒ فی رکعتی الفجر ج ۲ ص ۱۴۲، شرح السنہ ج ۲ ص ۲۵۸، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۴۵۰، حدیث نمبر ۱۱۵۱، صحیح بن خزیمہ ج ۲ ص ۱۶۱)۔

● حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ خَالِدٍ نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ إِسْحَاقَ الْمَدَنِيَّ عَنْ ابْنِ زَيْدٍ عَنْ ابْنِ سَيْلَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَدْعُوهُمَا وَإِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ. **ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فجر کی دو رکعت (سنتیں) ترک نہ کرو اگرچہ تم کو گھوڑے بھی روند ڈالیں (ابوداؤد باب فی تخفیفها ورکعتی الفجر ج ۱ ص ۱۷۹، امام احمد فی مسند، کنز العمال ج ۷ ص ۳۷۱، معرفۃ السنن والآثار ج ۳ ص ۲۵۱)

(۲) **فجر کی سنتیں زیادہ موکدھیں اور ان کی قضاء بھی وارد ہے۔** ● عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنْ طَلَبَتْكَ الْخَيْلُ هَارِبًا فَلَا تُتْرَكَنَّ رَكْعَتِي الْفَجْرِ. لَا تَجْعَلُوا هَذِهِ الصَّلَاةَ يَعْنِي الصُّبْحَ كَالصَّلَاةِ اللَّيْلِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَبَعْدَهَا وَاجْعَلُوا بَيْنَهُمَا فَصْلًا. **ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر بھاگتے ہوئے گھوڑے تجھ کو روند ڈالیں پھر بھی فجر کی دو رکعتوں کو مت چھوڑو۔ یعنی صبح کی سنت کو ان سنتوں کی طرح نہ سمجھو جو ظہر سے پہلے اور بعد میں ہیں۔ بلکہ ان دونوں میں فرق سمجھو۔

(کنز العمال ج ۷ ص ۳۷۲، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۸۷، حدیث نمبر ۵۸۱۹)

● عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا أُفِيضَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ إِلَّا رَكْعَتِي الصُّبْحِ. **ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کی اقامت کہی جائے تو کوئی نماز نہیں ہے۔ فرض کے علاوہ۔ سوائے فجر کی سنتوں کے (سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۴۸۳)۔ (بیہقی نے کہا ہے کہ إِلَّا رَكْعَتِي الْفَجْرِ یہ زیادتی اسکی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس طرح ابو ہریرہؓ کی روایت پیش کی جاتی ہے کہ..... إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَلَا رَكْعَتِي الْفَجْرِ قَالَ وَلَا رَكْعَتِي الْفَجْرِ رَوَاهُ ابْنُ عَدَى وَبِیْهَقِی اور فتح الباری میں ہے کہ اس زیادتی کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اگرچہ دونوں طرح کی زیادتی کی کوئی اصل نہیں ہے لیکن یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ فجر کی سنتیں عام سنتوں کی طرح نہیں ہیں)

● عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ عَرَسْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ نَسْتَقِظْ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِيَأْخُذْ

كُلُّ رَجُلٍ بِرَأْسٍ رَاحِلَتِهِ فَإِنَّ هَذَا مَنَزِلٌ حَضَرَ نَافِيهِ الشَّيْطَانُ قَالَ فَفَعَلْنَا ثُمَّ دَعَا بِالْمَاءِ فَتَوَضَّأُ ثُمَّ سَجَدَ
 مَسْجِدَ تَيْنِ ثُمَّ أَقِيَمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى الْغَدَاةَ (مسلم کتاب المساجد، ج ۱ ص ۲۳۸) باب قضاء الصلوة الفاتحة
 الخ)۔ ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم اللہ کے نبی ﷺ کے ہمراہ سفر میں رات کے اخیر میں
 قیام کیلئے اترے، ہم بیدار نہیں ہونے پائے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو گیا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر شخص
 اپنی سواری لے (یعنی کوچ کا حکم فرمایا) اسلئے کہ جس مقام پر ہم نے قیام کیا ہے یہاں شیطان ہے۔ راوی کہتے ہیں: ہم
 نے (آپ کے ارشاد کے مطابق) ایسا ہی کیا۔ پھر (جب ہم وہاں سے کوچ کر کے دوسرے مقام پر فروکش ہوئے) آپ
 ﷺ نے پانی طلب فرمایا۔ وضو فرمایا اور دو رکعت سنت فجر ادا فرمائی، پھر اقامت کہی گئی اور آپ ﷺ نے نماز فجر پڑھائی۔

(صحیح مسلم شریف باب قضاء الصلوة الفاتحة و استحباب تعجيل قضاؤها ج ۱ ص ۲۳۸، کذا فی ابوداؤد باب فی من نام عن

صلوة او نسيها ج ۱ ص ۶۳، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۶۵، حدیث نمبر ۱۱۱۸، نسائی باب کیف يقضى الفائت من الصلوة ج ۱ ص ۱۰۲)

● وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَفِيهِ فَمَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الطَّرِيقِ فَوَضَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ
 قَالَ احْفَظُوا عَلَيْنَا صَلَوَاتِنَا فَكَانَ أَوَّلُ مَنْ اسْتَيْقِظَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالشَّمْسُ فِي ظَهْرِهِ قَالَ فَقُمْنَا فَرَعَيْنَا
 ثُمَّ قَالَ ارْكَبُوا فَرَكَبْنَا فَسَرْنَا حَتَّى نَزَلَ ثُمَّ دَعَا بِمِيْضَاءَ كَانَتْ مَعِيَ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ مَّاءٍ قَالَ فَتَوَضَّأُ
 مِنْهَا وَضُوءًا دُونَ وَضُوءٍ قَالَ وَبَقِيَ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ مَّاءٍ ثُمَّ أَذَّنَ بِالْصَّلَاةِ فَصَلَّى رَسُولُ
 اللَّهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى الْغَدَاةَ فَصَنَعَ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ كُلَّ يَوْمٍ. ترجمہ:- ابو قتادہؓ سے روایت، کہ رسول اللہ
 ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا اور اسی میں یہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ راستے سے ایک کنارے کو ہوئے اور لیٹ گئے، پھر فرمایا کہ اپنی
 نماز کی حفاظت کرو، چنانچہ سب سے پہلے بیدار ہونے والے رسول اللہ ﷺ تھے، اور سورج آپ کی پیٹھ پر تھا، راوی کہتے
 ہیں کہ ہم گھبرا کر کھڑے ہوئے، پھر نبی کریم ﷺ نے سوار ہونیکا حکم دیا چنانچہ ہم سوار ہو کر چل دیئے، یہاں تک کہ ایک مقام
 پر اترے تو نبی کریم ﷺ نے وہ وضو کا برتن منگوایا جو (سفر میں) میرے ساتھ تھا جس میں کچھ پانی تھا راوی کہتے ہیں پھر آپ
 نے وضو پر وضو کیا، اور فرماتے ہیں کہ اس برتن میں کچھ پانی بچ گیا، پھر حضرت بلالؓ نے نماز کیلئے اذان پڑھی، نبی ﷺ نے دو
 رکعت نماز (سنت) ادا فرمائی پھر فجر کی نماز ادا فرمائی تو اس میں ویسا ہی کیا جیسا کہ ہر روز کرتے تھے۔

(مسلم کتاب المساجد، باب قضاء الصلوة الفاتحة..... الخ ج ۱ ص ۲۳۸)

(۲) جب تک جماعت ملنے کا امکان ہو فجر کی سنت نہیں چھوڑنا چاہئے:- ● وَعَنْ أَبِي مَجْلَزٍ

قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامُ يُصَلِّي فَأَمَّا ابْنُ عُمَرَ فَقَدْ خَلَّ فِي
 الصَّفِّ وَأَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قَعَدَ ابْنُ عُمَرَ مَكَانَهُ حَتَّى طَلَعَتِ
 الشَّمْسُ فَقَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ. ترجمہ:- حضرت ابو مجلزؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں صبح کی نماز میں ابن عباس اور

ابن عمرؓ کیساتھ مسجد میں داخل ہوا، اس حال میں کہ امام نماز پڑھا رہا تھا، چنانچہ ابن عمرؓ صف میں شریک ہو گئے اور رہے ابن عباسؓ تو انہوں نے دو رکعت نماز (سنت) پڑھی پھر امام کیساتھ شریک ہو گئے پس جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمرؓ اپنی جگہ سورج نکلنے تک بیٹھ رہے اسکے بعد آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز (سنت) پڑھی (طحاوی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ ص ۲۵۷)

جن روایات میں فجر کی جماعت کے وقت سنت پڑھنے کی کراہیت آئی ہے

انکا کیا مطلب ہے؟

● وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكٍ بْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَبَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الصُّبْحُ أَرْبَعًا الصُّبْحُ أَرْبَعًا. ترجمہ:- حضرت مالک بن حنینہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا جب کہ نماز کیلئے تکبیر کہی جا چکی تھی جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو لوگ ارد گرد بیٹھ گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صبح کی چار رکعتیں پڑھتا ہے صبح کی چار رکعتیں (بخاری کتاب الاذان، باب اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة ج ۱ ص ۹۱، مسلم باب كراهة الشروع في صلاة بعد..... الخ ج ۱ ص ۲۴۷)۔

● حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ثنا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ عَاصِمٍ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرِجٍ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ بِالْمَسْجِدِ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فِي جَانِبِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا سَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ يَا فُلَانُ بَايَ الصَّلَوَتَيْنِ اعْتَدَدْتَ بِصَلَوَتِكَ وَحَدَّكَ أَمْ بِصَلَوَتِكَ مَعَنَا. ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن سرجسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے اس نے دو رکعتیں مسجد کے ایک کونے میں پڑھیں پھر جماعت میں شریک ہوا رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تیری نماز کون سی تھی جو تو نے اکیلے پڑھی؟ یا جو ہمارے ساتھ پڑھی؟ (مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرين، ج ۱ ص ۲۴۷ باب كراهة الشروع في صلاة بعد..... الخ، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، ج ۱ ص ۸۰ باب اذا اذرك الامام ولم يصل ركعتي الفجر، نسائی کتاب الإمامة والجماعة ج ۱ ص ۳۹ ا فَيَمَنْ يُصَلِّي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَالْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ، ابن ماجہ أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها ص ۸۲ باب ما جاء في إذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة)۔

● وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أُقِيمَتِ صَلَاةُ الصُّبْحِ فَقَامَ رَجُلٌ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فَجَذَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِثَوْبِهِ وَقَالَ اتَّصِلِي الصُّبْحَ أَرْبَعًا. ترجمہ:- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب فجر کی نماز کھڑی ہو چکی تو ایک شخص

کھڑا ہوا (تاکہ) دو رکعت نماز (سنت) پڑھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے کپڑے کو کھینچا اور فرمایا کیا تو فجر کی چار رکعت (فرض) پڑھتا ہے (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۸)۔

● وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْغَدَاةِ حِينَ أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ يُقِيمُ فَغَزَّ النَّبِيُّ ﷺ مِنْكَبِهِ وَقَالَ أَلَا كَانَ هَذَا قَبْلَ ذَا. ترجمہ:- حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فجر کی دو رکعتیں (سنت) مؤذن کے اقامت شروع کرنے کے وقت پڑھ رہا ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس کے مونڈھوں کو کھینچا اور فرمایا خبردار! کہ یہ دو رکعتیں (سنت) تو اس (فرض) سے پہلے تھی (معجم صغیر للطبرانی ج ۱ ص ۵۵، مجمع لزوائد ج ۲ ص ۷۵)۔ یہ تمام روایات اس سلسلے میں ہیں جب کہ کوئی شخص صفوں میں سنت پڑھ رہا ہو۔ جماعت کی جگہ سے دور سنت پڑھنے میں حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن ماجہ کے الفاظ سے اس پر دلالت ہوتی ہے اس روایت میں ہے کہ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرْجَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي الرُّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ لَهُ يَا صَلَوْتُيْكَ اِغْتَدِ ذَا. ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن سرجسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جب کہ آپ ﷺ نماز میں تھے فجر کی سنتیں پڑھتے ہوئے جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو کہا تو کون سی نماز پڑھ رہا تھا (یعنی اس پر نکیر فرمائی)

آپ ﷺ نے اس شخص کو دیکھا جب کہ آپ خود نماز میں تھے، آپ ﷺ کا اس شخص کو دیکھنا اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ وہ مسجد کے ایک جانب صف اول میں نماز پڑھ رہا ہو۔

نماز فجر کی جماعت کے وقت اگر کوئی مصلی آئے تو کیا کرے؟

- (۱) فجر کی دو سنتوں کے بارے میں اصل طریقہ یہ ہے کہ ان کو گھر میں پڑھے۔
- (۲) اگر گھر نہ پڑھ سکے تو مسجد کے پاس جو متعلق مسجد جگہ ہو وہاں پڑھ لے جیسے کہ مسجد کے دروازے اور وضو خانہ کے قریب
- (۳) اگر کوئی مناسب جگہ خارج مسجد نہ ہو تو اگر مسجد کے دو حصے ہوں گرمی والا اور سردی والا، تو گرمی والے حصہ میں پڑھ لے، اگر جماعت شتوی (سردی والے) حصہ میں ہو رہی ہو، تو شتوی حصہ میں پڑھ لے، اگر جماعت صیفی (گرمی والے) حصہ میں ہو رہی ہو۔

- (۴) اگر مسجد کے دو حصے نہ ہوں بلکہ پوری مسجد ایک ہی ہو تو صفوں کے پیچھے کسی کھبے و ستون کے آڑ میں پڑھ لے۔
- (۵) یہ اس وقت ہے جب مسجد میں اس حال میں داخل ہو کہ امام نماز میں ہو اور سنت پڑھنے کے ساتھ ساتھ جماعت میں شمولیت ہو جائے۔

- (۶) اگر جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو سنت نہ پڑھے بلکہ جماعت میں شامل ہو جائے۔

(۷) اگر امام نے نماز شروع نہیں کی ہے جماعت میں وقت باقی ہے تو مسجد کے جس حصہ میں سنتیں پڑھنا چاہے پڑھ لے۔

(فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۱ ص ۶۴۳)

(۸) اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے جبکہ امام نماز فجر شروع کر چکا ہے تو اس وقت مسجد میں سنت پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ. ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب فرض نماز کی جماعت کھڑی ہو تو اس وقت سوائے فرض نماز کے کوئی نماز نہیں ہے (ترمذی باب ما جاء اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة ج ۱ ص ۹۶، ابن ماجہ باب ما جاء اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة ج ۱ ص ۸۰، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۶۹) اور اس میں جماعت کی مخالفت ہے۔

اسلئے سنتوں کو اس وقت مسجد میں نہ پڑھا جائے بلکہ خارج مسجد متعلقات مسجد (باب مسجد وغیرہ) کے پاس پڑھ لے (۹) اگر خارج مسجد جگہ نہیں ہے اور مسجد کے دو حصہ ہیں تو جس حصہ میں جماعت ہو رہی ہے اسکے علاوہ میں پڑھ لے، کیونکہ اس میں کم کراہت ہے نسبت اس صورت کے جب کہ امام جس حصہ میں ہو اسی میں سنت ادا کی جائے۔ (۱۰) اور جس حصہ میں نماز ہو رہی ہو اس صف کو چھوڑ کر اسکے پیچھے صف میں پڑھنا مکروہ ہے بہ نسبت اسی صف میں سنت پڑھنے کے جس صف میں جماعت ہو رہی ہے۔

الحاصل: اس میں بڑی شدید کراہت ہے کہ اسی جماعت والی صف میں جماعت سے مل کر سنت ادا کی جائے جیسا کہ جاہل ناواقف لوگ کرتے ہیں۔

(۱) فتاویٰ قاضی خان میں ہے، اگر امام صفی حصہ میں ہو تو فجر کی سنتوں کو شتوی حصہ میں پڑھ لے اور اگر شتوی حصہ میں ہو تو صفی حصہ میں پڑھ لے۔ اور اگر صفی و شتوی ایک ہی ہو تو صف کے پیچھے یا کسی کھمبے یا ستون کے پیچھے یا اس جیسی کوئی آڑوا لی چیز کے پیچھے پڑھ لے۔

(۲) در مختار میں ہے: اگر مسجد کے دروازہ پر کوئی جگہ نماز (سنت فجر) کیلئے مناسب نہ ہو تو مسجد میں مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے پیچھے پڑھ لے، اور بڑی سخت کراہت کی بات یہ ہے کہ سنتوں کو جماعت کی صف کے متصل ہو کر ادا کیا جائے اسلئے کہ اس میں جماعت کی مخالفت ہے۔ (بہذانی فتح القدیر والحنانیہ والبنایہ ودر المختار تعلیق الحسن علی آثار السنن ۳۱۲، ۳۲) ☆ وَعَنْ مَا لِكَ بْنِ مَعُولٍ قَالَ سَمِعْتُ نَافِعًا يَقُولُ ابْنُ عُمَرَ لَصَلَاةِ الْفَجْرِ وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ. ترجمہ: حضرت نافعؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نماز فجر کیلئے بیدار کیا (ایسے وقت میں جب کہ) اقامت کہی جا چکی تھی آکھڑے ہوئے اور دو رکعت سنت ادا کی۔

(رواہ الطحاوی باب اداء سنة الفجر ج ۱ ص ۲۲۰، اندو صحیح)

☆ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهٗ جَاءَ وَالْإِمَامُ يُصَلِّي الصُّبْحَ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ فَصَلَّاهُمَا فِي حُجْرَةٍ خَفِصَةً ثُمَّ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ . **ترجمہ:** حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (مسجد میں) آئے امام صبح کی نماز پڑھا رہا تھا۔ آپ نے فجر کی سنت نہیں پڑھ رکھی تھی تو ان دو رکعتوں کو اپنی بہن حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں پڑھا۔ پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوئے۔

(رواہ الطحاوی باب اداء سنة الفجر ج ۱ ص ۲۲۰، رجالہ ثقات)

☆ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّهُ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوفٌ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَاةِ . **ترجمہ:** حضرت ابو درداءؓ (جب) مسجد میں ہوتے تھے ایسے وقت جب کہ لوگ صف بستہ نماز فجر میں ہوتے تھے تو دو رکعتیں یعنی فجر کی سنتیں مسجد کے گوشہ میں پڑھتے پھر لوگوں کے ساتھ نماز (فجر کی جماعت) میں شامل ہو جاتے۔ (رواہ الطحاوی باب اداء سنة الفجر ج ۱ ص ۲۲۰، اسنادہ حسن)

☆ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ إِنِّي لَا جِيءُ إِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ صُفُوفٌ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَأُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْضَمُّ إِلَيْهِنَّ . **ترجمہ:** حضرت ابو درداءؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ بلاشبہ میں لوگوں کے پاس اس حال میں آتا ہوں کہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے ہیں تو میں (فجر کی سنت) دو رکعتیں پڑھتا ہوں، پھر ان کیساتھ شامل ہو جاتا ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ "فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر" ج ۴ ص ۳۹۴، مصنف عبدالرزاق باب رکعتی الفجر اذا اقيمت الصلوة ج ۲ ص ۴۴۳)

فائدہ: مصنف عبدالرزاق میں مزید وضاحت ہے کہ ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں نماز فجر کے ہوتے ہوئے مسجد میں پہنچتا ہوں تو مسجد کے کسی کھمبے کا قصد کرتا ہوں پھر اس کے آڑ میں اطمینان سے دو رکعتیں مکمل طور سے پڑھتا ہوں، پھر نماز باجماعت میں شامل ہوتا ہوں۔ (مصنف عبدالرزاق باب رکعتی الفجر اذا اقيمت الصلوة ج ۲ ص ۴۴۳، ۴۴۴)

☆ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ جَاءَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ وَالْإِمَامُ يُصَلِّي الْفَجْرَ فَصَلَّيْ رَكْعَتَيْنِ إِلَى سَارِيَةٍ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى رَكْعَتِي الْفَجْرِ . **ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن ابی موسیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شریف لائے، امام نماز فجر پڑھا رہے تھے آپ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھ رکھی تھیں تو ایک کھمبے کے پاس دو رکعت سنت فجر ادا کی۔ (طبرانی فی کبیر ج ۹ ص ۲۷۷ حدیث نمبر ۹۳۸۵، مصنف عبدالرزاق باب رکعتی الفجر اذا اقيمت الصلوة ج ۲ ص ۴۴۴)

☆ عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرَّبٍ أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ وَأَبَا مُوسَى أَخْرَجَا مِنْ عِنْدِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ فَقَامَتِ الصَّلَاةُ فَارْكَعَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَاةِ وَأَمَّا أَبُو مُوسَى فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ . **ترجمہ:** حضرت حارث بن مضربؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ سعید بن العاصؓ کے پاس سے واپس ہوئے تو نماز فجر کی اقامت کہی گئی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دو رکعت سنت پڑھ کر نماز میں لوگوں کیساتھ

شامل ہوئے اور ابو موسیٰ صف میں شامل ہوئے (مصنف ابن ابی شیبہ "فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر" ج ۲ ص ۳۹۳)
 ☆ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَتَقَدَّمَ عَبْدُ اللَّهِ إِلَى الْأُسْطُوَانَةِ فِي
 الْمَسْجِدِ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِي الْمَسْجِدِ. رواه الطبرانی فی الكبير - (۹: ۲۷۷، حدیث نمبر ۹۳۸۷)
ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ نماز فجر کی اقامت کہی گئی تو عبداللہ بن مسعود نے مسجد کے ستون کے پاس دو رکعت
 سنت پڑھی پھر نماز میں شامل ہوئے۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْقَوْمُ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكَعَتَيْنِ فَصَلَّاهُمَا فِي
 نَاحِيَةٍ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَاتِهِمْ. **ترجمہ:** حضرت شعبی سے منقول ہے کہ حضرت مسروق مسجد میں اس وقت
 آئے جبکہ لوگ نماز فجر کی جماعت میں تھے اور انہوں نے فجر کی سنت نہ پڑھی تھی تو ان دو رکعتوں کو (مسجد کے) گوشہ
 میں پڑھ کر پھر لوگوں کیساتھ نماز میں شامل ہوئے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ "فی الرجل یدخل المسجد فی
 الفجر" ج ۲ ص ۳۹۲، مصنف عبدالرزاق باب رکعتی الفجر اذا اقيمت الصلوة ۲: ۴۴۲، رواه الطحاوی باب اداء
 سنة الفجر ۱: ۲۲۰، واسنادہ صحیح)

☆ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهُ جَاءَ فِي الْمَسْجِدِ وَالْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَصَلَّى الرَّكَعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَلْجِ
 الْمَسْجِدَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ. **ترجمہ:** حضرت سعید بن جبیر مسجد میں اس وقت تشریف لائے جبکہ امام نماز
 فجر میں تھے، چنانچہ مسجد میں داخل ہونے سے قبل مسجد کے دروازہ پر دو رکعت سنت فجر ادا فرمائی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ "فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر" ج ۲ ص ۳۹۲)

☆ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى
 الرَّكَعَتَيْنِ فَصَلَّى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ الرَّكَعَتَيْنِ خَلْفَ الْإِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُمْ. **ترجمہ:** حضرت ابو عثمان
 انصاری کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (مسجد میں) آئے، امام کو صبح کی نماز میں پایا، فجر کی دو رکعت سنتیں نہیں پڑھ
 رکھی تھیں، آپ نے دو رکعتوں کو امام کے پیچھے (مسجد کے کسی حصہ میں) پڑھ کر امام کیساتھ نماز میں شامل ہوئے۔

(طحاوی باب اداء سنة الفجر ۱: ۲۱۹)

☆ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ كُنَّا نَأْتِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ الرَّكَعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ
 فِي آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَاتِهِمْ. **ترجمہ:** حضرت ابو عثمان نہدیؓ فرماتے ہیں ہم (صحابی
 و تابعین) حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس فجر کی دو رکعتوں کے پڑھے بغیر حاضر ہو جاتے اس حال میں کہ حضرت فاروق اعظمؓ نماز
 فجر میں مشغول ہوتے۔ چنانچہ ہم لوگ مسجد کے اخیر حصہ میں سنت فجر پڑھ کر پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جاتے تھے۔
 (طحاوی ج ۱ ص ۲۲۰، اسنادہ حسن)

عَنْ يَزِيدَ ابْنِ اِبْرَاهِيمَ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّهُ كَانَ يَقُولُ اِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ وَلَمْ تُصَلِّ رَكْعَتِي الْفَجْرِ فَصَلَّيْهُمَا
وَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ يُصَلِّي ثُمَّ ادْخُلْ مَعَ الْإِمَامِ. **ترجمہ:** حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے جب تم مسجد میں (نماز
فجر کیلئے) پہنچو اور تم نے فجر کی دو سنتیں ادا نہ کی ہوں تو ان دونوں کو (مسجد کے گوشہ میں کمافی روایہ اخری) پڑھ لو۔ اگر امام نماز
پڑھا رہا ہو پھر امام کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ (طحاوی باب اداء سنة الفجر ج ۱ ص ۲۲۰) اس روایت میں اضافہ
ہے: فَارْكَعْهُمَا وَإِنْ ظَنَنْتَ أَنَّ الرُّكْعَةَ الْأُولَى تَفُوتُكَ یعنی دو سنتوں کو پڑھ لو اگر چہ پہلی رکعت کے فوت ہونے
کا تم کو اندیشہ ہو۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۳۵۷..... تا ۳۶۲)

فائدہ: فائدہ البوداؤد ج ۱ ص ۱۸۰، مسلم ج ۱ ص ۲۳۷، نسائی ج ۱ ص ۱۰۰، والی وہ روایت جس میں ہے کہ آپ ﷺ نماز فجر
پڑھا رہے تھے ایک صحابی آئے اور آکر دو رکعت سنت فجر کی نیت باندھ لی اس سے فارغ ہو کر آپ کے ساتھ فرض نماز میں
شامل ہوئے، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان سے انکار کے طور پر اور انکے اس فعل پر زبرد تو بیخ کرتے
ہوئے دریافت کیا کہ تم نے یہ کونسی نماز تنہا ادا کی ہے اس روایت میں ہے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ جب امام نماز شروع
کردے تو سنت میں نہیں مشغول ہونا چاہئے اسلئے کہ آپ ﷺ نے اس پر نکیر فرمائی ہے۔

(عون المعبود ج ۲ ص ۱۰۵، کذافی نووی ج ۱ ص ۲۲۷)

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ اس نووارد شخص نے مسجد کے اندر صف سے متصل ہو کر سنت فجر ادا کی تھی اسلئے آپ
ﷺ نے نکیر فرمائی تھی جیسا کہ ابن ماجہ کے الفاظ سے اس پر دلالت ہوتی ہے. عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُرْجَسَ أَنَّ رَسُولَ
اللَّهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي الرُّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ الْخ (ابن ماجہ ج ۱ ص ۸۰) اس
روایت میں ہے کہ آپ نے اس شخص کو دیکھا جبکہ آپ خود نماز میں تھے، آپ ﷺ کا اس شخص کو دیکھنا اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ
وہ مسجد کے ایک جانب صف اول میں نماز پڑھا رہا ہو، کوئی اگر صف سے علاحدہ دو رکعت سنت فجر ادا کرے تو مذکورہ روایت
سے اس پر کوئی ممانعت وارد نہیں ہوتی ہے (بذل المجہود ج ۲ ص ۲۶۳)

خلاصہ کلام: مذکورہ آثار و روایات سے ثابت ہوا کہ فجر کی دو رکعت سنتوں کی بڑی اہمیت ہے اگر کوئی شخص مسجد میں
ایسے وقت پہنچے جبکہ جماعت کھڑی ہو چکی ہے تو فجر کی سنت جماعت پانے کے امکان کیساتھ مسجد کے کسی گوشہ میں یا
متعلق مسجد میں جماعت والی صف سے دور ہو کر ادا کر کے پھر جماعت میں شامل ہو جائے تاکہ جماعت کی فضیلت حاصل
رہے اور سنت فجر کی تاکید و اہتمام پر بھی عمل رہے جیسا کہ حضرات صحابہ کرام و تابعین عظام کا ایسے وقت میں معمول تھا کہ
مسجد کے اخیر حصہ میں یا دروازے پر، یا کسی ستون و کھمبے کی آڑ میں پڑھ لیتے تھے۔ ہاں جماعت والی صف میں مسجد کے
اندر سنت پڑھنا سخت مکروہ ہے۔ جیسا کہ لاعلم حضرات کرتے ہیں اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

”فجر کی نماز کے بعد اور سورج طلوع ہونے سے پہلے“ فجر کی سنت پڑھنا مکروہ ہے

● عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَلَوتَيْنِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ. ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو نمازوں سے منع فرمایا فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک۔

(مسلم کتاب فضائل القرآن باب الاوقات التي نهى عن الصلوة)

فیہاج ص ۲۷۵، بخاری کتاب مواقیات الصلوة، باب الصلوة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ج ۱ ص ۸۳) ● وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَكَانَ أَحَبَّهُمْ إِلَيَّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ. ترجمہ:- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے کئی صحابیوں سے سنا جن میں حضرت عمر بن الخطابؓ بھی ہیں اور مجھے دیگر صحابہ سے زیادہ محبوب ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز سے منع فرمایا۔ (مسلم کتاب فضائل القرآن، باب الاوقات التي نهى عن الصلوة فیہاج ص ۲۷۵، بخاری کتاب مواقیات الصلوة، باب الصلوة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ج ۱ ص ۸۲)

● وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ. ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے اور فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے“ (مسلم کتاب فضائل القرآن، باب الاوقات التي نهى عن الصلوة فیہاج ص ۲۷۵، بخاری کتاب مواقیات الصلوة، باب لا تتحرى الصلوة قبل غروب الشمس ج ۱ ص ۸۲)

یہ روایت متفق علیہ ہے۔ غیر مقلدین ”لا صلوة“ کا ترجمہ کرتے ہیں کوئی نماز نہیں (نہ سنت نہ نفل نہ انفرادی نہ اجتماعی وغیرہ وغیرہ)

● وَعَنْ عُمَرَو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ أَخْبِرْنِي عَنِ الصَّلَاةِ قَالَ صَلِّ صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اقْصُرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَتَرْتَفِعَ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى يَسْتَقِيلَ الظِّلُّ بِالرُّمَحِ ثُمَّ اقْصُرْ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ حِينَئِذٍ تُسَجَّرُ جَهَنَّمُ فَإِذَا أَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى تَصِلِيَ الْعَصْرُ ثُمَّ اقْصُرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى تَغْرُبَ فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ. ترجمہ:- حضرت عمرو بن

عبسہ سے روایت ہے فرماتے کہ میں نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ مجھے نماز کے بارے میں بتلائیے ارشاد ہوا صبح کی نماز پڑھو پھر طلوع آفتاب کے وقت اسکے بلند ہونے تک نماز سے باز رہو، کیونکہ وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان سے نکلتا ہے، اور اس وقت کافر اس کو سجدہ کرتے ہیں، پھر آفتاب بلند ہونے پر نماز پڑھو کہ اس وقت کی نماز کی کرامت کاتین گواہی دینگے، حتیٰ کہ نیزہ کا سایہ اسکے سر پر آجائے (یعنی نصف النہار کا وقت) اس وقت نماز نہ پڑھو، کیوں کہ اس وقت جہنم دہکائی جاتی ہے، پھر جب زوال ہو جائے تو نماز پڑھو کیونکہ اس وقت کی نماز کی حاضر فرشتے گواہی دیں گے، یہاں تک کہ تم نماز عصر پڑھ لو، تو آفتاب غروب ہو جانے تک نماز سے رکے رہو کیونکہ آفتاب شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ڈوبتا ہے، اور اس وقت کافر اسے سجدہ کرتے ہیں۔

(مسلم کتاب فضائل القرآن، باب الاوقات التي نهى عن الصلوة فيها ج ۱ ص ۲۷۶، مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۱)

● حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ الْبَصْرِيُّ نَا عَمْرُو بْنَ عَاصِمٍ نَاهِمًا عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهْيَكٍ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهُمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ (ترمذی ابواب الصلوة، باب ما جاء في اعادتهما بعد طلوع الشمس ج ۱ ص ۹۶)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے فجر کی دو رکعتیں (سنت) نہ پڑھی ہو اس کو چاہئے کہ سورج نکلنے کے بعد پڑھ ليوے۔

☆ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ فَضِيلٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بَعْدَ مَا أَضْحَى. ترجمہ:- حضرت نافع بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فجر کی دو رکعتیں (سنت) چاشت کے بعد پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، قضاء سنة الفجر بعد صلاة الصبح ج ۲ ص ۱۷۰)

☆ وَعَنْ أَبِي مَجْلَزٍ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامُ يُصَلِّي فَأَمَّا ابْنُ عُمَرَ دَخَلَ فِي الصَّفِّ وَأَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قَعَدَ ابْنُ عُمَرَ مَكَانَهُ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ. ترجمہ:- حضرت ابو مجلزؓ سے روایت ہے کہ میں ابن عباس اور ابن عمرؓ کیساتھ صبح کی نماز میں مسجد میں داخل ہوا اس حال میں کہ امام نماز پڑھا رہا تھا چنانچہ ابن عمرؓ صف میں شامل ہو گئے اور رہے ابن عباسؓ تو انہوں نے دو رکعتیں (سنت) پڑھی پھر امام کیساتھ شامل ہو گئے پس جب امام نماز سے فارغ ہوا تو ابن عمرؓ اپنی جگہ بیٹھ رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا تو آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔

(طحاوی کتاب الصلوة، باب اداء سنة الفجر ج ۱ ص ۲۵۷)

☆ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ يَقُولُ إِذَا لَمْ أُصَلِّهِمَا حَتَّى أُصَلِّيَ الْفَجْرَ صَلَّيْتُهُمَا بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوة، ”فی رکعتی الفجر اذا فاتته“)

“ج ۴ ص ۴۰۴) ترجمہ:- حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم کو کہتے ہوئے سنا کہ جب میں فجر کی دو رکعتیں (سنت) نہیں پڑھا ہوا ہوتا ہوں یہاں تک کہ میں فجر کی نماز (فرض) سے فارغ ہو لیا ہوتا ہوں تو اس کو سورج نکلنے کے بعد پڑھ لیتا ہوں۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۳۶۸..... تا ۳۷۰) غیر مقلدین فجر کی قضاء سنتوں کو فجر کی فرض کے فوراً بعد، طلوع آفتاب سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں اور اسکی دلیل میں درج ذیل روایات پیش کرتے ہیں

● حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو السَّوَّاقِ نَاعْبُدُ الْعَزِيزَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ جَدِّهِ قَيْسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الصُّبْحَ ثُمَّ انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَجَدَنِي أَصْلَى فَقَالَ مَهْلَا يَا قَيْسُ أَصَلَوْتَانِ مَعَاقِلْتُ يَارَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَمْ أَكُنْ رَكَعْتُ رَكَعَتِي الْفَجْرِ قَالَ فَلَا إِذْنَ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ - (ترمذی ابواب الصلوة، باب ماجاء فی اعادتهما بعد طلوع الشمس ج ۱ ص ۹۶، ابوداؤد کتاب الصلوة، باب من فاتته متى يقضيها ج ۱ ص ۱۸۰، ابن ماجہ باب ماجاء فیمن فاتته الركعتان قبل صلوة الفجر... الخ ابواب اقامة الصلوات والسنة فیها، ص ۸۲، مسند احمد ج ۵ ص ۴۷، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات، ”فی رکعتی الفجر اذا فاتته“ ج ۴ ص ۴۰۰، مستدرک حاکم کتاب الصلوة، باب قضاء سنة الفجر بعد الفرض ج ۱ ص ۲۷۵، سنن الکبریٰ للبیہقی کتاب الصلوة، باب من اجاز قضاء هما بعد الفراغ من الفريضة ج ۲ ص ۲۸۳) ترجمہ:- حضرت قیسؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کیلئے نکلے چنانچہ نماز کھڑی کی گئی تو میں نے آپ ﷺ کیساتھ صبح کی نماز پڑھی جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو مجھکو نماز پڑھتے ہوئے پایا فرمایا رک جاے قیس کیا دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتا ہے میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے فجر کی دو رکعتیں (سنت) نہیں پڑھی تھی فرمایا تب کوئی حرج نہیں۔

استدلال پر اعتراضات:- ترمذی نے کہا کہ محمد بن ابراہیم کی حدیث نہیں جانتے تھے ان کو مگر حدیث سعد بن سعید سے یہ حدیث متصل نہیں ہے اسلئے کہ محمد بن ابراہیم تیمی نے قیس سے نہیں سنا ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ قیس ابن عمرو ہیں اور کچھ نے کہا کہ قیس ابن قہد ہیں۔

ابوداؤد اور ترمذی اور دوسروں نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ روایت منقطع بھی ہے۔ جیسا کہ ترمذی نے صراحت کی ہے۔ ابن خزیمہ ابن حبان حاتم اور دوسروں نے اس طرح موصولاً روایت کی ہیں اسد ابن موسیٰ عن الیث بن سعد عن یحییٰ بن سعید بن ابیہ عن جدہ قیس ابن قہد۔ سعید ابن قیس کا انکے باپ سے سماع کے بارے میں نظر ہے اسلئے کہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں کہا ہے کہ سعید یعنی یحییٰ بن سعید کے والد نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا۔ اور اسکے ساتھ یہ طریق غیر محفوظ ہے اسلئے کہ اسد بن موسیٰ عن الیث عن یحییٰ بن سعید کا تفرد ہے اور محفوظ یہ ہے

تحتی بن سعید نے ارسال کیا ہے اور اس نے تفرّد کیا ہے موصولاً اگرچہ زیادتی ثقہ سے ہو اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے لیکن اقویٰ اور رائج کے مقابلے میں محفوظ نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حدیث قیس متصل نہیں ہے صحیح سند کیساتھ بلکہ مرسل ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں ہیں۔ علامہ نیوی کہتے ہیں کہ اس سلسلے کی دوسری روایات سب کی سب ضعیف ہیں اور شدید ضعیف ہیں۔ (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن حاشیہ ص ۳۶۶، اور اعلیٰ السنن وغیرہ)

● وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رِبَاحٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ قَالَ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَجُلًا يَصَلِّي بَعْدَ الْغَدَاةِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَمْ أَكُنْ صَلَّيْتُ زَكْعَتِي الْفَجْرِ فَصَلَّيْتُهَا أَلَا نَ فَلَمْ يَقُلْ لَهُ شَيْئًا۔ (محلّی لابن حزم کتاب الصلوٰۃ ج ۲ ص ۸۲ باب من سمع اقامة صلاة الصبح فلا يشتغل لغيرها)۔ ترجمہ:- حضرت عطاء بن ابی رباح ایک انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو فجر (فرض) کے بعد نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس شخص نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ میں نے فجر کی دو رکعتیں (سنت) نہیں پڑھی تھی تو اس لئے ان کو ابھی پڑھی ہے آپ ﷺ نے اس کو کچھ نہیں کہا۔

استدلال پر اعتراضات:- علامہ نیوی نے کہا کہ اس میں نظر ہے۔

اس روایت کی تخریج کی گئی مِنْ طَرِيقِ الْحَسَنِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رِبَاحٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ۔
الْحَسَنُ بْنُ ذَكْوَانَ أَبُو سَلَمَةَ الْبَصْرِيُّ:- تقریب میں ہے صدوق اور خطا کرتے تھے اور تدلیس کرتے تھے۔
ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ابن حزم سے رائج سند کیساتھ اس روایت کو مرسل روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے بھی کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل روایت کی گئی ہے۔ بہر حال محفوظ روایت مرسل ہے۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن حاشیہ ص ۳۶۷/۶۸)

غرض فجر کی قضاء سنت، فجر کی فرض نماز کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنے کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس ایک بھی صحیح صریح روایت نہیں ہے اس لئے قضاء سنتوں کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھنا چاہئے۔

سوالات

(۱) ایک صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کیجئے کہ حضور اکرم ﷺ نے فجر کی سنتوں کی قضاء کی ہو۔ اگر کی ہے تو کس وقت طلوع آفتاب سے پہلے یا بعد؟

(۲) فجر کی سنتوں کی قضاء کو فجر کی فرض کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنے کی دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کیجئے؟

ظہر کا آخر وقت اور عصر کا اول وقت (مثل اور مثلین کی بحث)

ایک مثل:- جب ہر چیز کا سایہ فنی روال کو منہا کرنے کے بعد اس چیز کے بقدر ہو جائے تو اصطلاح میں اس کو ایک مثل

چمکدار اور صاف ہو، اور عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے سوار دویا تین فرسخ سفر کر سکے.....

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ غیر نبی کا فرمان ہے اسلئے غیر مقلدین اسے بطور استدلال نہیں پیش کر سکتے۔

دوسرا یہ کہ یہ ایک سایہ کیلئے صریح نہیں ہے، مثلیں کے قائل بھی اسلئے دعویدار ہیں کہ دو مثل پر سورج بلند، چمکدار

اور صاف ہوتا ہے اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک سوار دویا تین فرسخ سفر کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام روایات میں کہیں بھی ایک مثل یا دو مثل کا ذکر نہیں ہے اسلئے تمام روایات غیر صریح ہیں۔ رہ گیا ان روایات

سے قیاس تو حضرت بریدہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات میں ہے کہ حضور ﷺ عصر کی نماز پڑھتے تھے جب کہ سورج بلند اور

صاف ہوتا تھا۔ دوسرے پر بھی سورج کا یہی حال ہوتا ہے۔ اسلئے اسے صرف ایک سایہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور تیسری

روایت میں سورج کے غروب ہونیکے قریب کا وقت ہے دوسرے کا وقت نہیں ہے اسلئے ان روایات سے صرف ایک مثل

قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ غرض مذکورہ روایات بطور استدلال قیاس کا درجہ رکھتی ہیں اسلئے ایک مثل کی حجت میں قابل قبول

نہیں ہیں۔ اور دیگر تمام غیر صریح روایات کا بھی یہی حکم ہے۔

صریح روایات: ● حَدَّثَنَا هَنَادُ بْنُ السَّرِيِّ نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ

الْحَارِثِ بْنِ عِيَّاشٍ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حَكِيمٍ وَهُوَ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ بْنُ مُطْعِمٍ

قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ آمَنِي جِبْرِيلُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلَّى الظُّهْرَ فِي الْأُولَى

مِنْهُمَا حِينَ كَانَ الْفَيْءُ مِثْلَ الشَّرَاكِ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ حِينَ كَانَ كُلُّ شَيْءٍ مِثْلَ ظِلِّهِ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ

حِينَ وَجَبَتِ الشَّمْسُ وَأَفْطَرَ الصَّائِمُ ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ حِينَ بَرَقَ

الْفَجْرُ وَحَرَّمَ الطَّعَامَ عَلَى الصَّائِمِ وَصَلَّى الْمَرَّةَ الثَّانِيَةَ الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ لَوْفَتِ

الْعَصْرِ بِالْأَمْسِ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ لَوْفَتِ الْأَوَّلِ ثُمَّ صَلَّى

الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ حِينَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ حِينَ اسْفَرَّتِ الْأَرْضُ ثُمَّ الْفَتْ إِلَى جِبْرِيلَ

فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هَذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ فِيمَا بَيْنَ هَذَيْنِ الْوَقَّتَيْنِ - ترجمہ:- حضرت ابن عباسؓ

سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے امامت کی میری جبریل نے خانہ کعبہ کے پاس دو بار، تو نماز پڑھی ظہر کی جب

آفتاب ڈھل گیا اور سایہ جوتی کے تسمے کے برابر ہوا، اور عصر کی نماز پڑھی جب سایہ اس کا اسکے (سائے کے، مراد مثلیں ہے)

برابر ہوا اور نماز پڑھی مغرب کی جس وقت روزہ دار روزہ کھوتا ہے اور نماز پڑھی عشاء کی جب شفق غائب ہوگئی اور نماز پڑھی

فجر کی، جب روزہ دار کو کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے (یعنی صبح صادق نکلتی ہے) پھر دوسری نماز پڑھی ظہر کی جب ہر چیز کا سایہ

اس کے برابر ہوا۔ اور نماز پڑھی عصر کی جب سایہ ہر چیز کا برابر ہوا۔ اور نماز پڑھی مغرب کی جب روزہ دار روزہ کھوتا ہے

، اور نماز پڑھی عشاء کی تہائی رات پر اور نماز پڑھی فجر کی روشنی میں پھر میری طرف متوجہ ہوئے (حضرت جبریل علیہ السلام)

اور کہا اے محمدؐ یہی وقت ہے تجھ سے پہلے پیغمبروں کا اور نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان میں ہے۔ (ترمذی ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰۃ..... الخ ج ۱ ص ۳۸، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب مواقیت ج ۱ ص ۵۶، مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۳، صحیح ابن خزیمہ کتاب الصلوٰۃ، باب ذکر الدلیل علی ان فرض الصلوٰۃ..... الخ ج ۱ ص ۱۶۸، دارقطنی کتاب الصلوٰۃ، باب امامۃ جبریل ج ۱ ص ۲۵۸، مستدرک حاکم کتاب الصلوٰۃ، اوقات الصلوات الخمس ج ۱ ص ۹۳)

استدلال پر اعتراضات:- سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ غیر مقلدین کی دلیل ”صحیح“ حدیث ہے جب کہ یہ حدیث حسن ہے اسلئے ان سے بطور استدلال قبول نہیں کی جائیگی۔

نیز یہ کہ یہ روایت دو راول کی ہے اور باقی تمام روایتیں بعد کی ہیں اسلئے احتمال ہے کہ مثل اور مثلیں کے معاملے میں نسخ ہوا ہو، یعنی عصر کا وقت گھٹا کر مثلیں سے مثل کر دیا گیا ہو، اور ظہر کا وقت بڑھا کر مثلیں تک کر دیا گیا ہو، لہذا مثل ثانی میں شک پیدا ہو گیا کہ وہ عصر کا وقت رہا یا نہیں اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ عصر کی نماز مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے تاکہ بالیقین ذمہ فارغ ہو جائے۔ اگر مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھی جائیگی تو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت (موطا امام مالک، اور موطا امام محمد)، حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت (متفق علیہ) اور حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ روایت جو صحاح ستہ میں مروی ہے (ترمذی) ان روایات کی بناء پر کھٹکار ہے گا کہ شاید نماز وقت سے پہلے پڑھی گئی ہو اور ذمہ فارغ نہ ہوا ہو۔ اس لئے احوط (زیادہ احتیاط) یہی ہے کہ عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے۔

● وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَلَمَّا دَلَّكَتِ الشَّمْسُ أَذَّنَ بِلَالٌ لِّلظُّهْرِ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْعَصْرِ حِينَ ظَنَّ أَنَّ ظِلَّ الرَّجُلِ أَطْوَلَ مِنْهُ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْعِشَاءِ حِينَ ذَهَبَ بَيَاضُ النَّهَارِ وَهُوَ الشَّفَقُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْفَجْرِ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَأَمَرَهُ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ الْغَدِ لِلظُّهْرِ حِينَ دَلَّكَتِ الشَّمْسُ فَأَخْرَجَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْعَصْرِ فَأَخْرَجَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلِيهِ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَقَامَ وَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْمَغْرِبِ حِينَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأَخْرَجَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى كَادَ يَغِيبُ بَيَاضُ النَّهَارِ وَهُوَ الشَّفَقُ فِيمَا يَرَى ثُمَّ أَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْعِشَاءِ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ فَقُمْنَا ثُمَّ قُمْنَا مَرَارًا ثُمَّ خَرَجَ الْيَنَارُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ مَا أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يَنْتَظِرُ هَذِهِ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ فَإِنْكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا أَنْتَظَرْتُمْوهَا وَلَوْ لَا أَنْ أَشَقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُ بِتَأْخِيرِ هَذِهِ الصَّلَاةِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ أَوْ أَقْرَبَ مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ أَذَّنَ لِلْفَجْرِ فَأَخْرَجَهَا حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَطْلُعَ فَأَمَرَهُ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى ثُمَّ قَالَ الْوَقْتُ بَيْنَ هَذَيْنِ. ترجمہ:- حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے

رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے متعلق دریافت کیا (کہ نماز کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے) اور پھر (پہلے دن) سورج ڈھلتے ہی (آپ نے حضرت بلالؓ کو ظہر کی اذان کا حکم دیا) حضرت بلالؓ نے ظہر کی اذان دی پھر ان کو (تکبیر کا حکم دیا اور انہوں نے نماز ظہر کی تکبیر کہی اور نماز (ظہر) ادا کی۔ پھر (آپ نے حضرت بلالؓ کو عصر کی اذان کا حکم دیا) حضرت بلالؓ نے عصر کی اذان دی، ہمارا خیال ہے کہ اس وقت آدمی کا سایہ اس سے لمبا ہو چکا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو (تکبیر کا حکم دیا اور انہوں نے تکبیر کہی پھر نماز (عصر) ادا کی پھر (آپ نے حضرت بلالؓ کو مغرب کی اذان کا حکم دیا) حضرت بلالؓ نے مغرب کی اذان دی اس وقت جب کہ سورج غائب ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو (تکبیر کا حکم دیا حضرت بلالؓ نے (مغرب) کی تکبیر کہی اور نماز (مغرب) ادا کی پھر حضرت بلالؓ نے عشاء کی اذان دی اس وقت جب کہ دن کی سفیدی چلی گئی اور وہ شفق ہے پھر آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (پہلے اذان دی اور پھر تکبیر کہہ کر) عشاء کی نماز کھڑی کی پھر حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی اس وقت جب کہ فجر طلوع ہوئی آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (پہلے اذان دی اور پھر تکبیر کہہ کر) فجر کی نماز کھڑی کی پھر دوسرے دن حضرت بلالؓ نے سورج ڈھلتے ہی ظہر کی اذان دی رسول اللہ ﷺ نے اس (ظہر کی نماز) کو مؤخر کیا یہاں تک کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (پہلے اذان دی اور پھر تکبیر کہہ کر) ظہر کی نماز کھڑی کی پھر حضرت بلالؓ نے عصر کی اذان دی رسول اللہ ﷺ نے اس (عصر کی نماز) کو مؤخر کیا یہاں تک کہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (پہلے اذان دی اور پھر تکبیر کہہ کر) عصر کی نماز کھڑی کی پھر حضرت بلالؓ نے مغرب کی اذان دی اس وقت جب کہ سورج غروب ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے اس (مغرب کی نماز) کو مؤخر کیا یہاں تک کہ دن کی سفیدی غائب ہو گئی اور وہ شفق ہے جو اس میں دکھائی دیتی ہے، آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (پہلے اذان دی اور پھر تکبیر کہہ کر) مغرب کی نماز کھڑی کی پھر حضرت بلالؓ نے عشاء کی اذان دی اس وقت جب کہ شفق غائب ہو گئی پھر ہم کھڑے ہوئے اور دوبارہ کھڑے ہوئے پھر ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارے علاوہ لوگوں میں سے کوئی اس نماز (عشاء) کا انتظار کرنے والا نہیں ہے، بلاشبہ تم نماز میں ہو جب تک کہ اس کا انتظار کرو اور اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس (عشاء) کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کا حکم دیتا پھر حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی رسول اللہ ﷺ نے اس (فجر کی نماز) کو اتنا مؤخر کیا قریب تھا کہ سورج طلوع ہو جاتا آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (پہلے اذان دی اور پھر تکبیر کہہ کر) فجر کی نماز کھڑی کی پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان میں ہے۔ (مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ، ج ۱ ص ۳۰۴ باب بَيَانُ الْوَقْتِ نَقْلًا عَنِ الطَّبْرَانِيِّ فِي الْأَوْسَطِ).

استدلال پر اعتراضات: اسکی اسناد بھی حسن ہیں اور غیر مقلدین کی دلیل ”صحیح“ حدیث ہوتی ہے۔ اسلئے غیر مقلدین اس روایت کو عصر کی نماز ایک مثل کی دلیل میں نہیں پیش کر سکتے۔

احناف کے دلائل

● حَدَّثَنَا هَنَادُ بْنُ السَّرِيِّ نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عِيَّاشِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حَكِيمٍ وَهُوَ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ بْنُ مُطْعِمٍ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ آمَنِي جِبْرِيلُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلَّى الظُّهْرَ فِي الْأُولَى مِنْهُمَا حِينَ كَانَ الْفَيْءُ مِثْلَ الشَّرَاكِ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ حِينَ كَانَ كُلُّ شَيْءٍ مِثْلَ ظِلِّهِ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ حِينَ وَجَبَتِ الشَّمْسُ وَأَفْطَرَ الصَّائِمَ ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ حِينَ بَرَقَ الْفَجْرُ وَحَرُمَ الطَّعَامُ عَلَى الصَّائِمِ وَصَلَّى الْمَرَّةَ الثَّانِيَةَ الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ لَوْقَتِ الْعَصْرِ بِالْأَمْسِ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلِهِ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ لَوْقَتِهِ الْأَوَّلِ ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ حِينَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ حِينَ اسْفَرَّتِ الْأَرْضُ ثُمَّ التَفَتَ إِلَى جِبْرِيلَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هَذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ فِيمَا بَيْنَ هَذَيْنِ الْوَقَّتَيْنِ - **ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے امامت کی میری جبریل نے خانہ کعبہ کے پاس دو بار، تو نماز پڑھی ظہر کی جب آفتاب ڈھل گیا اور سایہ جوئی کے تسمے کے برابر ہوا، اور عصر کی نماز پڑھی جب سایہ اسکا اسکے برابر ہوا اور نماز پڑھی مغرب کی جس وقت روزہ دار روزہ کھوتا ہے اور نماز پڑھی عشاء کی جب شفق غائب ہوگئی اور نماز پڑھی فجر کی، جب روزہ دار کو کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے (یعنی صبح صادق نکلتی ہے) پھر دوسری مرتبہ نماز پڑھی ظہر کی جب ہر چیز کا سایہ اسکے برابر ہوا۔ اور نماز پڑھی عصر کی جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہوا۔ اور نماز پڑھی مغرب کی جب روزہ دار روزہ کھوتا ہے، اور نماز پڑھی عشاء کی تہائی رات پر اور نماز پڑھی فجر کی روشنی میں پھر میری طرف متوجہ ہوئے (حضرت جبریل علیہ السلام) اور کہا اے محمدؐ یہی وقت ہے تجھ سے پہلے پیغمبروں کا اور نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان میں ہے (ترمذی ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰۃ الخ ج ۱ ص ۳۸، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب مواقیت ج ۱ ص ۵۶، مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۳، صحیح ابن خزیمہ کتاب الصلوٰۃ، باب ذکر الدلیل علی ان فرض الصلوٰۃ الخ ج ۱ ص ۱۶۸، دارقطنی کتاب الصلوٰۃ، باب امامۃ جبریل ج ۱ ص ۲۵۸، مستدرک حاکم کتاب الصلوٰۃ، اوقات الصلوات الخمس ج ۱ ص ۹۳)

● وَعَنْ أَبِي ذَرِّ الْغِفَارِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَءَ ذِنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَبْرِدْ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَءَ ذِنَ فَقَالَ لَهُ أَبْرِدْ حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التَّلْوْلِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ. **ترجمہ:** حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کیساتھ تھے، جب ظہر کا وقت ہوا تو مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ابھی وقت کو ٹھنڈا

ہونے دو، کچھ دیر کے بعد پھر مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا، تو حضور ﷺ نے پھر فرمایا ابھی وقت ٹھنڈا ہونے دو، حَتَّى رَأَيْنَا فَيَّءَ التَّلُّوْلِ (یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا) پھر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے، لہذا جب گرمی سخت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو۔ (صحیح بخاری باب ۱۱ براد بالظہر فی السفر ج ۱ ص ۷۷، مسلم باب استحباب ۱۱ براد بالظہر... الخ ج ۱ ص ۲۲۲)

اس روایت سے صاف صاف صراحتاً معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے حکم سے نماز ظہر ایک مثل کے بعد پڑھی گئی۔ یعنی ایک سایہ کے بعد بھی ظہر کا وقت باقی ہوتا ہے۔

● ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نماز کے اوقات دریافت کئے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا انا اُخْبِرُكَ بِصَلِّ الظَّهْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ، وَالْعَصْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلِيكَ. (موطا امام مالک باب وقوف الصلوة ص ۳، موطا محمد ص ۴۲)۔ ترجمہ:- سنئے! میں آپ کو بتاتا ہوں! ظہر کی نماز پڑھئے جب آپ کا سایہ آپ کے برابر ہو جائے، اور عصر کی نماز پڑھئے جب آپ کا سایہ آپ کے دو مثل ہو جائے

اگرچہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا ارشاد ہے مگر چونکہ مقادیر مدرک بالعقل نہیں ہوتے اسلئے لامحالہ اسکو حکماً مرفوع ماننا ہوگا ● حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا شَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرَدُوا عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ. ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی تیزی جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔ (ترمذی باب ما جاء في تاخير الظهر في شدة الحر ج ۱ ص ۴۰)

اس حدیث سے صاحب ہدایہ نے امام اعظمؒ کی ظاہر روایت کیلئے استدلال کیا ہے، اور طریقہ استدلال یہ ہے کہ عرب میں ایک مثل کے بعد ہی ٹھنڈک ہوتی ہے، کیونکہ وہاں ٹھنڈک اس وقت ہوتی ہے جب سمندر کی طرف سے ہوائیں چلنا شروع ہوتیں ہیں۔ محمد بن کعب قرظی جو مشہور تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ نَحْنُ نَكُونُ فِي السَّفَرِ فَإِذَا فَاءَتْ الْاَفْيَاءُ وَهَبَّتِ الْارْوَا حُ، قَالُوا: اَبْرَدْتُمْ فَالْارْوَا حُ! ہم سفر میں ہوتے ہیں تو جب سائے پلٹ جاتے ہیں، اور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، تو قافلہ میں اعلان کیا جاتا ہے کہ موسم ٹھنڈا ہو گیا ہے، اب شام کا سفر شروع کرو۔

آج بھی جس کا جی چاہے عرب میں جائے، اور گرمیوں کی شدت کے زمانہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ شام کو ہوائیں کب چلنا شروع ہوتی ہیں، مثل اول میں شاید ہی کبھی چلتی ہوں، ہمیشہ مثل ثانی شروع ہونے کے بعد ہوائیں چلتی ہیں پس ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت دو مثل تک ہے۔

وجوہ ترجیح

امامت جبرئیل والی حدیث بھی قطعی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس میں نسخ کا احتمال ہے اور یہ احتمال بھی بغیر دلیل نہیں ہے بلکہ مثلیں کی روایتوں کی بناء پر یہ احتمال پیدا ہوا۔ دلیل کے قطعی ہونے کیلئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی نص پیش کی جائے، جس سے دائماً حضور اکرم ﷺ کا مثل ثانی میں عصر پڑھنا ثابت ہوتا ہو، یا کم از کم ایسی تصریح پیش کی جائے کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری عمل مثل ثانی میں عصر پڑھنے کا تھا۔ اور ایسی تصریحات غیر مقلدین کے پاس نہیں ہیں۔ رہا ظہر کا معاملہ تو اگر وہ مثل اول میں ادا کی گئی تب تو وہ بالیقین ادا ہو گئی، اور اگر مثل ثانی میں پڑھی گئی تب بھی ذمہ فارغ ہو جائیگا۔

الغرض غیر مقلدین نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ اولاً تو مبنی براحتیاط نہیں اور ثانیاً ان کے مسلک کے مطابق مثلیں کی روایتوں کا ترک کرنا لازم آتا ہے اور امام اعظمؒ نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ اسمیں احتیاط بھی ہے اور تمام روایتوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

[اگر کسی مجبوری کی بناء پر کوئی شخص مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھ لے (وقت مہمل میں) تو ذمہ فارغ ہو جائیگا (جیسے کہ حاجیوں کو حرمین شریفین میں یہ مجبوری پیش آتی ہے) مگر ظہر اور عصر دونوں کو مثل ثانی میں پڑھنا شریعت کے منشاء کے خلاف ہے [مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ایضاح الادلہ، مثل اور مثلیں کی بحث ص ۲۷۱..... ۲۹۸ مصنف شیخ الہند]

عصر کا احوط وقت

ایک مثل :- جب ہر چیز کا سایہ فئی زوال کو منھا کرنے کے بعد اس چیز کے بقدر ہو جائے تو اصطلاح میں اس کو ایک مثل (مانند) کہتے ہیں۔

دو مثل یا مثلیں :- جب ہر چیز کا سایہ فئی زوال کو منھا کر نیچے کے بعد اس چیز کے ڈبل (دوہرا) ہو جائے تو اصطلاح میں اس کو دو مثل یا مثلیں کہتے ہیں۔

ظہر کا آخری وقت کب تک باقی رہتا ہے اور عصر کا وقت کب شروع ہوتا ہے اسمیں اختلاف ہے۔

غیر مقلدین :- غیر مقلدین کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے اور اسکے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے **امام اعظم ابو حنیفہ :-** اسد بن عمرو کی روایت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے مثل ثانی مہمل وقت ہے یعنی نہ ظہر کا وقت ہے نہ عصر کا۔ ظہر کی نماز ایک مثل پر ختم کر دینا چاہئے۔ اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھنا چاہئے اسی میں احتیاط ہے۔

عصر کا وقت ایک مثل کے بعد شروع ہو جاتا ہے اس استدلال میں غیر مقلدین جو روایات پیش کرتے ہیں وہ دو اقسام پر ہیں ایک قسم صریح روایات کی ہے (جسمیں ایک مثل کی صراحت ہے) لیکن یہ روایات ”صحیح“ کے درجہ تک نہیں پہنچتیں اور

غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ انکی دلیل صرف ”صحیح“ حدیث ہوتی ہے اسلئے یہ تمام صریح روایات بطور استدلال کے ان کی طرف سے ناقابل قبول ہیں۔ روایات کی دوسری قسم جو بطور استدلال غیر مقلدین پیش کرتے ہیں وہ ”صحیح“ کے درجہ تک پہنچتی ہیں لیکن اسمیں ایک مثل یا دو مثل کی صراحت نہیں ہے۔ غیر مقلدین ان روایات پر سے صرف قیاس کرتے ہیں اور انکے ”قیاس“ کے مقابلہ میں صحیح حدیث موجود ہے جسمیں عصر کی نماز کیلئے ”دو مثل“ کا صراحۃً ذکر ہے (مثلاً) حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت۔

(صحیح بخاری باب الا براد بالظہر فی السفر ج ۱ ص ۶۷، مسلم باب استحباب الا براد بالظہر... الخ ج ۱ ص ۲۷۷) صحیح صریح حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح نہیں دی جائیگی۔ اسلئے عصر کی نماز دو مثل یا مثلین کے بعد پڑھنی چاہئے اسی میں احتیاط ہے۔

اگر ظہر مثل اول میں ادا کی گئی تو وہ بالیقین ادا ہو گئی اور اگر مثل ثانی میں پڑھی گئی تب بھی ذمہ فارغ ہو جائیگا اور اگر کسی مجبوری کی بناء پر کوئی شخص مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھ لے (یعنی وقت مہمل میں) تو ذمہ فارغ ہو جائیگا (جیسا کہ حاکم جیوں کو حرمین شریفین میں یہ مجبوری پیش آتی ہے) مگر ظہر یا عصر کو مثل ثانی میں پڑھنا شریعت کے منشاء کے خلاف ہے الغرض غیر مقلدین نے جو موقف اختیار کیا ہے اولاً تو وہ مبنی بر احتیاط نہیں اور ثانیاً ان کے مسلک کے مطابق مثلین کی روایتوں کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔

مغرب کی فرض نماز سے قبل دو رکعات کا مسئلہ

یومیہ نمازوں کی رکعات کی تعداد کیساتھ اگر کوئی نفل نمازوں کو ملا کر بیان کرتا ہے تو غیر مقلدین (فرقہ اہل حدیث) اسکی زبردست مخالفت کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ مغرب کی نمازوں کی تعداد سات۔ ۷، ہے اس طرح سے کہ تین فرض، دو سنت، دو نفل، تو نفل کی تعداد مغرب کی رکعات کیساتھ ملا کر بیان کرنیکی مخالفت کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے بدعت بھی کہتے ہیں۔ (حالانکہ نفل نمازیں ”مستحب“ کے درجہ میں ہیں) کچھ صحابہ کرامؓ سے مغرب کی اذان اور فرض نماز کے درمیان دو رکعات ادا کرنا منقول ہے اور وہ بھی بطور نفل نہ کہ بطور سنت بلکہ بعد میں اسے ترک بھی کر دیا۔ لیکن بڑی عجیب بات ہے کہ یہی غیر مقلدین اس ”نفل نماز“ کے سلسلے میں بڑی شدت برتتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ مغرب سے قبل کی یہ دو رکعات سنت ہیں اور نہ صرف مغرب کی نماز کیساتھ شمار کرتے ہیں بلکہ نہ پڑھنے والوں پر نکیر کرتے ہیں اور ترک کے عمل کو خلاف سنت بتلاتے ہیں۔

مغرب سے قبل کی دو رکعات کے ”سنت نماز“ نہ ہونے اور اسے ”ترک“ کر دینے کے دلائل و متابعات

(۱) حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مغرب سے پہلے نماز پڑھو، مغرب سے پہلے نماز پڑھو، پھر تیسری مرتبہ فرمایا جو چاہے اس بات سے بچتے ہوئے کہ لوگ اسے سنت بنالیں گے۔

(صحیح بخاری، باب الصلوٰۃ قبل المغرب ج ۱ ص ۱۵۸، ابوداؤد باب الصلوٰۃ قبل المغرب ج ۱ ص ۱۸۲)

(۲) مرثد بن عبداللہ مزی کہتے ہیں میں عقبہ بن عامر الجہنی کے پاس آیا او کہا کہ کیا میں تم کو حیرت میں نہ ڈال دوں۔ ابی تمیم کی دو رکعتوں سے جو پڑھتے ہیں مغرب کی نماز سے پہلے۔ عقبہ نے کہا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایسا کیا کرتے تھے تو میں نے کہا اب کس چیز نے تم کو منع کیا ہے؟ انھوں نے کہا مشغولیت نے۔

(صحیح بخاری باب الصلوٰۃ قبل المغرب ج ۱ ص ۱۵۸)

(۳) حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ سے سوال کیا گیا مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں تو انہوں نے کہا میں نے کسی کو نہیں دیکھا دو رکعات پڑھتے ہوئے مغرب سے پہلے نبی ﷺ کے عہد میں۔

(ابوداؤد باب الصلوٰۃ قبل المغرب ج ۱ ص ۱۸۲ سنن الکبریٰ ج ۶ ص ۲۷۶)

(۴) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعات نماز پڑھتے تھے میں (راوی مختار بن طفیل) نے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں ہیں؟ تو حضرت انسؓ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ ہم کو دیکھتے تھے تو نہ اس کے پڑھنے کا حکم دیا اور نہ ہی اس سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۸)

(۵) حضرت حمادؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعیؓ سے مغرب سے پہلے نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مجھے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ یہ نہیں پڑھتے تھے (کتاب الآثار ص ۲۹ ج ۱۳۵)

اگر غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعات نماز ”سنت“ ہے اور متروک نہیں ہے تو اسکی دلیل میں صحیح

صریح حدیث پیش کریں۔

تنبیہ: ”صحیح“ اسلئے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ (غیر مقلدین) صرف صحیح احادیث پر عمل کرتے ہیں اور ”صریح“ اسلئے کہ انکے نزدیک قیاس حجت نہیں ہے۔ اور امام اعظمؒ نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ اس میں احتیاط بھی ہے اور تمام روایتوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

جمعہ کی دونوں اذانیں مسنون ہیں بدعت نہیں

جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے پہلے دو اذانیں دی جاتی ہیں ایک تو وقت ہونے پر اور دوسری جب امام منبر پر بیٹھتا ہے اس وقت۔ دونوں اذانیں مسنون ہیں۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانہ سے آج تک جمہور امت کا اس پر متواتر عمل رہا ہے۔ جب فرقہ غیر مقلدین (تقریباً سو سال پہلے) معرض وجود میں آیا تب بھی کچھ عرصہ تک یہ دونوں اذانیں مسنون تھیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انہیں جدید انکشاف ہوا کہ آج تک جس پر امت عمل کرتے آئی ہے (اور جس پر غیر مقلدین خود کچھ عرصہ تک عمل کرتے آئے ہیں) وہ بدعت ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ اور انکا انکشاف بھی کتنا خطرناک ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں جب آپ ﷺ منبر پر خطبہ کیلئے بیٹھتے تھے تو اس وقت منبر کے قریب اذان دی جاتی تھی۔ انکے نزدیک منبر کے قریب اذان کہنا بدعت ہے جمہور امت جیسے عام اذانیں دیتے ہیں ویسی ہی اذان انکے نزدیک سنت ہے اور حضور ﷺ کے زمانہ کی اذان انکے نزدیک بدعت ہے۔ گویا پہلی اذان جو حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانہ سے شروع ہوئی اور جمہور امت کا اس پر جس طرح عمل رہا انکے نزدیک سنت ہے اور دوسری اذان جو حضور ﷺ کے زمانہ میں منبر کے پاس دی جاتی تھی انکے نزدیک بدعت ہے (نعوذ باللہ من ذالک)

غیر مقلدین:- ان کے نزدیک منبر کے قریب کی جمعہ کی اذان بدعت ہے اور جو اذان اذان خانہ سے دی جاتی ہے وہ سنت ہے۔

جمہور امت:- ان کے نزدیک جمعہ کی دونوں اذانیں مسنون ہیں۔

غیر مقلدین کے فتاوے

”چنانچہ مولوی محمد صاحب جو ناگڑھی لکھتے ہیں: حضور ﷺ کے زمانہ اور آپ کے بعد دو خلیفوں کے زمانہ میں تو اس دوسری اذان کا وجود بھی نہ تھا ہاں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایجاد ہوئی، جو وقت معلوم کرنے کیلئے زوراء بازار کی بلند جگہ کھلوائی جاتی تھی، نہ کہ مسجد میں پس ہمارے زمانہ میں مسجد میں جو دو اذانیں ہوتی ہیں وہ صریح بدعت ہیں، اور کسی طرح جائز نہیں (فتاویٰ ستاریہ ج ۳ ص ۸۵)۔“

”مولوی عبدالرحمن صاحب مدرس میان صاحب دہلوی رقم طراز ہیں اب مسجد میں دو اذانیں کہنا بدعت ہے۔“

(فتاویٰ ستاریہ ج ۳ ص ۸۷)

”جماعت غرباء الہمدیث کے امام اول عبدالوہاب صاحب صدری کے سوانح نگار ابو محمد میان والی لکھتے ہیں:

مساجد احناف والہمدیث میں جمعہ کی دو اذانیں ہوا کرتی تھیں، جیسا کہ آج کل احناف کے یہاں مروج ہے۔ مولانا موصوف (عبدالوہاب صاحب) نے پہلی اذان جو مسجد میں خطبہ سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ پہلے ہوتی تھی اسے موثقہ دلائل سے

بدعت ثابت کر کے موقوف کا فتویٰ صادر فرمایا اور دوسری اذان عند جلوس الإمام علی المنبر کے صحیح ہونیکا فتویٰ دیا
آج اکثر مساجد الحمد ث میں اس طریقہ نبوی پر عمل ہو رہا ہے (مجموعہ رسائل مکمل نماز و ہدایۃ البنی ص ۲۱)“

جمہور امت کی دلیل

● عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدٍ يَقُولُ إِنَّ الْأَذَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ أَوَّلَهُ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ فَلَمَّا كَانَ خِلَافَةُ عُثْمَانَ وَكَثُرُوا أَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْأَذَانِ الثَّانِي فَأُذِنَ بِهِ عَلَى الزُّورِ آءِ فَثَبَّتَ الْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ. ترجمہ:- حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں جمعہ کی پہلی اذان اس وقت ہوتی جب امام منبر پر بیٹھ جاتے۔ جب حضرت عثمانؓ کا دور خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے (خطبہ سے پہلے) ایک اور اذان دینے کا حکم فرمایا۔ یہ اذان ایک اونچی جگہ پر دی جاتی تھی، پھر اس اذان پر مسلسل عمل شروع ہو گیا۔ (صحیح بخاری شریف باب الاذان يوم الجمعة ج ۱ ص ۱۲۴، ابوداؤد باب النداء يوم الجمعة ج ۱ ص ۱۵۵، نسائی باب الاذان للجمعة ج ۱ ص ۲۰۷، ترمذی باب ما جاء في اذان الجمعة ج ۱ ص ۱۱۵، ابن ماجہ الاذان يوم الجمعة ج ۱ ص ۷۹، سنن کبریٰ بیہقی ج ۳ ص ۱۹۲، نصب الراية ج ۲ ص ۱۹۶، صحیح ابن خزيمة ج ۳ ص ۱۳۷)

فائدہ:- اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ جمعہ کی اذان جو خطبہ جمعہ سے آدھ پون گھنٹے قبل دی جاتی ہے اسکا اضافہ سیدنا حضرت ذوالنورینؓ نے اپنے بابرکت عہد خلافت میں فرمایا۔ لوگوں کو نماز کا وقت بتانے اور تیاری کے لئے جیسا کہ فتح الباری میں ہے: وَتَبَيَّنَ بِمَا مَضَى أَنَّ عُثْمَانَ أَحَدَهُ لَا غَلَامَ النَّاسِ بِدُخُولِ وَقْتِ الصَّلَاةِ قِيَّاسًا عَلَى بَقِيَّةِ الصَّلَوَاتِ (فتح الباری ۲: ۳۹۴) اور یہ اضافہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین عظام اساطین امت رحمہم اللہ کی موجودگی میں ہوا، کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ تمام شہروں میں اسی پر پابندی سے امت نے عمل کیا۔ لہذا یہ اذان فرمان نبوی: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ ترجمہ:- تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کے مطابق سنت ہے بدعت نہیں۔ بدعت کہنا گمراہی ہے، انتہائی خطرناک ہے، فتح الباری شرح البخاری میں ہے: قَوْلُهُ فَثَبَّتَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّ النَّاسَ أَخَذُوا بِفِعْلِ عُثْمَانَ فِي جَمِيعِ الْبِلَادِ إِذْ ذَاكَ لِكُونِهِ خَلِيفَةً مَطَاعَ الْأَمْرِ. ترجمہ:- یعنی لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے اس مبارک عمل کو تمام شہروں میں اختیار کیا اسوجہ سے کہ حضرت عثمانؓ اس وقت متفق علیہ قابل اطاعت خلیفہ تھے (فتح الباری ۲: ۳۹۴، عون المعبود ۳: ۳۳)

علامہ قسطلانیؒ نے فرمایا کہ اس اذان کی مشروعیت حضرت عثمانؓ کے اجتہاد اور صحابہ کرامؓ کی موافقت سے ہوئی ہے کسی نے انکار نہیں کیا ہے، اس پر اجماع سکوتی ہو گیا۔

لَا تَهْ أَوَّلَ بِإِعْتِبَارِ الْوُجُودِ ثَالِثَ بِإِعْتِبَارِ مَشْرُوعِيَّةِ عُثْمَانَ لَهُ بِإِجْتِهَادِهِ وَمُوَافَقَةِ سَائِرِ الصَّحَابَةِ لَهُ بِالْكَوْنِ وَعَدَمِ الْإِنْكَارِ فَصَارَ إِجْمَاعًا سُكُوتِيًّا۔ (ارشاد الساری شرح البخاری ۲: ۵۸۵، عون المعبود ۳: ۳۲۰)

غرض یہ اذان جو حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ سے رائج ہوئی سنت ہے فرمان نبوی ﷺ سے، اجماع صحابہ سے اور اجماع امت سے۔

خانہ ساز اجتہاد:۔ رفض کے الزام سے بچنے کیلئے بعض غیر مقلدین جمعہ کی اذان ثانی کو سنت تو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن اس پر عمل نہ کرنے کیلئے خانہ ساز تاویلات پیش کرتے ہیں مثلاً

- (۱) اس اذان کی ضرورت حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں تھی اب گھڑی اور لائوڈ اسپیکر نے اس کی ضرورت کو ختم کر دیا۔
- (۲) وہ اذان مقام زوراء پر ہوتی تھی جگہ بدل کر دینے کی ضرورت نہیں۔ یا وہ صرف مدینہ کے مقام زوراء میں ہوئی اور کہیں اس کو اختیار نہیں کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

صاف اور واضح بات ہے کہ جب ایک عمل سنت ثابت ہو چکا تو اس سنت کو مختلف تاویلات اور علتوں سے ساقط کرنے کا اختیار ان غیر مقلدین کو کس نے دیا؟ اگر ایسی ہی تاویلات اور علتوں سے سنت ساقط کی جاتی رہی تو پھر امت محمدیہ میں سنتوں کا باقی رہنا مشکل ہو جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں وقت میں فلاں سنت کے وقت میری فلاں فلاں مصروفیات ہیں یا فلاں دشواری ہے اس لئے فلاں تاویل یا علت کی بناء پر مجھ سے فلاں سنت ساقط۔ کیا یہ بات قبول کی جائے گی؟ ہرگز نہیں۔

اذان ثانی کے مسئلہ پر حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے حدوث فرقہ اہلحدیث تک بلکہ اس فرقہ پر جدید انکشاف تک جمیع اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع رہا ہے اگر ورفض کی طرح کوئی مختلف تاویلات پیش کر کے اس سنت سے انکار کرے تو کیا وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے؟

عید کے دن جمعہ کی نماز کے مسئلہ میں

جدید انکشاف: غیر مقلدین کے یہاں ایک حیرت انگیز مسئلہ کا انکشاف ہوا وہ یہ ہے کہ اگر جمعہ کے دن عید الفطر یا عید الاضحیٰ ہو تو جمعہ کی نماز معاف ہے۔

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی سے ایک سوال ہوا کہ اگر اتفاق سے عید و جمعہ دونوں ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں تو اس میں جمعہ کا پڑھنا رخصت ہے یا نہیں۔ زید ایسے دنوں میں جمعہ ادا نہیں کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں یہ کہنا کیسا ہے؟

اس سوال کے جواب میں آپ کے شاگرد مولوی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں: ”جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جائیں تو اس دن اختیار ہے جس کا جی چاہے جمعہ پڑھے اور جس کا جی نہ چاہے نہ پڑھے اور ایسے دنوں میں زید جو نماز

ادا نہیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں، سو اس کا یہ کہنا اچھا ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۵۷۳)
 نواب نور الحسن صاحب لکھتے ہیں: ”وچوں جمعہ وعید فراہم آئندہ در یک روز جمعہ رخصت باشد و ظاہر آنست کہ ایں رخصت عام ست از برائے امام و سائر مردم۔“ **ترجمہ:** جب جمعہ اور عید ایک دن ہوں تو جمعہ رخصت ہو جائیگا اور ظاہر ہے کہ یہ رخصت عام ہے امام کے لئے اور عام انسانوں کیلئے۔ (عرف الجادی صفحہ ۴۳)۔

نواب وحید الزماں صاحب رقمطراز ہیں: ”وَالْجُمُعَةُ فِي يَوْمِ الْعِيدِ خُصَّةٌ مُطْلَقًا لِأَهْلِ الْبَلَدِ وَغَيْرِهِمْ فَإِنْ شَاءَ صَلَّى الْعِيدَ وَالْجُمُعَةَ كِلَيْهِمَا وَإِنْ شَاءَ صَلَّى الْعِيدَ فَقَطْ وَلَمْ يُصَلِّ الْجُمُعَةَ وَفِي سُقُوطِ الظُّهْرِ خِلَافٌ وَالْحَقُّ جَوَازُ تَرْكِهِ أَيْضًا. **ترجمہ:** اور عید کے دن جمعہ کی مطلق رخصت ہے شہر والوں کیلئے اور دوسروں کیلئے۔ اگر چاہے تو عید اور جمعہ کی نماز دونوں پڑھے اور اگر چاہے تو صرف عید کی نماز پڑھے اور جمعہ کی نماز نہ پڑھے اور ظہر کے ساقط ہونے میں اختلاف ہے اور حق یہ ہے کہ اس (ظہر) کا چھوڑنا جائز ہے۔

(نزل الابراہیم ج ۱ ص ۱۵۵)۔ (ملاحظہ ہو عید کے دن ظہر بھی ساقط کر دی گئی)۔
نوٹ: غیر مقلدین قرآن و احادیث کے خلاف کتنی جرأت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عید اور جمعہ اگر دونوں جمع ہو جائیں تو جمعہ کی نماز معاف ہے بلکہ ظہر بھی معاف ہے۔

عیدین کے دن جمعہ یا ظہر (فرض) ساقط کرنے کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس ایک بھی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرض کے سلسلہ میں غیر مقلدین کی یہ جرأت قابل حیرت و افسوس ہے۔
 (غیر مقلدین کے دلائل کیلئے ملاحظہ ہو تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۴۲۲ اور ۴۲۵)

جمع اہل سنت والجماعت کے دلائل

اہل سنت والجماعت کے یہاں اگر عید اور جمعہ دونوں جمع ہو جائیں تو جمعہ ساقط نہیں ہوتا۔ عید اور جمعہ کے جمع ہونے پر عدم سقوط جمعہ کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

● وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ أَتَكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ وَرُبَّمَا اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ فَيَقْرَأُ بِهِمَا. **ترجمہ:** حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں سورہ اعلیٰ اور سورہ غاشیہ پڑھتے تھے، بسا اوقات عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑ جاتے تو بھی آپ ﷺ دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم فصل فی قرأۃ آلم ج ۱ ص ۲۸۸، ترمذی باب القرأۃ فی العیدین ج ۱ ص ۱۱۹، نسائی ذکر الاختلاف علی النعمان بن بشیر فی القرأۃ فی صلوٰۃ الجمعة ج ۱ ص ۲۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ”ما یقرأ بہ فی العید“ ج ۳ ص ۲۲۰، سنن دارمی ج ۱ ص ۲۹۰، ابوداؤد ”ما یقرأ فی الجمعة“ ج ۱ ص ۱۵۹)

اس حدیث شریف سے واضح ہوا کہ جب عید اور جمعہ جمع ہو جاتے تھے تو بھی آپ ﷺ دونوں کو پڑھتے تھے اور دونوں میں سورۃ اعلیٰ اور سورۃ غاشیہ پڑھا کرتے تھے۔
جمعہ کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ..... خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ اس آیت کریمہ سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے جو کہ نص قطعی ہے اور تمام جمعوں کو شامل ہے۔ اس میں کسی جمعہ کی تخصیص نہیں ہے۔ لہذا عید کی وجہ سے جمعہ جو کہ فرض ہے ساقط نہیں ہوگا۔ روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے نماز عید پڑھائی اور جمعہ پڑھانیکا ارادہ تھا کہ خطبہ میں ان حضرات کو رخصت دی جن پر جمعہ فرض نہیں تھا اسی لئے صراحت فرمادی کہ اہل عالیہ میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے انتظار کرے اور جس کو جانا ہو وہ چلا جائے۔ اہل عالیہ یہ وہ لوگ تھے جن پر جمعہ فرض نہیں تھا کیونکہ یہ شہر سے دور دیہات کے علاقہ میں رہتے تھے۔ عثمان بن عفانؓ کی روایت ملاحظہ ہو۔

● عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ أَنَّهُ شَهِدَ الْعِيدَ يَوْمَ الْأَضْحَى مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَصَلَّى قَبْلَ الْخُطْبَةِ..... فَقَالَ أَبُو عُبَيْدٍ ثُمَّ شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَكَانَ ذَلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَصَلَّى قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هَذَا يَوْمٌ قَدْ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيهِ عِيدَانِ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ مِنْ أَهْلِ الْعَوَالِي فَلْيَنْتَظِرْ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ۔ ترجمہ:- امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابو عبیدہ نے بیان کیا کہ وہ عید الاضحیٰ کے موقع پر نماز کیلئے حضرت عمر بن خطابؓ کیساتھ حاضر ہوئے، آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی پھر لوگوں کو خطبہ دیا۔ ابو عبیدہؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نماز عید کیلئے حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ حاضر ہوا۔ یہ اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، آپ نے بھی خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ فرمایا: لوگو! یہ ایسا دن ہے جس میں تمہارے لئے دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں تو جو اہل عوالی میں سے واپس جانا چاہے میری طرف سے اسے اجازت ہے اور جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے انتظار کرے۔ (بخاری شریف باب ما یوکل بہ من لحوم الاضاحی و ما یتزود ج ۲ ص ۸۳۵ مصنف ابن ابی شیبہؒ ”فی العید یجتمعان یجزی ۱ احدہما من الاخر“ ج ۲ ص ۲۲۲، موطا امام مالک ص ۶۳، کتاب الام ج ۱ ص ۲۷۴، نصب الراية ج ۲ ص ۲۲۵، موطا امام محمد ص ۱۳۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے جو رخصت دی تھی وہ اہل عوالی (دیہات والوں) کو دی تھی اور ان پر جمعہ فرض نہیں تھا لیکن چونکہ یہ عید کی نماز کیلئے حاضر ہو گئے تھے۔ اور اب ان کے زیادہ دیر ٹھہرنے میں مشقت ہی مشقت تھی اسلئے حضرت عثمان بن عفانؓ نے ان کو اجازت دی تھی۔ لیکن یہ غیر مقلدین اس روایت کے تحت سب کو جمع فرما لیتے ہیں ”شہر والوں اور ”دیہات“ والوں کو جواز روئے مقتضائے روایت بالکل صحیح نہیں ہے۔

غیر مقلدین کے استدلال پر اعتراض

اس سلسلے میں غیر مقلدین ابن ماجہ کی روایت پیش کرتے ہیں جو حضرت زید ابن ارقم سے ہے۔ مگر یہ سند ضعیف ہے، ابن المنذر نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں کیونکہ ایسا ابن ابی رملہ مجہول ہیں، ابن حجر نے بھی اسے تقریب میں مجہول کہا ہے۔ روایت ملاحظہ ہو۔

● مِنْ طَرِيقِ إِبْنِ أَبِي رَمْلَةَ الشَّامِيِّ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمٍ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عِيدَيْنِ قَالَ نَعَمْ صَلَّى الْعِيدَ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ فَقَالَ مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُصَلِّ.

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عید پڑھائی اور جمعہ کے پڑھنے میں رخصت دے دی، اس حدیث کو حاکم، ذہبی اور علی بن مدینی نے صحیح کہا ہے نووی نے اس کی سند کو جید کہا ہے المجموعی (ج ۴ ص ۴۹۲) مگر یہ سند ضعیف ہے ابن خزمیہ حدیث ذکر کرنے سے قبل فرماتے ہیں بشرطیکہ یہ حدیث صحیح ہو ایسا ابن رملہ کے بارے میں مجھے جرح و تعدیل کا علم نہیں۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں کیونکہ ایسا ابن ابی رملہ مجہول ہے میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۲۸۲) و تلخیص الحیر (ج ۲ ص ۸۸) ابن حجر نے بھی اسے ”تقریب“ میں مجہول کہا ہے۔

اسی مضمون کی روایات ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے مگر ابن حجر اور دارقطنی نے کہا یہ حدیث مرسل ہے، ابن عمر سے بھی اس سلسلے میں روایت ذکر کرتے ہیں مگر اس کی سند میں جبارہ اور مندل ہے یہ دونوں ضعیف ہیں،

جتنی احادیث غیر مقلدین اس سلسلے میں پیش کرتے ہیں سب احادیث ضعیف ہیں۔ قَالَ ابْنُ الْحَزْمِ وَإِذَا اجْتَمَعَ عِيدٌ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ صَلَّى لِلْعِيدِ ثُمَّ لِلْجُمُعَةِ وَلَا بُدَّ وَلَا يَصِحُّ اثَرُ بَخْلَافِ ذَلِكَ

ترجمہ: ابن حزم نے کہا کہ جب عید اور جمعہ کا دن جمع ہو جائے تو عید کی نماز پڑھے پھر جمعہ کی نماز پڑھے اور بیشک اس کے خلاف آثار سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ (المحلی لابن حزم ج ۳ ص ۹۳)۔

قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ (ابْنُ الْحَزْمِ) الْجُمُعَةُ فَرَضٌ وَالْعِيدُ تَطَوُّعٌ وَالتَّطَوُّعُ لَا يَسْقُطُ الْفَرَضُ. **ترجمہ:** ابن حزم نے کہا کہ جمعہ فرض ہے اور عید نفل (تطوع، سنت) ہے اور نفل فرض کو ساقط نہیں کرتا۔ (جس طرح ظہر عید کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی) (المحلی لابن حزم ج ۳ ص ۹۳)

نماز جمعہ کا ثبوت دلائل قطعیہ سے ہے لہذا اس کے سقوط کیلئے بھی دلیل قطعی کی ضرورت ہوگی جب کہ اسکے بارے میں کوئی صحیح اور صریح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے تو دلیل قطعی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا اثر کا سہارا لے کر کتاب اللہ، اخبار متواترہ، اور اجماع کی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ لہذا آیت کریمہ، احادیث نبویہ، آثار صحابہ، تعامل خلفاء راشدین و توارث ائمہ متبوعین و فقہاء نیز توافق کبار محدثین کی وجہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جب بھی جمعہ و عید جمع

ہو جائے تو دونوں پڑھنا ضروری ہے۔ عید کی وجہ سے جمعہ ساقط نہیں ہوگا۔

نماز عیدین

نماز عیدین میں کچھ تکبیرات زوائد ہیں جن کی مختلف روایات میں مختلف تعداد آئی ہے اسی لحاظ سے مختلف مسالک کے مختلف طریقے ہیں۔

احناف: نماز عیدین واجب ہے۔ **مالکیہ:** نماز عیدین سنت مؤکدہ ہے۔
شافع: نماز عیدین سنت مؤکدہ ہے۔ **حنابلہ:** ان کا ظاہر مسلک فرض کفایہ ہے۔

زائد تکبیریں کتنی؟

غیر مقلدین: ان کے نزدیک زائد تکبیرات بارہ ہیں۔

احناف: ان کے نزدیک زائد تکبیرات چھ ہیں۔

غیر مقلدین کے دلائل

● حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْلَى عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَنَّهُ كَبَّرَ فِي صَلَاةِ الْعِيدِ سَبْعًا وَخَمْسًا **ترجمہ:** حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز عید میں پانچ اور سات تکبیریں کہیں۔ (ابن ماجہ أبواب إقامة الصلوات باب ما جاء في كم يكبر ا لا امام في صلوة العیدین، ص ۹۲ دارقطنی کتاب العیدین ج ۲ ص ۲۸، سنن الکبریٰ للبیہقی کتاب الصلوة ج ۳ ص ۲۸۶، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۰) صاحب آثار السنن نے کہا کہ اس کی اسناد قوی نہیں ہیں [تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۴۹۴]

عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ: عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور اپنے دادا سے، اس میں کلام ہے۔
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الطَّائِفِيُّ: ابن معین نے بھی ان کی تضعیف کی ہے۔ امام نسائی، ابو حاتم، وغیرہ نے ان کے متعلق فرمایا ہے لَيْسَ بِإِقْوَى۔ ابن قتان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک جماعت نے ان کی تضعیف کی ہے۔ ابن جوزی نے بھی ان کی تضعیف کی ہے۔

غرض اس روایت کی سند قوی نہیں ہے۔ اسلئے یہ روایت ”صحیح“ درجہ تک نہیں پہنچتی۔ اسلئے غیر مقلدین اس سے

استدلال نہیں کر سکتے۔

● حَدَّثَنَا أَبُو مَسْعُودٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُقَيْلٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَثَمَةَ ثَنَا كَثِيرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ

بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَبَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ سَبْعًا فِي الْأُولَى وَخَمْسًا فِي الْآخِرَةِ. **ترجمہ:** کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین میں سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں تکبیریں کہیں۔ (ابن ماجہ ص باب ما جاء فی کم یکبر الا امام فی صلوة العیدین ص ۹۲، ترمذی باب فی التکبیر فی العیدین ج ۱ ص ۱۱۹)

اس کی اسناد بہت ضعیف ہیں۔

● حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ لَهْيَعَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ وَعَقِيلِ بْنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَبَّرَ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى سَبْعًا وَخَمْسًا سِوَى تَكْبِيرَاتِي الرُّكُوعِ **ترجمہ:** حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں سات اور پانچ تکبیریں کہیں رکوع کی دو تکبیروں کے سوا۔

اس میں ابن لہیعہ ہیں اور ان میں بہت مشہور کلام ہے (ابن ماجہ ابواب اقامۃ الصلوات، باب ما جاء فی کم یکبر الا امام فی صلوة العیدین ص ۹۲، ابوداؤد کتاب الصلوة، باب فی التکبیر فی العیدین ج ۱ ص ۱۶۳)

● حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَعْدِ بْنِ عَمَّارٍ بْنِ سَعْدِ الْمُؤَذِّنِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْأُولَى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ فِي الْآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ. **ترجمہ:** سعد مؤذن سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ عید کی نماز میں، پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہتے تھے، اور دوسری رکعت میں بھی قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہتے تھے۔

(ابن ماجہ ابواب اقامۃ الصلوات، باب ما جاء فی کم یکبر الا امام فی صلوة العیدین ص ۹۲، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۴۹۶)

اس کی اسناد ضعیف ہیں۔

عبدالرحمن بن سعد بن عمار: ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ یہ اس کے اہل نہیں ہیں۔ خزرجی نے خلاصہ میں کہا ہے کہ ابن معین نے انہیں ضعیف کہا ہے۔ حافظ نے تقریب میں انہیں مستور کہا ہے۔

(مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۴۹۳.... ۴۹۷)

آثار: بارہ زائد تکبیرات کے سلسلہ میں حضرت نافع، حضرت عمار وغیرہ کے آثار بھی موجود ہیں لیکن غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول و فعل حجت نہیں ہے اس لئے آثار کو بطور استدلال نہیں پیش کر سکتے۔

غرض غیر مقلدین کے پاس بارہ زائد تکبیرات کے سلسلہ میں ایک بھی صحیح صریح مرفوع روایت موجود نہیں ہے اسلئے انکا یہ فعل بلا دلیل ہے۔

احناف کے دلائل و شواہد

● حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَابْنُ أَبِي زِيَادٍ الْمَعْنَى قَرِيبٌ قَالَ نَازِدُ بْنُ أَبِي حُبَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَكْحُولٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو عَائِشَةَ جَلِيسٌ لِأَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ سَأَلَ أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ وَحُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ يُكَبِّرُ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ فَقَالَ أَبُو مُوسَى كَانَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا تَكْبِيرَهُ عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ صَدَقَ فَقَالَ أَبُو مُوسَى كَذَلِكَ كُنْتُ أَكَبِّرُ فِي الْبَصْرَةِ حَيْثُ كُنْتُ عَلَيْهِمْ قَالَ أَبُو عَائِشَةَ وَأَنَا حَاضِرُ سَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ - ترجمہ: محمد بن علاء اور ابن ابی زیاد، زید، عبد الرحمن، ان کے والد، مکحول، ابو عائشہ سے روایت ہے، کہ سعید بن العاص نے ابو موسیٰ اشعری اور حذیفہ ابن الیمان سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کیونکر تکبیر کہتے تھے عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں ابو موسیٰ نے کہا چار تکبیریں کہتے تھے جتنی جنازے پر کہتے ہیں حذیفہ نے کہا سچ ہے اور ابو موسیٰ نے کہا میں اتنی ہی تکبیریں کہا کرتا تھا بصرے میں جب ان پر حاکم تھا، ابو عائشہ نے کہا میرے سامنے سعید بن العاص نے پوچھا (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب التکبیر فی العیدین ج ۱ ص ۱۶۳) صاحب آثار السنن کہتے ہیں کہ اس کی اسناد حسن ہیں۔

● قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ وَعَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ قَالَا كَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ جَالِسًا وَعِنْدَهُ حُذَيْفَةُ وَأَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ فَسَأَلَهُمْ سَعِيدُ بْنُ الْعَاصِ عَنِ التَّكْبِيرِ فِي صَلَاةِ الْعِيدِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ سَلِ الْأَشْعَرِيُّ فَقَالَ الْأَشْعَرِيُّ سَلْ عَبْدَ اللَّهِ فَإِنَّهُ أَقْدَمُنَا وَاعْلَمْنَا فَسَأَلَهُ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَرْكَعُ فَيَقُومُ فِي الثَّانِيَةِ فَيَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا بَعْدَ الْقِرَاءَةِ - ترجمہ: حضرت علقمہ اور اسود سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ابن مسعود بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس حضرت حذیفہ اور ابو موسیٰ اشعری بھی بیٹھے ہوئے تھے تو ان لوگوں سے سعید بن عاص نے عید کی تکبیر کے متعلق پوچھا تو حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ ابو موسیٰ اشعری سے پوچھئے ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے پوچھئے اسلئے کہ وہ ہم سے زیادہ پرانے اور ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں چنانچہ سعید بن عاص نے ابن مسعود سے پوچھا، ابن مسعود نے فرمایا کہ آپ ﷺ چار تکبیریں کہتے پھر قرأت کرتے پھر تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے پھر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے، پھر قرأت فرماتے، پھر قرأت کے بعد چار تکبیریں کہتے۔

(مصنف عبد الرزاق کتاب صلوٰۃ العیدین، ج ۳ باب التکبیر فی الصلوٰۃ یوم العید ص ۲۹۳ حدیث نمبر ۵۶۸۷) اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْحَضْرَمِيُّ ثَنَا مَسْرُوقُ بْنُ الْمَرْزُبَانِ ثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَشْعَثٍ وَعَنْ كُرْدُوسٍ قَالَ أَرْسَلَ الْوَلِيدُ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ بَعْدَ الْعَتَمَةِ فَقَالَ إِنَّ هَذَا عِيدٌ لِلْمُسْلِمِينَ فَكَيْفَ

الصَّلَاةُ فَقَالُوا سَلْ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَقُومُ فَيُكَبِّرُ أَرْبَعًا ثُمَّ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةَ عَنِ الْمُفَصَّلِ ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا يَرْكُوعٌ فِي أَحَرٍ مِنْ فِتْلِكَ تَسْعٌ فِي الْعِيدَيْنِ فَمَا أَنْكَرَهُ أَحَدٌ مِنْهُمْ .

ترجمہ :- حضرت کردوسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ولید نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، اور ابو مسعودؓ کے پاس عشاء کے بعد قاصد بھیجا، پس فرمایا کہ بیشک یہ مسلمانوں کی عید ہے تو اس میں نماز عید کیونکر ہوگی انہوں نے کہا کہ ابو عبدالرحمن سے پوچھئے، چنانچہ انہوں نے دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کھڑے ہو کر چار تکبیر کہتے پھر سورہ فاتحہ اور منضلات میں سے کسی سورہ کی تلاوت فرماتے پھر چار تکبیر کہتے، ان کے ختم پر رکوع فرماتے پس یہ نو تکبیریں عیدین میں ہوئیں، ان میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۳۵۰)

اس کی اسناد حسن ہیں۔

● قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ وَعَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيدَيْنِ تِسْعًا أَرْبَعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَرْكُوعٌ وَفِي الثَّانِيَةِ يَقْرَأُ فَإِذَا فَرَغَ كَبَّرَ أَرْبَعًا ثُمَّ رَكَعَ وَفِي الثَّانِيَةِ يَقْرَأُ فَإِذَا فَرَغَ كَبَّرَ أَرْبَعًا ثُمَّ رَكَعَ . **ترجمہ :-** حضرت علقمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز عیدین میں نو تکبیریں کہتے تھے، تکبیر تحریمہ کیساتھ چار تکبیریں قرأت سے پہلے کہتے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرتے اسی طرح دوسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جاتے تو تکبیر کہتے تھے پھر رکوع فرماتے یعنی رکوع والی تکبیر سمیت چار تکبیر قرأت کے بعد کہتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق کتاب صلوٰۃ العیدین، باب التکبیر فی الصلوٰۃ یوم العیدین ج ۳ ص ۲۹۳)

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ النَّصْرِ الْأَزْدِيُّ ثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرِو بْنِ وَثَّانٍ زَائِدَةٌ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ وَعَنْ كُرْدُوسٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُكَبِّرُ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ تِسْعًا تِسْعًا يَبْدَأُ فَيُكَبِّرُ أَرْبَعًا ثُمَّ يُكَبِّرُ وَاحِدَةً فَيَرْكُوعٌ بِهِائِثٌ يَقُومُ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ فَيَبْدَأُ فَيَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا ثُمَّ يَرْكُوعٌ بِأَحْدَاهُنَّ . **ترجمہ :-** حضرت کردوسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں نو نو تکبیریں کہا کرتے تھے، شروع میں چار تکبیریں کہتے پھر ایک تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے پھر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے چنانچہ شروع میں قرأت فرماتے پھر چار تکبیریں کہتے پھر ان میں سے ایک کے ذریعہ رکوع فرماتے (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۳۵۰)

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● قَالَ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ الْوَلِيدِ ثَنَا خَالِدُ الْحَذَاءُ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ شَهِدْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ كَبَّرَ فِي صَلَاةِ الْعِيدِ بِالْبَصْرَةِ تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ وَالْيَ بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ قَالَ وَشَهِدْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ . **ترجمہ :-** حضرت عبداللہ بن الحارثؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ نماز عید میں

حاضر ہوا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے اندر نماز عید میں نو تکبیریں کہیں اور دونوں رکعت کی قرأتوں کو جمع فرمایا، راوی کہتے ہیں کہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ گیا تھا بھی نماز عید میں حاضر ہوا انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

(مصنف عبدالرزاق کتاب صلوٰۃ العیدین، باب التکبیر فی الصلوٰۃ یوم العید ج ۳ ص ۲۹۴)

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آثار السنن ص ۴۹۷..... ۵۰۰، اعلیٰ السنن ج ۸ ص ۱۲۷..... ۱۴۴)

نماز عیدین میں چھ زائد تکبیروں کی حجت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت حسن سند کیساتھ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایات صحیح سند کیساتھ (جو کہ مرفوع کے حکم میں ہیں) بطور استدلال موجود ہیں جو واجب کے ثبوت کیلئے کافی ہیں اسلئے نماز عیدین میں چھ زائد تکبیروں کا احناف کا موقف ثابت ہوتا ہے۔

دعویٰ اتحاد کا عمل اختلاف کا

اکثر غیر مقلدین کے نزدیک نماز عیدین میں تکبیرات بارہ ہیں۔

بعض غیر مقلدین کے نزدیک تکبیرات بارہ ہیں۔

بعض غیر مقلدین کے نزدیک تکبیرات تیرہ ہیں۔

بعض عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرأت تکبیروں کے بعد کرتے ہیں اور دوسری رکعت میں تکبیروں سے پہلے

بعض دونوں رکعات میں تکبیرات قرأت کے بعد کرتے ہیں۔

غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے جب کہ مقلدیت میں نظم و ضبط امت ہے۔

سوالات

(۱) آپ کے نزدیک عیدین کی نماز میں کتنی تکبیرات ہیں نو، بارہ یا تیرہ؟

(۲) عیدین کی نماز میں بارہ تکبیرات ہیں اسکی دلیل میں صرف ایک ”صحیح“ حدیث پیش کیجئے۔

نماز عیدین کی چھ زائد تکبیروں کی روایات

(۱) محمد بن علاء اور ابن ابی زیاد، زید، عبدالرحمن، ان کے والد، مکحول، ابو عاصمہ سے روایت ہیں، کہ سعید بن العاصؓ نے ابو موسیٰ اشعری اور حذیفہ بن الیمانؓ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کیونکر تکبیر کہتے تھے عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں ابو موسیٰؓ نے کہا چار تکبیریں کہتے تھے جتنی جنازے پر کہتے ہیں حذیفہؓ نے کہا سچ ہے اور ابو موسیٰؓ نے کہا میں اتنی ہی تکبیریں کہا کرتا تھا بصرہ میں جب ان پر حاکم تھا، ابو عاصمہؓ نے کہا میرے سامنے سعید بن العاصؓ نے پوچھا۔

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب التکبیر فی العیدین ج ۱ ص ۱۶۳)

اس کی اسناد حسن ہیں۔

● (۲) حضرت علقمہ اور اسودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ بیٹھے ہوئے تھے اور انکے پاس حضرت حذیفہؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے تو ان لوگوں سے سعید بن عاصؓ نے عید کی تکبیر کے متعلق پوچھا تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھئے ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھئے اسلئے کہ وہ ہم سے زیادہ پرانے اور ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں چنانچہ سعید بن عاصؓ نے ابن مسعودؓ سے پوچھا، ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ چار تکبیریں کہتے پھر قرأت کرتے پھر تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے پھر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے، پھر قرأت فرماتے، پھر قرأت کے بعد چار تکبیریں کہتے (مصنف عبدالرزاق کتاب صلوٰۃ العیدین، باب التکبیر فی الصلوٰۃ یوم العیدین ج ۳ ص ۲۹۳) اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● (۳) حضرت کردوسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ولید نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، اور ابو مسعودؓ کے پاس عشاء کے بعد قاصد بھیجا، پس فرمایا کہ بیشک یہ مسلمانوں کی عید ہے تو اس میں نماز عید کیونکر ہوگی انہوں نے کہا کہ ابو عبدالرحمنؓ سے پوچھئے، چنانچہ انہوں نے دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کھڑے ہو کر چار تکبیر کہتے پھر سورۃ فاتحہ اور مفصلات میں سے کسی سورۃ کی تلاوت فرماتے پھر چار تکبیر کہتے، انکے ختم پر رکوع فرماتے پس یہ نو تکبیریں عیدین میں ہونیں، ان میں سے کسی نے اسکا انکار نہیں کیا (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۳۵۰ حدیث نمبر ۹۵۱۳) اس کی اسناد حسن ہیں۔

● (۴) حضرت علقمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز عیدین میں نو تکبیریں کہتے تھے، تکبیر تحریمہ کے ساتھ چار تکبیریں قرأت سے پہلے کہتے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرتے اسی طرح دوسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جاتے تو تکبیر کہتے تھے پھر رکوع فرماتے یعنی رکوع والی تکبیر سمیت چار تکبیر قرأت کے بعد کہتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق کتاب صلوٰۃ العیدین، باب التکبیر فی الصلوٰۃ یوم العیدین ج ۳ ص ۲۹۳)

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● (۵) حضرت کردوسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں نو تکبیریں کہا کرتے تھے، شروع میں چار تکبیریں کہتے پھر ایک تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے پھر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے چنانچہ شروع میں قرأت فرماتے پھر چار تکبیریں کہتے پھر ان میں سے ایک کے ذریعہ رکوع فرماتے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۳۵۰ حدیث نمبر ۹۵۱۳)

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● (۶) حضرت عبداللہ بن الحارثؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ نماز عید میں حاضر ہوا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے اندر نماز عید میں نو تکبیریں کہیں اور دونوں رکعت کی قراتوں کو جمع فرمایا، راوی کہتے ہیں کہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ساتھ بھی نماز عید میں حاضر ہوا انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔
(مصنف عبدالرزاق کتاب صلوٰۃ العیدین، باب التکبیر فی الصلوٰۃ یوم العید ج ۳ ص ۲۹۴)
اس کی اسناد صحیح ہیں۔

مسائل نماز جنازہ

نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَيْسَ لَهُ شَيْءٌ (ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الجنائز، باب ما جاء فی الصلوٰۃ علی الجنائز فی المسجد ص ۱۱۰، ابوداؤد کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الجنائز فی المسجد ج ۲ ص ۹۸) ابوداؤد میں دونوں نسخے میں فَلَا أَجْرَ لَهُ اور فَلَا شَيْءَ لَهُ۔
ترجمہ :- جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اسے کچھ بھی ثواب حاصل نہ ہوگا۔ صاحب آثار السنن نے تحریر کیا ہے کہ اسکی اسناد حسن ہیں (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اعلیٰ السنن ج ۲ ص ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸ حاشیہ)

مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے اور کراہت کے دو اسباب ہیں (۱) مسجد کا بے جا استعمال، اسلئے کہ مساجد فرائض اور اس کے توابعات کے لئے بنائی جاتی ہیں نہ کہ جنازے کیلئے (۲) دوسرا سبب مسجد کے ملوث ہونے کا خوف اور احتمال ہے۔ تنزیہ مسجد (مسجد کی صاف صفائی) واجب ہے اسلئے مسجد کو ہر اس چیز سے بچانا ضروری ہے۔ جس سے مسجد کی بے حرمتی ہو (مسجد ملوث ہوتی ہو) یا ہونے کا احتمال ہو۔ مسجد کو بچوں اور پاگلوں سے بچانے کا حکم اسلئے ہے کہ ان سے خطرہ رہتا ہے کہ کوئی گندگی پھیلا دیں گے۔ اور یہ علت (گندگی کا خطرہ کہ خون وغیرہ نجاست خارج ہو جائے) جنازہ میں بھی پایا جاتا ہے اسلئے میت کو بطریق اولیٰ مسجد سے الگ رکھا جائے۔

نماز جنازہ کے لئے الگ جگہ :- حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ الگ تھی۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہود نے اپنے ایک مرد اور عورت کو جنہوں نے زنا کیا تھا نبی ﷺ کے پاس لایا پس آپ نے دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا مسجد کے قریب نماز جنازہ کی جگہ کے پاس۔

(بخاری شریف باب الصلاة لی الجنائز بالمصلیٰ و المسجد ج ۱ ص ۱۷۷)

ابن حبیبؒ فرماتے ہیں کہ ”مدینہ“ میں جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ مسجد (نبوی) سے متصل مشرق کی جانب تھی۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۶۰)

یہ بات قطعی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت مستمرہ اور آپ کا دوامی عمل اور طریقہ مسجد میں ”میتوں“ کو داخل کرنا نہ تھا۔
(فتح القدیر ج ۲ ص ۹۲)

اس بارے میں آپ ﷺ کا عمل یہاں تک تھا کہ نجاشی کی وفات کی خبر آپ ﷺ نے مسجد میں دی مگر نماز وہاں نہیں پڑھی بلکہ صحابہ کو لے کر نماز جنازہ کی جگہ پر تشریف لے گئے اور وہاں نماز ادا فرمائی۔ (دیکھئے صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۰، صحیح مسلم فصل فی النعی للناس المیت ج ۱ ص ۳۰۹) حالانکہ جنازہ وہاں پر موجود نہ تھا، باوجود اس کے مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی کہ مسجد کے غلط استعمال کے مراد ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے انتقال پر ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے حکم دیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا جنازہ مسجد میں رکھا جائے تاکہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں اس پر حضرات صحابہؓ نے انکار کیا..... (صحیح مسلم فصل فی جواز الصلوٰۃ علی المیت فی المسجد ج ۱ ص ۳۱۳) اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا دستور نہ تھا ورنہ درخواست کرنے کی کیا ضرورت تھی، اور صحابہ کے انکار سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا آنحضرت ﷺ کے دوامی عمل اور سنت مستمرہ کے خلاف عذر کی وجہ سے تھا۔ صحابہ کرام کا یہ فرمانا تھا ”مَا كَانَتْ الْجَنَائِزُ يُدْخَلُ بِهَا الْمَسْجِدَ تَرْجُمَهُ“۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مسجد میں جنازے لائے نہیں جاتے تھے“ (صحیح مسلم، کتاب الجنائز ج ۱ ص ۳۱۳) مسجد میں نماز جنازہ خلاف سنت ہونے پر روشن اور واضح دلیل ہے۔ مسجد نبوی کے قریب نماز جنازہ کی جگہ (جسے مصلی الجنائز کہا جاتا ہے) میں حضور ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیمؓ کی جنازہ کی نماز پڑھائی تھی۔ جیسا کہ ابوداؤد شریف کی روایت سے ظاہر ہے (مکہ کی مسجد حرام کو اس نہی سے مستثنیٰ قرار دیکر لکھا ہے کہ ”مسجد حرام نماز پنجگانہ، عیدین، جمعہ، کسوف، خسوف، جنازہ، اور استسقاء اور تمام امور کیلئے بنی ہے“ (شرح نقایہ لملا علی قاری ج ۱ ص ۱۳۶)

شوافع اور حنابلہ : شوافع اور حنابلہ اس بات کے قائل ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونیکا خوف نہ ہو۔

غیر مقلدین : لیکن غیر مقلدین کہتے ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا نہ صرف جائز ہے، بلکہ سنت ہے اور اس سے انکار کرنا سنت کی مخالفت کرنا ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل

- حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمنؓ سے روایت ہے کہ جب سعد بن ابی وقاصؓ فوت ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ان کو (جنازہ) مسجد میں داخل کرو تا کہ میں ان پر نماز پڑھ لوں۔ تو لوگوں نے اسکا انکار کیا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ خدا کی قسم حضور ﷺ نے نماز پڑھی بیضاء کے دو بیٹوں کی سہیل اور اس کے بھائی کی مسجد میں۔

(صحیح مسلم کتاب الجنائز، فصل فی جواز الصلوة علی المیت فی المسجد ج ۱ ص ۳۱۳)

اس سے عام حکم ثابت نہیں ہو سکتا یہ روایت مستثنیات میں سے ہے کسی عذر کی بناء پر کیونکہ (۱) حضرت سعدؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھنے کے متعلق حضرت عائشہؓ کی درخواست مشیر ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا دستور نہ تھا، ورنہ درخواست کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ (۲) صحابہ کے انکار سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا آنحضرت ﷺ کے دوا می عمل اور سنت مستمرہ کے خلاف عذر کی وجہ سے تھا۔ عذر کیا تھا؟ اس کا جواب محدث قطب الدین دہلویؒ المتوفی ۱۲۸۹ھ یہ دیتے ہیں کہ ”ایک روایت میں یہ صریح آیا ہے کہ حضرت معتکف تھے اسلئے مسجد میں پڑھی“ (مظاہر حق ص ۲: ۴۹)۔ (۳) اس موقع پر صحابہ کا یہ فرمانا کہ مَا كَانَتْ الْجَنَائِزُ يُدْخَلُ بِهَا الْمَسْجِدَ (آنحضرت ﷺ کے زمانے میں) مسجد میں جنازے لائے نہیں جاتے تھے (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۳) مسجد میں نماز جنازہ خلاف سنت ہونے پر روشن اور واضح دلیل ہے۔ (۴) محض بیضاء کے لڑکے کے جنازہ کو داخلہ دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ جنازے خارج مسجد پڑھے جاتے تھے اور مذکورہ دو جنازے کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں پڑھے گئے، حضرت عائشہؓ کو عذر کا علم نہ ہو گا یا حضرت عائشہؓ کا یہ اجتہاد تھا کہ مسجد میں جنازہ کی نماز جائز سمجھتی ہیں جس کو صحابہؓ نے تسلیم نہیں کیا، واللہ اعلم، الغرض حدیث مذکور مسلک احناف کے خلاف نہیں ہے بلکہ تائید میں ہے، عذر کی صورت میں علمائے احناف بھی مسجد میں جنازہ پڑھنے کو بلا کراہت جائز سمجھتے ہیں۔

● حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ صحابہ نے مسجد میں پڑھی تھی۔

(مصنف عبدالرزاق باب الصلاة علی الجنائز فی المسجد ج ۳ ص ۵۲۶)

اگر مقلدین حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے جنازے کی دلیل دیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کو آنحضرت ﷺ کے حجرہ مبارکہ میں دفن کرنا تھا اسلئے مسجد میں جنازہ لے جائے بغیر چارہ نہ تھا، لہذا یہ دونوں واقعے بھی عذر کی وجہ سے پیش آئے۔ حکم عام نہیں۔

لیکن غیر مقلدین تو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ کا حوالہ دے نہیں سکتے کیونکہ یہ عمل غیر نبی کا ہے اور غیر نبی سے دلیل لینا تقلید ہے جو ان کے نزدیک شرک ہے۔ اسی طرح غیر مقلدین حضرت عائشہؓ کے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی دلیل نہیں لے سکتے کہ وہ غیر نبی کا فعل ہے۔

اسلئے غیر مقلدین کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ جس سے مسجد میں نماز جنازہ کے سنت ہونے یا جائز ہونے کا حکم عام ثابت ہو۔

اسلئے یہ فیصلہ قطعی ہے کہ بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے اور مسجد میں جنازہ کی نماز مکروہ ہونیکے دو سبب بیان کئے گئے ہیں (پہلا مسجد کا بے جا استعمال، دوسرا مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ) پہلے سبب کے لحاظ سے مکروہ تنزیہی ہے اور دوسرے سبب کے لحاظ سے مکروہ تحریمی ہے۔

عذر کی بناء پر مسجد میں نماز جنازہ کی صورت

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ”قَائَهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا صَلَّيْتُ فِي الْمَسْجِدِ لِغُذْرِ الْمَطَرِ وَلِذَا لَكَ لَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّجَاشِيِّ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي تُصَلِّي فِيهِ الصَّلَوَاتِ الْخُمْسَ مَعَ أَنَّهُ لَمْ تَكُنِ الْجَنَازَةُ حَاضِرَةً فَعَلِمَ أَنَّ الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ مِنْ غَيْرِ غُذْرِ مَكْرُوهَةٌ إِلَى آخِرِهِ. ترجمہ:- بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں نماز جنازہ بارش کے عذر کی وجہ سے پڑھی تھی اسی لئے نبی ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ اس مسجد میں نہیں پڑھی جس میں پاؤں نمازیں ادا کی جاتی تھیں مزید یہ کہ جنازہ سامنے موجود بھی نہیں تھا۔ لہذا یہ بات معلوم ہوگئی کہ مسجد میں نماز جنازہ بغیر عذر کے مکروہ ہے۔

آفاندہ:- جگہ کی تنگی یا بارش وغیرہ عذر کی بناء پر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت ہے اس میں یہ صورت اختیار کرنی چاہئے کہ میت امام اور کچھ مقتدی خارج مسجد ہوں اور بقیہ مسجد میں ہوں (درس ترمذی ج ۳ ص ۳۱۱)

غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے

نماز جنازہ کی مشروعیت کیلئے ضروری ہے کہ ”میت“ جنازہ پڑھانے والے کے سامنے موجود ہو اگر میت نماز پڑھانے والے کے سامنے نہ ہو تو غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں۔ لیکن غیر مقلدین کہتے ہیں کہ غائبانہ نماز جنازہ درست ہے۔ اور دلیل میں صحاح ستہ کی روایات پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے شاہ حبشہ حضرت نجاشی کی نماز غائبانہ پڑھائی ہے۔ جبکہ غائبانہ نماز جنازہ کا حکم عام نہیں ہے بلکہ یہ تخصیص تھی۔ کیونکہ (۱) خود غیر مقلدین کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۸۷، ۲۸۸ حاشیہ۔ انہوں نے ”امام خطابی کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ وہ ایک مسلمان آدمی تھا اور اس نے حضور ﷺ پر ایمان لایا تھا۔ آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی مگر وہ اپنا ایمان چھپاتا تھا۔ اور مسلمان کے فوت ہونے پر نماز جنازہ ادا کرنا واجب ہوتی ہے۔ اور نجاشی اہل کفر میں مقیم تھا اور وہاں کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو اس کی نماز جنازہ پڑھتا لہذا رسول اللہ ﷺ کیلئے یہ کام کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ اسکے نبی تھے اور اس کے لوگوں سے زیادہ حقدار تھے۔ پس اسی سبب نے آپ کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی دعوت دی۔“ (۲) حضور اکرم ﷺ نے صرف شاہ حبشہ حضرت نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی ہے اسکے علاوہ بی شمار صحابہ کرام کا انتقال و شہادت آپ ﷺ کے زمانے میں ہوا بعضوں کی شہادت تو بڑی دردناک ہوئی ہے مگر آپ ﷺ نے کسی کی بھی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی ہے۔

نہ تو صحابہ کرام نے کسی صحابی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے۔ یہ کھلی دلیل ہے کہ اگر نماز جنازہ غائبانہ جائز ہوتی تو ضرور عمل فرماتے۔ (۳) حضرات خلفائے اربعہ جو صحابہ کرام میں سب سے بڑھ کر تھے انکی وفات و شہادت کے موقع پر نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی گئی۔ حالانکہ بے شمار صحابہ غیر حاضر تھے انکو اطلاع ملی مگر نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی۔ اگر نماز

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ فرض نہیں ہے

غیر مقلدین نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں اگر کسی نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اسکی نماز باطل ہوگی اور بقول بعض شرط ہے جسکے بغیر نماز جنازہ ہوگی ہی نہیں۔

غیر مقلدین کے نزدیک نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے بلکہ بعض کے نزدیک شرط ہے۔ فرض کی دلیل کیلئے قرآنی یا احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ ضروری ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل

● عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى جَنَازَةِ فَقَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ فَقَالَ لَتَعْلَمُوا أَنَّهَا سُنَّةٌ تَرْجُمُهُ: حضرت طلحہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پیچھے ایک جنازہ کی نماز پڑھی آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی۔ اور فرمایا کہ تم کو جان لینا چاہئے کہ یہ سنت ہے (نسائی ج ۱ ص ۲۱۸، کتاب الجنائز، باب الدعاء) **استدلال پر اعتراضات:-** (۱) حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی بعض روایات میں ”لَتَعْلَمُوا أَنَّهَا سُنَّةٌ“ کی بجائے ”حَقٌّ وَسُنَّةٌ“ ہے اور انہی کی بعض روایات میں سورہ فاتحہ کیساتھ دوسری سورہ پڑھنے کا ذکر بھی ہے۔ جس کے جمہور اہل سنت والجماعت قائل نہیں ہیں۔

(۲) راوی کہتے ہیں کہ جب عبد اللہ ابن عباسؓ فارغ ہوئے تو میں نے تعجب سے انکا ہاتھ پکڑ کر سوال کیا تو فرمایا کہ یہ ایک طریقہ ہے اور برحق ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ خیر القرون میں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا جواز نہ تھا کیونکہ طلحہ بن عبد اللہؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا ہاتھ پکڑ کر تعجب سے سوال کیا جو انکے نزدیک بالکل ایک نئی بات تھی (۳) بعض شراح یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا اسکو سنت قرار دینا سنت اصطلاحی نہیں (یعنی نبی کریم ﷺ کی سنت مراد نہیں کیونکہ کسی بھی صحیح حدیث سے آپ ﷺ سے نماز جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا ثابت نہیں ہے اور نہ ہی آپ کا حکم دینا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے اور نہ خلفاء راشدین سے۔ بلکہ امام دارالہجرۃ امام مالکؒ نے فرمایا ”نماز جنازہ دعا ہے اسمیں قرأت کا معمول میں نے اپنے اس شہر (مدینہ) میں نہیں پایا“ (عمدة القاری ج ۸ ص ۱۳۹)

غیر مقلدین اس سلسلے میں اور دیگر روایات بھی پیش کرتے ہیں جو سب کے سب ”غیر صحیح“ ہیں یعنی ”صحیح“ کے درجہ تک بھی نہیں پہنچی ہیں

آثار:- غیر مقلدین کو دلیل میں آثار پیش کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے اعلاء السنن ج ۸ ص ۲۵۵ باب کیفیۃ صلوٰۃ الجنائزہ تا ص ۲۶۱، دین کے بنیادی مسائل حدیث کی روشنی میں) مؤلف مولانا مفتی محمد آزاد بیگ صاحب قاسمی طبع مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری جوگیشوری بمبئی ۱۰۲ ص ۴۳۸ تا ۳۵۷، تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۶۷ تا ۹۲ (حاشیہ) نیز نماز میں

سورہ فاتحہ یا قرأت نہیں ہے اس کے دلائل میں احادیث اور آثار مذکورہ کتابوں میں ہی دیکھئے۔
فرض کے استدلال کیلئے قرآن کریم کی صریح آیت یا احادیث صریحہ متواترہ چاہئے جبکہ اس سلسلے میں ایک بھی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے۔

اسلئے غیر مقلدین کا دعویٰ رد ہے۔ کہ ”نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے بلکہ شرط ہے۔“

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے الٹا ہے۔ اگر کوئی خفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائیگا کہ یہ خفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں خفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتہ اتحاد پر لانے والے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔
اکثر غیر مقلدین نماز جنازہ میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں۔

اور بعض غیر مقلدین سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورہ بھی پڑھتے ہیں۔

بعض غیر مقلدین سورہ فاتحہ میں جہر (زور) کے قائل ہیں اور بعض سر (آہستہ) کے۔

بعض کہتے ہیں امام زور سے قرأت کرے اور مقتدی آہستہ سے۔

غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے جب کہ مقلدیت میں نظم و ضبط امت ہے۔

سوالات

(۱) ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہو۔

(۲) حضور ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہو ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے۔

(۳) امام اور مقتدی سورہ فاتحہ بلند آواز سے پڑھیں یا آہستہ؟ حدیث پیش کیجئے۔

ترکیب نماز جنازہ

احناف کے دلائل

نماز جنازہ کا طریقہ احناف کے نزدیک اس طرح ہے۔ نماز میں چار تکبیریں (اللہ اکبر کہنا) ہیں۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر (اللہ اکبر) کیساتھ دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر ناف کے نیچے باندھ لے جیسے نماز میں باندھے جاتے ہیں۔ پھر ثناء پڑھے اسکے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے دوسری تکبیر کہے۔ پھر درود ابراہیم (جو نماز میں پڑھا جاتا ہے) پڑھے

اسکے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے تیسری تکبیر کہے۔ پھر میت کیلئے مسنون دعا پڑھے۔ اس کے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے چوتھی تکبیر کہے پھر دائیں بائیں سلام پھیرے۔

دلائل: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو نجاشی کی موت کی خبر سنائی پھر آگے بڑھے تو لوگوں نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور آپ نے چار تکبیریں کہیں۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ پس اپنے بھائی کیلئے مغفرت طلب کرو۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ اس (نماز جنازہ) میں تکبیر بھی ہے اور سلام بھی ہے۔

نماز جنازہ میں ثناء، درود اور دعا ہے

امام مالک سعید مقبری سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ جنازہ کی نماز کیسے پڑھی جاتی ہے؟ انہوں نے فرمایا بخدا میں تمہیں اس کی خبر دوں گا۔ میں جنازہ کے گھر سے اس کیساتھ ہولیتا ہوں۔ جب جنازہ نماز کیلئے رکھا جائے تو میں تکبیر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتا ہوں اور آنحضرت ﷺ پر درود پڑھتا ہوں پھر دعا پڑھتا ہوں۔

☆ عَنْ الشَّعْبِيِّ قَالَ: التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى عَلَى الْمَيِّتِ ثَنَاءٌ عَلَى اللَّهِ وَالثَّانِيَةُ صَلَاةٌ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَالثَّلَاثَةُ دُعَاءٌ لِلْمَيِّتِ وَالرَّابِعَةُ لِلتَّسْلِيمِ۔ ترجمہ: حضرت امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تکبیر اولیٰ کہنے کے وقت اللہ کی حمد و ثناء کرنا ہے۔ دوسری تکبیر پر درود شریف پڑھنا ہے اور چوتھی تکبیر پر سلام پھیرنا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ”ما يبدأ به في التكبيرة الاولى في الصلاة عليه و الثانية و الثالثة و الرابعة“ ج ۷ ص ۲۵۱، مصنف عبد الرزاق باب القراءة و الدعاء في الصلاة على الميت ج ۳ ص ۴۹۱)

غیر مقلدین کے دلائل

ترکیب نماز (یعنی پہلے تکبیر کہیں سورہ فاتحہ پڑھیں پھر تکبیر کہیں درود پڑھیں پھر تکبیر کہیں دعا پڑھیں پھر تکبیر کہیں پھر سلام پھیریں) کیلئے کوئی مرفوع حدیث موجود ہی نہیں ہے۔

یعنی غیر مقلدین کے پاس ترکیب نماز جنازہ کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسلئے وہ نماز جنازہ بغیر دلیل کے پڑھتے ہیں (غیر مقلدین کا اصول ہے کہ بغیر دلیل کے عمل کرنا شرک ہے)

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اسکے

الٹا ہے۔ اگر کوئی حنفی اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو دنیا کے کسی کونے میں پہچان لیا جائیگا کہ یہ حنفی ہے اسلئے کہ ساری دنیا میں حنفی کی نماز ایک ہے۔ اسکے بالمقابل پوری دنیا کو نکتہ اتحاد پر لایا نوا لے مدعیوں کی نماز ایک مسجد میں بھی یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدوں کی کسی مسجد میں بھی جائزہ لے لیا جائے تو آپ کو درج ذیل منظر نظر آئیگا۔

غیر مقلدین نماز جنازہ کے سلسلے میں بڑا ہی اختلاف رکھتے ہیں۔

کسی کے نزدیک تکبیرات چار ہیں، کسی کے نزدیک پانچ، اور کسی کے نزدیک چھ، کوئی جھرا پڑھنے کا قائل ہے کوئی سراً۔

کوئی صرف سورہ فاتحہ پڑھنے کا قائل ہے اور کوئی ساتھ میں سورہ ملائیکا۔

غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے جب کہ مقلدیت میں نظم و ضبط امت ہے۔

سوال

ترکیب نماز جنازہ کی دلیل میں صرف ایک مرفوع حدیث پیش کیجئے۔

دفن کے بعد قبر پر اول و آخر سورہ بقرہ پڑھنا

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ”حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے مستحب قرار دیا ہے کہ دفن کے بعد قبر پر سورہ بقرہ کا اول اور آخر پڑھا جائے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۵۷) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اسکی وصیت فرماتے تھے (المغنی ج ۲ ص ۴۲۵) حضرت عبدالرحمنؓ اپنے والد علاء ابن الجلاح سے نقل کرتے ہیں کہ۔

● عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْعَلَاءِ ابْنِ الْجَلَّاحِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ لِي الْجَلَّاحُ أَبُو خَالِدٍ يَابُنِي إِذَا أَنَامْتُ فَأَلْحَدْ لِي فَإِذَا وَضَعْتَنِي فِي لَحْدِي فَقُلْ بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ سُنَّ عَلَيَّ التُّرَابَ سَنًّا ثُمَّ اقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِي بِفَاتِحَةِ الْبَقَرَةِ وَخَاتِمَتِهَا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ ذَلِكَ - ترجمہ:- حضرت الجلاح ابو خالدؓ نے کہا کہ اے میرے بیٹو جب میں مرجاؤں تو میرے لئے لحد کھودو اور جب مجھے لحد میں رکھو تو پڑھو بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ پھر مجھ پر مٹی ڈال کر قبر بناؤ پھر پڑھو میرے سرہانے سورہ بقرہ کا شروع اور اسکا آخر اسلئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے ایسا کہتے ہوئے (الطبرانی فی الکبیر ج ۹ ص ۲۲۱ حدیث ۴۰۱، مجمع الزوائد، کتاب الجنائز، باب ما یقول عند ادخال الميت القبر ج ۳ ص ۴۴) صاحب آثار السنن نے کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔

● عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوهُ وَاسْرِعُوا إِلَىٰ قَبْرِهِ وَلْيُقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِهِ بِفَاتِحَةِ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ - ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہوئی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسکو گھر میں رد کے مت

رکھو اور اسکی تدفین میں جلدی کرو اور اسکے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور پائتانے اسکی آخری آیتیں پڑھی جائیں۔
(بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ باب دفن ۱ لمیت ص ۱۲۹، طبرانی کبیر ج ۱۲ ص ۳۴۰، حدیث ۱۳۶۱۳، کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۰۱ حدیث ۴۲۳۹۰)

غیر مقلدین اپنے مردوں کے حق میں کیا کر سکتے ہیں؟

نماز جنازہ کی ترکیب کیلئے کوئی مرفوع حدیث موجود ہی نہیں ہے اور دفن کرنے کے بعد قبر پر پڑھنے کی دلیل میں کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے اسلئے غیر مقلدین نہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی دفن کرنے کے بعد قبر پر کچھ پڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ ایصالِ ثواب کے قائل ہیں اسلئے مردوں کو گڑھے میں ڈال کر انہیں واپس ہو جانا چاہئے اور اگر وہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں یا قبر پر کچھ پڑھتے ہیں تو یہ عمل بلا دلیل ہے اور بغیر دلیل کے عمل انکے نزدیک شرک ہے۔

عورتوں اور مردوں کے بعض احکامات میں فرق

احادیث کی روشنی میں دین کے بہت سے احکامات میں عورتوں اور مردوں میں فرق ہے۔ جس میں سے چند درج ذیل ہیں
مرد پاک ہو یا ناپاک کسی وقت بھی نماز معاف نہیں۔..... حیض و نفاس کی حالت میں عورتوں کو نماز معاف ہے۔
پاک یا ناپاک کی حالت میں مردوں پر روزہ رکھنا ہے۔..... حیض و نفاس کی حالت میں عورتوں کو روزہ رکھنا منع ہے۔
پاک کی حالت میں ان روزوں کی قضاء کرے۔

استطاعت رکھنے پر مرد پر حج فرض ہے وہ کسی کیساتھ کا محتاج نہیں ہے۔..... عورت بغیر محرم کے حج کیلئے نہیں جاسکتی۔
اگر جہاد فرض ہو جائے تو ہر مرد پر فرض ہے۔..... عورت پر جہاد فرض نہیں ہے۔
مردوں کیلئے جمعہ اور عیدین کی جماعت واجب ہے۔..... عورتوں کیلئے جمعہ و عیدین واجب نہیں ہے۔
مردوں کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے۔..... عورتیں پوری مستور ہیں سوائے چہرے اور ہتھیلی اور پیر کے۔
ایک کپڑے میں مردوں کی نماز ہو سکتی ہے۔..... اگر سر بھی کھلا رہے تو عورت کی نماز نہیں ہوگی۔
جب نماز کیلئے اذان ہو جائے تو مردوں کو جماعت میں شریک ہونا واجب ہے۔..... بغیر شوہر کی اجازت کے عورت مسجد جا نہیں سکتی۔

مردوں کی مسجد میں حاضری مشروط نہیں۔ انہیں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں..... عورت کی مسجد میں حاضری مشروط ہے بغیر شوہر کی اجازت کے مسجد نہیں جاسکتی۔

مرد ہر ایک کی امامت کر سکتا ہے۔..... عورت مردوں کی امامت نہیں کر سکتی۔
مرد اذان دے سکتا ہے۔..... عورت اذان نہیں دے سکتی۔

بعض مسالک میں مرد کو امام کے پیچھے بلند آواز سے آمین کہنا چاہیے۔..... عورت کو آہستہ سے کہنا چاہیے۔

عورتوں اور مردوں کی نماز کا فرق

احناف :- وَبَدَنُ الْحَرَكَةِ كُلُّهَا عَوْرَةً إِلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ مُسْتَوْرَةٌ، وَاسْتَنْتَى الْعَضْوَيْنِ لِلْإِتِلَاءِ بِإِذَائِهِمَا (ہدایہ اولین ص ۹۳) فقہ حنفی کی مشہور اور مستند کتاب ہدایہ میں ہے کہ وَالْمَرْأَةُ تَنْخَفِضُ فِي سُجُودِهَا وَتَلْزُقُ بَطْنَهَا بِفَخْذِهَا لِأَنَّ ذَلِكَ أَسْتُرُهَا (ہدایہ: ۱۱۰/۱) عورت اپنے سجدہ میں پست رہے گی اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے چپکائے رہے گی کیونکہ اس کے حق میں یہی زیادہ چھپانے والا ہے **مالکیہ :-** امام دارالہجرۃ حضرت مالک بن انس جن کے مسلک کی بنیاد اکثر اہل مدینہ کے تعامل پر ہوتی ہے۔ ان کا مسلک فقہ مالکی کی معروف اور مستند کتاب ”الشَّرْحُ الصَّغِيرُ عَلَى أَقْرَبِ الْمَسَالِكِ إِلَى مَذْهَبِ الْإِمَامِ مَالِكٍ“ کی ”عبارت“ سے ملاحظہ ہو۔

وَنَذْبُ (مُجَافَاةُ) أَى مُبَاعَدَةُ (رَجُلٍ فِيهِ) أَى السُّجُودِ (بَطْنَهُ بِفَخْذَيْهِ) فَلَا يَجْعَلُ بَطْنَهُ عَلَيْهَا (و) مُجَافَاةُ (مِرْفَقَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ) أَى عَنْ رُكْبَتَيْهِ (و) مُجَافَاةُ (ضَبْعِيهِ) بِضَمِّ اللَّبَاءِ الْمُوَحَّدَةِ تَشْبِيهُ ضَبْعٍ، مَا فَوْقَ الْمِرْفَقِ إِلَى الْإِبْطِ (جَنْبِيهِ) أَى عَنْهَا مُجَافَاةُ (وَسْطًا) فِي الْجَمِيعِ، وَأَمَّا الْمَرْأَةُ فَتَكُونُ مُنْضَمَّةً فِي جَمِيعِ أَحْوَالِهَا. (الشَّرْحُ الصَّغِيرُ عَلَى أَقْرَبِ الْمَسَالِكِ إِلَى الْإِمَامِ مَالِكٍ: ۳۲۹، ۳۲۸/۱) یعنی مرد کیلئے حالت سجدہ میں اپنے پیٹ کو رانوں سے علاحدہ رکھنا مطلوب ہے، اسی طرح کہنیوں، گھٹنوں، بازوؤں اور پہلوؤں کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا اور کشادہ رکھنا مطلوب اور مندوب ہے۔ لیکن عورت اپنے تمام احوال میں سمٹی رہے گی۔

شوافع :- امام محمد ابن ادریس الشافعی کی تصنیف جو ان کے تلمیذ رشید امام مزنی کی روایت سے منقول ہے اور فقہ شافعی کے مستند ترین مآخذ میں شمار کی جاتی ہے اس میں عورتوں کے طریقہ نماز کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (قَالَ الشَّافِعِيُّ) وَقَدْ أَذَبَ اللَّهُ تَعَالَى النِّسَاءَ بِالْإِسْتِتَارِ، وَأَدَّبَهُنَّ بِذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَحَبُّ لِلْمَرْأَةِ فِي السُّجُودِ أَنْ تَضُمَّ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ، وَتَلْصُقَ بَطْنَهَا بِفَخْذِهَا، وَتَسْجُدَ كَأَسْتُرٍ مَا يَكُونُ لَهَا، وَهَكَذَا أَحَبُّ لَهَا فِي الرُّكُوعِ وَالْجُلُوسِ وَجَمِيعِ الصَّلَاةِ أَنْ تَكُونَ كَأَسْتُرٍ مَا يَكُونُ لَهَا، وَأَحَبُّ أَنْ تَكُفَّتْ جِلْبَابُهَا وَتَجَافَيْهِ رَاكِعَةً وَسَاجِدَةً عَلَيْهَا لئَلَّا تَصِفُهَا ثِيَابُهَا. (کتاب الام: ۱۰۰/۱)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چھپ کر رہنے کا ادب سکھلایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی عورتوں کو یہی ادب سکھلایا ہے اور میں عورتوں کیلئے حالت سجدہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ اپنے بدن کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملا لے اور اپنے پیٹ کو ران سے چپکا لے اور اس طرح سجدہ کرے جو اس کیلئے زیادہ چھپانے والا ہو۔ اسی طرح عورت

کیلئے رکوع، جلسہ اور پوری نماز میں یہی پسند کرتا ہوں کہ عورت اس ہیئت پر رہے جو اس کیلئے سب سے زیادہ ستر (چھپانے والی) ہو۔ اور میں پسند کرتا ہوں کہ رکوع سجدہ میں اپنی چادر کو کشادہ رکھے تاکہ کپڑوں سے اسکے بدن کے خدو خال نمایاں نہ ہوں۔ (ص ۸۲/۸۳)

حنا بلہ:- فقہ حنابلہ کی مشہور کتاب زَادُ الْمُسْتَفْعِ اور اس کی شرح ”السُّلُسَبِيلُ فِي مَعْرِفَةِ الدَّلِيلِ لِفَضِيلَةِ الشَّيْخِ صَالِحِ بْنِ ابْنِ اِبْرَاهِيمَ الْبَلِيْهِ“ طبع ۱۴۰۱ھ میں مردوں کی نماز کا طریقہ بیان کرنیکے بعد فرماتے ہیں: وَالْمَرْأَةُ مِثْلُهُ، تَضُمُّ نَفْسَهَا وَتَذُلُّ رِجْلَيْهَا فِي جَانِبِ يَمِينِهَا (زَادُ الْمُسْتَفْعِ ص ۱۱۹)۔ یعنی عورت بھی مرد کی طرح ہے لیکن عورت اپنے آپ کو سیٹے رہے گی اور اپنے دونوں پیردائیں جانب نکال لے گی (۸۴)

غیر مقلدین:- ان کے نزدیک ”عورتوں اور مردوں کی نماز یکساں ہے“ نیز عورتوں اور مردوں کی نماز کے درمیان کوئی فرق نہیں

مذکورہ بالا جملے ”قیاس“ ہیں، قرآن کریم کی کوئی آیت یا حدیث نہیں ہے۔

”اسلام کے احکامات عام طور پر عورتوں اور مردوں کیلئے یکساں ہیں“ (یہ اصول ہے جو قیاس کی حیثیت رکھتا ہے)۔ مگر وہ احکامات مستثنیٰ ہیں جن میں فرق بتایا گیا ہے اسی طرح مردوں اور عورتوں کی نماز یکساں ہے۔ سوائے ان امور کے جن میں احادیث سے استثناء آیا ہے (یعنی فرق بتایا گیا ہے)۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے ”فَإِنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَتْ فِي ذَلِكَ كَالرَّجُلِ“۔ **ترجمہ:-** کیونکہ عورت کا حکم اس بارے میں مرد جیسا نہیں ہے۔ (مرا سیل ابوداؤد ص ۸)۔ اگر عورت اور مرد کی نماز کا فرق احادیث میں بتایا گیا ہو تو احادیث کو ترجیح دی جائیگی قیاس پر (اگرچہ احادیث ضعیف ہوں)۔ ہمارے نزدیک ضعیف حدیث بھی حجت ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک قیاس حجت نہیں ہے پھر بھی وہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔

نماز میں درج ذیل امور مردوں سے فرق کے ساتھ ہیں

خواتین نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ کاندھوں تک اٹھائیں (کانوں تک نہ اٹھائیں)

● عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا صَلَّيْتَ فَاجْعَلْ يَدَيْكَ حِذَاءَ أُذُنِكَ وَالْمَرْأَةُ تَجْعَلُ حِذَاءَ ثَدْيَيْهَا۔ **ترجمہ:-** حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابن حجر! جب تم نماز پڑھو تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں کے مقابل کر لو (اٹھاتے وقت) اور عورت اپنے ہاتھوں کو اپنے ثد بین (پستانوں) کے مقابل میں کر لے یعنی مونڈھے تک اٹھائے۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر ج ۲۲ ص ۲۰)

☆ سَلْمَانُ بْنُ عُمَيْرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ قَالَ رَأَيْتُ أُمَّ الدُّرْدَاءِ وَهِيَ تَرَفُّعُ يَدَيْهَا حَذْوً مَنَكِبَيْهَا۔ **ترجمہ:-** حضرت

سلمان بن عمیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ام الدرداءؓ کو دیکھا (جو جلیل القدر مشہور صحابیہ ہیں جن کا نام خیرۃ ہے، تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۶۶) کہ وہ اپنے ہاتھوں کو مونڈھوں کے مقابل اٹھاتی تھیں۔ (جزء رفع یدین بخاری ص ۱۲)

☆ عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ رَأَيْتُ أُمَّ الدَّرْدَاءِ تَرْفَعُ يَدَيْهَا فِي الصَّلَاةِ حَذُّ وَ مَنْكِبَيْهَا

ترجمہ: - عبد ربہ بن سلیمانؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ام الدرداءؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ”فی المرأة اذا افتتحت الصلاة الى اين ترفع يديها“ ج ۲ ص ۴۲۱)

☆ حضرت عطاءؓ سے پوچھا گیا کہ عورت نماز میں اپنے ہاتھ کہاں تک اٹھائے گی تو فرمایا کہ اپنے پستانوں تک (مصنف ابن ابی شیبہ ”فی المرأة اذا افتتحت الصلاة الى اين ترفع يديها“ ج ۲ ص ۴۲۱)

عورت کو سجدہ میں پیٹ زمین سے چمٹا رکھنا چاہئے

● ”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ عَلَى امْرَأَتَيْنِ تَصَلِّيَانِ، فَقَالَ: إِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّمَا بَعْضَ اللَّحْمِ إِلَى الْأَرْضِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ لَيَسَتْ فِي ذَلِكَ كَالرَّجُلِ. **ترجمہ:** - حضور ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت کا حکم اس بارے میں مرد جیسا نہیں ہے (مرا سیل ابوداؤد ص ۸)“

● عَنْ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوعًا إِذَا جَلَسَتِ الْمَرْأَةُ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَتْ فَخِذَهَا عَلَى فَخِذِهَا الْآخَرَى، فَإِذَا سَجَدَتْ أَلْصَقَتْ بَطْنَهَا عَلَى فَخِذِهَا كَمَا سَتَرُ مَا يَكُونُ، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْظُرُ إِلَيْهَا يَقُولُ: يَا مَلَأْ نِكَتِي أَشْهَدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهَا، **ترجمہ:** - حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی ران سے ملا لے جو کہ اس کیلئے زیادہ چھپانے والا ہو گا، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو (یعنی عورت کو) دیکھ کر اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس عورت کی مغفرت کر دی۔

(بحوالہ اعلاء السنن ج ۳ ص ۳۳، ابن عدی فی الکامل، بیہقی فی سننہ، کنز العمال ج ۴ ص ۱۱۷)

● حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِذَا سَجَدَتِ الْمَرْأَةُ فَلْتَضُمَّ فَخِذَهَا. **ترجمہ:** - حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنی رانوں کو (اچھی طرح) ملا لے۔ (سنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۲۲۲، مصنف ابن ابی شیبہ ”المرأة كيف تكون في سجودها“ ج ۲ ص ۵۰۴)

نماز جمعہ عورت، بچہ، مریض و مسافر پر فرض نہیں

حضرت طارق بن شہابؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ جماعت کیساتھ ہر مسلمان پر فرض ہے

ثابت شدہ ہے۔ سوائے چار لوگوں کے۔ یعنی غلام، عورت، بچہ، بیمار کے (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۵۳، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۳، طبرانی کبیر ج ۸ ص ۳۲۱ حدیث نمبر ۸۲۰۶، سنن کبریٰ بیہقی ج ۳ ص ۱۷۲، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۴۲۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ پانچ لوگوں پر جمعہ فرض نہیں عورت، مسافر، غلام، بچہ اور اہل دیہات۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط، کنز العمال ج ۷ ص ۷۲۲ حدیث نمبر ۲۱۰۹۶)

حضرت محمد بن کعب قرظیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد ہے کہ چار اشخاص ایسے ہیں جن پر جمعہ فرض نہیں ہے عورت، غلام، مسافر اور مریض (امام محمد کتاب الآثار ص ۳۵)

حضرت محمد بن کعب قرظیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو اس پر جمعہ کے روز نماز جمعہ فرض ہے سوائے عورت، بچہ، غلام اور بیمار پر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۵، ”فیمن لا تجب علیہ الجمعة“، المعرفہ للبیہقی ج ۴ ص ۳۱۲، مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۷۳)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو اس پر جمعہ کے روز نماز جمعہ فرض ہے سوائے مریض، مسافر، عورت، بچہ اور غلام (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۳)

غیر مقلدین کی عورتوں کی نماز کے بارے میں فکر مندی کی حقیقت

غیر مقلدین عورتوں کے تعلق سے بڑی فکر مندی ظاہر کرتے ہیں اور عورتوں کی حالت زار کے عنوان سے آنسو بہاتے ہیں۔ عورتوں کو مسجد کے نام پر گھروں سے نکالتے ہیں اور انکے پیچھے شیطان کو لگا دیتے ہیں۔ (کیونکہ حدیث میں ہے کہ عورت سراپا چھپانے کی چیز ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے۔ ترمذی ”باب ما جاء فی کراهیۃ الدخول علی المغیبات، باب ج ۱ ص ۲۲۲)۔ اور انکو اپنے رب سے دور کر دیتے ہیں (اسلئے کہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ ”عورت جب تک اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتی ہے“۔ الترغیب للمندی ج ۱ ص ۱۳۶) اور اسکے بعد بھی مسجد میں نماز کا موقع نہیں دیتے۔ انہیں ایک الگ حجرے میں رکھتے ہیں جب کہ خیر القرون میں عورتوں کی صفیں مسجد ہی میں مردوں اور بچوں کے بعد لگتی تھیں۔ (صحیح بخاری باب صلوۃ النساء خلف الرجال ج ۱ ص ۱۲۰، صحیح مسلم باب جواز الجماعة النافلة و الصلوۃ علی حصیر و خمرة و ثوب وغیرھا من الطاهرات ج ۱ ص ۲۳۲، نسائی ”المنفرد خلف الصف“ ج ۱ ص ۱۳۹، ترمذی باب ما جاء فی الرجل یصلی و معہ رجل و نساء ج ۱ ص ۵۵، ابوداؤد باب اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقو مون ج ۱ ص ۹۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۲)

اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ غیر مقلدین کے پاس ایک حدیث بھی نہیں ہے کہ وہ اسکے حوالے سے عورتوں کی نماز کا طریقہ بتا سکیں۔ انکے پاس صرف ”قیاس“ ہے کہ ”عورتوں اور مردوں کی نماز یکساں ہے“ یا ”عورتوں اور

مردوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ قیاس کسی حدیث میں نہیں ملتا۔ اور بغیر کسی دلیل کے عمل کرنا تقلید ہے جو ان کے نزدیک شرک ہے۔ اب چونکہ ان کے پاس عورتوں کی نماز پڑھنے کے طریقہ میں کوئی حدیث نہیں ہے اس لئے غیر مقلدین کے اصول کی رو سے عورتیں نماز پڑھ سکتی ہی نہیں۔

سوالات

- (۱) کوئی آیت یا حدیث پیش کیجئے جس میں یہ جملہ ہو ”عورت اور مرد کی نماز یکساں ہے، کوئی فرق نہیں ہے“
(۲) ”عورتوں کی نماز“ کے طریقہ کے سلسلہ میں صرف ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے۔

فی زمانہ مساجد میں عورتوں کی نماز کی حقیقت

حضور ﷺ کا زمانہ خیر القرون ہے عورتوں کو مساجد میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی انکی صفیں آخر میں مردوں، بچوں کے بعد لگا کرتی تھی (صحیح بخاری باب صلوٰۃ النساء خلف الرجال ج ۱ ص ۱۲۰، صحیح مسلم باب جواز الجماعة النافلة و الصلوٰۃ علی حصیر و خمرۃ و ثوب و غیرها من الطاهرات ج ۱ ص ۲۳۴، نسائی ”المنفرد خلف الصف“ ج ۱ ص ۱۳۹، ترمذی باب ما جاء فی الرجل یصلی و معہ رجل و نساء ج ۱ ص ۵۵، ابوداؤد باب اذا کا نوا ثلاثة کیف یقومون ج ۱ ص ۹۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۲)

(۱) حضور ﷺ کا زمانہ خیر القرون تھا (۲) فتنوں سے محفوظ تھا (۳) رسول بقول ﷺ بنفس نفیس تشریف فرما تھے۔ وحی نازل ہو تی تھی۔ نئے نئے احکام آتے تھے (۴) نماز وغیرہ کے مسائل سیکھنے کی ضرورت تھی (۵) اور سب سے بڑھ کر حضور اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کر نیک شرف حاصل ہوتا تھا۔

ان تمام باتوں کے باوجود عورتیں نماز باجماعت پڑھنے کی مکلف نہیں تھیں صرف اجازت تھی اور وہ بھی مشروط تھی۔ یعنی ان کیلئے مسجد میں جانے کا حکم عام نہیں تھا ان کیلئے لازم تھا کہ وہ مسجد کی نماز کیلئے اجازت لیں۔ اسی لئے حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ”کہ جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جائیگی اجازت چاہے تو اسے نہ روکو“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۰، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۳ وغیرہ)۔ اجازت کی شرط فتنوں سے احتیاط ہی تھی۔ خلیفہ راشد ثانی حضرت عمر فاروق (جن کے حق میں بھی یہ حدیث صادق آتی ہے ”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي.....“ یعنی تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت) کا دور آیا اور عورتوں کی حالت میں تبدیلی دیکھ کر آپ نے ان عورتوں کو جو مسجد میں آتی تھیں روک دیا۔ تمام صحابہ کرام نے اس بات کو پسند فرمایا کسی نے مخالفت نہیں کی۔ البتہ بعض عورتوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اسکی شکایت فرمائی تو حضرت ام المومنینؓ جو مزاج نبوت کی پہچاننے والی تھیں اور اسرار شریعت سے واقف تھیں انہوں نے بھی فیصلہ کاروقی سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا۔ ”ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ عورتوں نے جو (زیب وزینت آرائش

وزیائش کا) طریقہ ایجاد کیا ہے اگر رسول اللہ ﷺ سے ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجدوں سے ضرور روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۹، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۳، ابوداؤد ج ۱ ص ۸۴، مؤطا امام مالک ص ۶۹، مسند بزار ج ۳ ص ۱۴۹)۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ام المومنینؓ کے اس اثر میں جس کو امام بخاریؒ نے نقل کیا اس بات کی دلیل ہے کہ جب عورتوں میں بدعات پیدا ہو جائے تو پھر انکا مسجدوں میں جانا درست نہیں ہے (عمدة القاری شرح بخاری ج ۲ ص ۱۵۹)۔ احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ غرض جمیع اہلسنت والجماعت کے نزدیک عورتوں کا مساجد میں نماز کیلئے جانا مکروہ تحریمی ہے۔ خلیفہ راشد ثانی نے اور ام المومنین حضرت عائشہؓ نے تنبیہ فرمائی اور حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین، تابعین عظام، اور فقہاء امت نے اس پر اتفاق کیا۔ عورتوں کو مساجد میں جانے سے روکا گیا۔ اور اس پر اجماع امت ہو گیا۔ علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہ سبب ہے حرمت کا۔ اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہے۔ اس اجماع امت پر ہر دور میں عمل باقی رہا۔

تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج عورتوں کو مساجد میں جانے پر زور دیا جا رہا ہے بلکہ اس کو سنت سمجھا جا رہا ہے۔ کیا آج کا معاشرہ ام المومنین اور حضرات صحابہ کرامؓ کے معاشرہ سے اچھا ہو گیا ہے؟ یا حضرات صحابہ کرامؓ منشاء نبوت کو بہتر طور پر سمجھنے والے نہیں تھے؟ کیا حضرات صحابہ کرامؓ حقوق نسواں کا پاس و لحاظ کرنے والے نہیں تھے؟ مقلدین کی ضد میں غیر مقلدین عورتوں کو ”مساجد میں نماز“ کے نام پر گھروں سے نکالتے ہیں اور شیاطین کو ان کے پیچھے لگاتے ہیں (کیوں کہ حدیث میں ہے کہ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ (ترمذی ج ۱ ص ۲۲۲) ترجمہ: عورت سراپا چھپانے کی چیز ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے) اور ان کو اپنے رب سے دور کر دیتا ہے (اس لئے کہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ ”وَ أَقْرَبُ مَا تَكُونُ مِنْ وَجْهِ رَبِّهَا وَ هِيَ فِي قَعْرِ بَيْتِهَا۔ یعنی عورت جب تک اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ الترغیب للمندری ج ۱ ص ۱۳۶) اور اس کے بعد بھی مسجد میں نماز کا موقع دیتے ہی نہیں۔ انہیں ایک الگ حجرے میں رکھتے ہیں جب کہ خیر القرون میں عورتوں کی صفیں مسجد ہی میں مردوں اور بچوں کے بعد لگتی تھیں۔ (صحیح بخاری باب صلوٰۃ النساء خلف الرجال ج ۱ ص ۱۲۰، صحیح مسلم باب جواز الجماعة النافلة والصلوة علی حصیر وخمرة وثوب وغیرہا من الطاهرات ج ۱ ص ۲۳۲، نسائی ”المنفرد خلف الصف“ ج ۱ ص ۱۳۹، ترمذی باب ما جاء فی الرجل یصلی و معہ رجل و نساء ج ۱ ص ۵۵، ابوداؤد باب اذا کانوا ثلاثة کیف یقفون ج ۱ ص ۹۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۴)۔ اگر غیر مقلدین الگ سے حجرہ بنانے کی وجہ یہ بیان کریں کہ یہ ”فتنوں سے احتیاط“ ہے تو پھر فتنوں سے زیادہ احتیاط تو عورتوں کا گھروں کے حجرے میں نماز پڑھنا ہے کیونکہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کی نماز ان کے گھروں میں

زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ام حمیدؓ بنی ہاشم کے پاس تشریف لائیں اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بہت شوق ہے آپ ﷺ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تم میرے پیچھے نماز پڑھنے کا بہت شوق رکھتی ہو لیکن تمہارے لئے گھر کے حجرے میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے صحن کی نماز سے، اور صحن کی نماز برآمدہ کی نماز سے بہتر ہے اور محلہ کی مسجد کی نماز میری مسجد (مسجد نبوی) میں ادا کرنے سے بہتر ہے حضرت ام حمیدؓ نے یہ ارشاد گرامی سن کر اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ ایک جگہ نماز کیلئے گھر میں اندرونی کوٹھری میں جو نہایت تاریکی میں تھی بنا دی گئی یہ اس میں نماز پڑھتی رہیں یہاں تک کہ خدا سے جا ملیں (یعنی گھر ہی میں نماز پڑھتی رہیں مسجد میں نہیں گئیں۔ مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۱، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۲۵، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۳، ابن خزیمہ، ابن حبان وغیرہ)

حضور ﷺ نے عورتوں کے حق میں فرمایا یُؤْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ یعنی ان کے گھر ان کیلئے زیادہ بہتر ہیں (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۲۷، ابوداؤد باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد ج ۱ ص ۸۴)۔

روایات میں ہے کہ خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُيُوتِهِنَّ یعنی عورتوں کیلئے بہترین مساجد ان کی کوٹھریوں کا اندرونی مکان ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۵، بیہقی، کنز العمال ج ۷ ص ۶۷۶، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۲۸)

قضاء نمازوں کا بیان

ہر مسلمان پر ہر دن پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے۔ اگر کسی دن کی یا کسی وقت کی نماز کسی وجہ سے چھوٹ جائے تو اسے قضاء ہو جانا کہتے ہیں اور ان چھوٹی نمازوں کو پڑھنا ضروری ہے جسے قضاء کی ادائیگی کہتے ہیں۔ اگر اس کی قضاء نہ کرے تو آخرت میں اس کا محاسبہ ہوگا۔

غیر مقلدین کا موقف :- قضاء نمازوں کے سلسلہ میں غیر مقلدین کا موقف متعین نہیں ہے۔ بعض قضاء نمازوں کی دو قسم بتاتے ہیں ایک وقتی یعنی جو فی الحال قضاء ہوئی ہو اور دوسری غیر وقتی جو کچھ عرصہ قبل چھوٹی ہو۔ وقتی تو قضاء کر لے اور غیر وقتی کی قضاء نہیں کر سکتا۔ کچھ غیر مقلدین کا موقف ہے کہ اگر بھول کر قضاء ہوئی ہوں تو پڑھ سکتا ہے اور جو نمازیں جان بوجھ کر نہ پڑھی ہوں انکی قضاء نہیں کر سکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ان کے فتاویٰ ملاحظہ ہوں۔

مولوی یونس صاحب لکھتے ہیں ”اگر کوئی دیدہ دانستہ نمازیں چھوڑ دے اور پھر ان کی قضاء کرنا چاہے تو اس قسم کی نمازوں کی قضاء حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ آدمی کے لئے توبہ و استغفار کافی ہے۔ (دستور المفتی ص ۱۴۹)

حافظ عبد اللہ روپڑی صاحب تحریر فرماتے ہیں بلوغ کے بعد اگر نمازیں چھوڑی جو آسانی سے ادا ہو سکتی ہیں تو کر لی جائیں اگر زیادہ مدت کی ہوں جن کو ادا کرنا مشکل ہو تو یہی کافی ہے۔ (فتاویٰ الہمدیث ج ۱ ص ۴۱۵)

مفتی عبدالستار صاحب سابق امام جماعت غرباء اہل حدیث رقمطراز ہیں: لیکن سوال یہ ہے کہ نماز قضاء کیوں ہوئی اصل یہ کہ عمد اچھوڑی ہے شرع میں نہ قضاء کرنے کا حکم ہے اور نہ اس کی کوئی صورت ہے۔ انسان سو جائے تو جب بیدار ہو وہی اس کا وقت ہے، اگر بھول جائے تو جب یاد آجائے وہی اس کا وقت ہے اگر بے ہوشی ہو جائے تو جب ہوش آئے وہی اس کا وقت ہے، پھر قضاء ہو جانے کی صورت کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ نفسانی عذر بنا کر چھوڑی ہے، جس کی قضاء نہیں، اس پر جرم ہے کہ وہ کافر ہو گیا، اسلئے مسلمان توبہ کر کے ہوئے (فتاویٰ ستارہ ج ۴ ص ۱۵۴)

تنبیہ:- جو نماز چھوٹ جائے وہ قضاء ہے اب اسے وقتی یا غیر وقتی کہنے کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور ان نمازوں کی قسمیں بتا کر اس کی قضاء کو ساقط کر دینا اجماع امت کے خلاف ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے بندہ پر جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے **فَاقْضُوا لِلَّهِ فُھُوَ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ** یعنی اللہ کا قرض ادا کرو وہ ادائیگی کا زیادہ حقدار ہے۔ (نسائی ج ۲: ص ۲) ایک دوسری روایت میں ہے: **فَدَيْنُ اللّٰهِ اَحَقُّ** یعنی اللہ کا قرض زیادہ اس لائق ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔ (نسائی ج ۲: ص ۳) یہ فوت شدہ نماز ایک ہو یا کئی ایک ہوں۔ ادائیگی بہر حال لازم ہے۔

ازالہ شبہ: بعض دین سے ناواقف لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ قضاء عمری ادا کرنا سنت رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں ہے۔ ایسے جاہل لوگوں کو جاننا چاہئے کہ آپ ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں سے یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اہم فریضہ سے سستی و غفلت ہوتی۔ جب وہ مقدس ہستیاں نمازوں کی شدید حریم و پابند تھے پھر قضاء کا کیا تصور، البتہ نماز کے فوت ہونے کی صورت میں ادائیگی کا حکم آپ ﷺ نے دیا ہے، خواہ وہ ایک نماز ہو یا زندگی میں فوت شدہ کئی نمازیں ہوں، زندگی میں چھوٹی ہوئی کئی نمازوں کی ادائیگی کو ہی قضاء عمری کہا جاتا ہے۔

ذیل میں چند روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قضاء نمازوں کی ادائیگی ضروری ہے۔

● **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ أَدْلَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ عَرَّسَ فَلَمْ يَسْتَقِظْ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ أَوْ بَعْضُهَا فَلَمْ يُصَلِّ حَتَّى ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى وَهِيَ صَلَوةُ الْوُسْطَى **ترجمہ:**** حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے رات میں سفر کیا پھر رات کے اخیر حصہ میں قیام کیا بیدار نہیں ہوئے، یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو گیا۔ سورج کے بلند ہونے تک آپ ﷺ نے نماز ادا نہیں کی اسکے بعد آپ ﷺ نے نماز فجر ادا کی۔ (نسائی باب کیف یقضی الفائت من الصلوۃ ج ۱ ص ۱۰۲)

● **عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ عَرَّسَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةً بِطَرِيقِ مَكَّةَ وَوَكَّلَ بِلَالًا أَنْ يُوقِظَهُمْ لِلصَّلَاةِ فَرَقَدَ بِلَالٌ وَرَقَدُوا حَتَّى اسْتَقِظُوا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَيْهِمُ الشَّمْسُ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالنَّاسِ. **ترجمہ:** حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ اخیر رات سفر میں قیام**

فرمایا۔ (اہل قافلہ کو) بیدار کرنے کی ذمہ داری حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سونپ دی۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سو گئے اور اہل قافلہ بھی محو خواب ہو گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اہل قافلہ بیدار ہوئے جبکہ آفتاب طلوع ہو چکا تھا (حدیث میں ہے) پھر آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (قضاء نماز) باجماعت پڑھائی (موطا امام مالک ص ۵)

فائدہ:- یہ دونوں روایتیں نیز ماسبق عنوان کی روایتیں اس بات پر صاف دلالت کرتی ہیں کہ رات کے اخیر حصہ میں تھکان سے آپ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی آنکھ لگ گئی۔ طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر کی قضاء فرمائی جس سے قضاء نمازوں کے وجوہ ادا نیگی کا ثبوت ہوا۔ ابن ماجہ (ج ۱: ص ۵۰) میں یہ واقعہ قدرے تفصیل کیساتھ ہے بیدار ہونے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی جب نماز قضاء فرما چکے تو ارشاد فرمایا: جو نماز بھول جائے تو یاد آنے پر اس کو ادا کرے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حِينَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ فَسَارَ لَيْلَةً حَتَّى إِذَا أَدْرَكَهُ الْكُرَى عَرَسَ (وَفِيهِ) ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَمَرَ بِبَلَا لَا فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ الصَّلَاةَ قَالَ مَنْ نَسِيَ صَلَوةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِيَذْكُرِي (ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۰ بَابُ مَنْ نَامَ عَنْ صَلَوةٍ أَوْ نَسِيَهَا)

● عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِيَذْكُرِي **ترجمہ:-** حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی نماز بھول جائے تو جب بھی یاد آئے چاہئے کہ اس کو پڑھ لے۔ اسکے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ ارشاد فرمایا: نماز قائم کرو میری یاد کیلئے۔ (صحیح بخاری باب من نسی صلوة فليصل اذا ذكر... الخ ج ۱ ص ۸۴، صحیح مسلم باب قضاء الصلوة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها ج ۱ ص ۲۴۱، نسائی ج ۱ ص ۷۱، ابوداؤد ج ۱ ص ۶۳، ترمذی ج ۱ ص ۴۳، ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۰، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۴۹، حدیث نمبر ۳۹۴، نصب الراية ج ۲ ص ۱۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ "الرجل ينسى الصلاة او ينام عنها" ج ۳ ص ۵۱۴)

● عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا رَقِدَ أَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ غَفَلَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِيَذْكُرِي **ترجمہ:-** حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز سے سو جائے یا نماز سے غفلت ہو جائے تو جب اس کو یاد آئے اس کو پڑھ لے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: نماز قائم کرو میری یاد کیلئے۔ (صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۲۴۱، نسائی ج ۱ ص ۷۱)

● عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا نَسِيتَ الصَّلَاةَ فَصَلِّ إِذَا ذَكَرْتَ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِيَذْكُرِي **ترجمہ:-** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم نماز کو بھول جاؤ تو جب یاد آئے پڑھ لو اسلئے کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: نماز قائم کرو میری یاد کے لئے۔

(نسائی ج ۱ ص ۱۰۰، سنن کبریٰ بیہقی ۲: ۲۱۷، کنز العمال ۷: ۵۳۷)

● عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا **ترجمہ**:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کو بھول جائے یا سو جائے تو جب یاد آئے اسے پڑھے۔ (مسند بزار ۹: ۱۳۷، حدیث نمبر ۳۶۹۴، مجمع الزوائد ۱: ۳۲۲، رجالہ مؤثقون کذا عن أبي جحيفة مصنف ابن أبي شيبة "الرجل ينسى الصلاة او ينام عنها" ج ۳ ص ۵۱۴) **فائدہ**:- ان روایات صحیحہ سے ثابت ہوا کہ نماز بھول کر یا جان بوجھ کر یا سونے کی بناء پر فوت ہو جائے تو ساقط نہیں ہوتی ہے بلکہ اسکی قضاء (ادا نیگی) جلد از جلد ضروری و لازم ہے (بہتر یہ ہے کہ وقت پر نہ پڑھنے پر توبہ کرے)۔

قضاء نمازوں میں ترتیب ضروری ہے

● عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مُوَازِي الْعَدُوِّ فَشَغَلُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ حَتَّى كَانَ نِصْفُ اللَّيْلِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَبَدَأَ بِالظُّهْرِ فَصَلَّاهَا ثُمَّ الْعَصْرَ ثُمَّ الْمَغْرِبَ ثُمَّ الْعِشَاءَ يَتَّبِعُ بَعْضُهَا بَعْضًا. **ترجمہ**:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ (غزوہ خندق کے دن) دشمن کے مقابلہ میں تھے۔ ان دشمنوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء پڑھنے سے باز رکھا، یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ حضور اکرم ﷺ کھڑے ہوئے ظہر سے قضاء کرنا شروع فرمایا۔ پہلے ظہر کی نماز ادا فرمائی، پھر عصر کی نماز، پھر مغرب کی نماز اور اخیر میں عشاء کی نماز ادا فرمائی یکے بعد دیگرے آپ ﷺ نے ادا فرمائی (سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۲۱۹، ۲۲۰، باب قضاء الصلوات الاولی فالاولی) **فائدہ**:- اس روایت سے ثابت ہوا کہ غزوہ خندق کے موقع پر آپ ﷺ کی تین نمازیں فوت ہوئیں۔ آپ ﷺ نے انھیں بالترتیب ادا فرمائیں۔ آپ ﷺ کے اس عمل مبارک سے چھوٹی ہوئی نمازوں میں اور وقتیہ نماز میں ترتیب ثابت ہوئی۔ نیز آپ ﷺ کے ارشاد: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي یعنی نماز اسی طرح پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ (مسند امام شافعی ص ۵۵، صحیح بخاری باب الاذان للمسافر اذا كانوا جماعة الخ ج ۱ ص ۸۸، سنن دارمی ۱: ۲۰۲) سے ترتیب کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ **فائدہ**:- حضرات محدثین نے جو باب قائم فرمایا اس سے مزید ترتیب کا اثبات معلوم ہوتا ہے۔ امام بخاری اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے باب قائم فرمایا ہے: بَابُ قَضَاءِ الصَّلَوَاتِ الْأُولَى فَالْأُولَى یعنی نمازوں کی قضاء کا بیان جو ترتیب میں پہلی ہو وہ قضاء میں بھی پہلی ہو۔

● عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ إِنَّ الْمُسْرِكِينَ شَغَلُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتَّى ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللَّهُ فَأَمَرَ بِأَلَا فَاذَنْ فَأَقَامَ فَصَلَّى

الظُّهْرُ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعِشَاءَ **ترجمہ:** حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ اپنے والد محترم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے روز مشرکین نے حضور اکرم ﷺ کو چار نمازیں نہیں پڑھنے دیں یہاں تک کہ رات کا اتنا حصہ گزر گیا جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی پھر اقامت کہی۔ پس ظہر پڑھی، پھر اقامت کہی تو عصر پڑھی، پھر اقامت کہی تو مغرب پڑھی، پھر اقامت کہی تو عشاء پڑھی (مصنف ابن ابی شیبہ "الر جل يتشاغل في الحرب او نحو ه، كيف يصلي" ج ۳ ص ۵۲۶، سنن ترمذی ج ۱ ص ۴۳، نسائی ج ۱ ص ۷۲، بَابُ كَيْفَ يَقْضَى الْفَوَائِثُ مِنَ الصَّلَاةِ) **فائدہ:** امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث شریف کا جواب قائم کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جسکی کئی نمازیں فوت ہوگئی ہوں وہ کس نماز سے قضاء کی ابتداء کرے۔ حضرت امام نسائی رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے فوت شدہ نمازیں کس طرح ادا کی جائیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ ان محدثین کے نزدیک بھی قضاء ضروری ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں پہلی روایت کے مقابل مزید صراحت موجود ہے۔

چھوٹی ہوئی نماز اور وقتیہ نماز میں ترتیب ضروری ہے

● عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا كَذْتُ أَصَلَّى الْعَصْرَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَاللَّهِ مَا صَلَّيْتُهَا فَقُمْنَا إِلَى بَطْحَانَ فَتَوَضَّأْنَا لِلصَّلَاةِ وَتَوَضَّأْنَا بِهَا فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّيْتُ بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ **ترجمہ:** حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب غزوہ خندق کے روز تشریف لائے آفتاب کے غروب ہونے کے بعد کفار قریش کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میں نے نماز عصر ادا نہیں کی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے بھی نماز عصر ادا نہیں کی ہے۔ چنانچہ مقام بطحان میں ٹھہرے۔ آپ ﷺ نے وضو فرمایا ہم نے بھی وضو کیا۔ غروب شمس کے بعد پہلے نماز عصر ادا کی پھر اسکے بعد نماز مغرب ادا کی۔ (اعلاء السنن ۷: ۱۴۳ صحیح بخاری شریف باب قضاء الصلوات الا ولی فا لاولی ج ۱: ۸۴ صحیح مسلم باب الدلیل لمن قال الصلوة الوسطی ہی صلوة العصر ج ۱ ص ۲۲۷، سنن کبری، بیہقی

۲: ۲۱۹، نسائی ۱: ۱۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ "الر جل يتشاغل في الحرب او نحو ه، كيف يصلي" ج ۳ ص ۵۲۶)

فائدہ: حدیث شریف سے صاف واضح ہے کہ چھوٹی ہوئی نماز اور وقتیہ نماز میں ترتیب ضروری ہے اسلئے کہ آپ ﷺ کے عمل اور قول (ویسے ہی نماز پڑھو جیسا کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو) (بخاری ۱: ۸۸) سے ثابت ہے اور اسلئے بھی کہ احادیث میں وارد ہے کہ فوت شدہ نماز جب یاد آئے ادا کر لے۔ مکروہ اوقات کے علاوہ۔ لہذا فوت شدہ کو پڑھے پھر وقتیہ ادا کرے، اگر وقتیہ

نماز کے دوران فوت شدہ نماز یاد آجائے تو وقتیہ مکمل کر کے قضاء والی نماز پڑھے پھر وقتیہ نماز دوبارہ پڑھے۔

● عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَذَكَرَهَا وَهُوَ مَعَ الْإِمَامِ فَلْيَتِمَّ صَلَاتَهُ وَلْيَقْضِ اللَّتَى نَسِيَ ثُمَّ لْيَعُدَّ اللَّتَى صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ - ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی نماز بھول جائے پھر اس کو یاد آئے اس حال میں کہ وہ امام کیساتھ ہو تو چاہئے کہ وہ اپنی نماز پوری کر لے اور اس بھولی ہوئی نماز کی قضاء کرے پھر اس نماز کا اعادہ کرے جو امام کیساتھ ادا کی ہے (طبرانی فی الاوسط، اعلاء السنن ۷: ۱۴۴، مؤطا امام محمد ص: ۱۳۵، سنن کبریٰ بیہقی ۲: ۲۲۱، باب مَنْ ذَكَرَ صَلَاةً وَهُوَ فِي أُخْرَى، دارقطنی ۱: ۴۲۱، کذا فی مصنف عبدالرزاق ۵: ۲، ومعرفۃ السنن والآثار ۳: ۱۴۰)

● عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ أَبِي جُمُعَةَ حَبِيبِ بْنِ سَبَاعٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْأَحْزَابِ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَنَسِيَ الْعَصْرَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِأَصْحَابِهِ هَلْ رَأَيْتُمُونِي صَلَّيْتُ الْعَصْرَ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُؤَذِّنَ فَأَذَّنَ ثُمَّ أَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَنَقَضَ الْأُولَى ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ - ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عوف رحمہ اللہ صحابی رسول حضرت ابو جمعہ حبیب بن سباع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوہ احزاب کے سال نماز مغرب ادا فرمائی اور نماز عصر بھول گئے جب نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھے نماز عصر پڑھتے دیکھا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا نہیں دیکھا۔ اے اللہ کے رسول! آپ نے مؤذن کو حکم دیا اس نے اذان دی۔ پھر اقامت کہی آپ ﷺ نے نماز عصر ادا کی۔ پہلی نماز مغرب کو کالعدم قرار دے کر۔ پھر نماز مغرب کا اعادہ کیا (سنن کبریٰ بیہقی ۲: ۲۲۰، مسند احمد ۴: ۸۸، بحوالہ اعلاء السنن ۷: ۱۴۵، نصب الراية ۲: ۱۶۳، رواہ الطبرانی فی الکبیر ۴: ۲۳، حدیث نمبر ۳۵۴۲، مجمع الزوائد ۱: ۳۲۴)

فائدہ: ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ فوت شدہ نماز اور وقتیہ نماز کے درمیان ترتیب ضروری ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے نماز دہرانے کا حکم دیا ہے۔ اور خود آپ نے فوت شدہ نماز بھول کر وقتیہ ادا کرنے کی صورت میں وقتیہ نماز کا اعادہ کیا ہے۔

مسائل متفرقہ

قربانی کے ایام

عید الاضحیٰ کے موقع پر جو قربانی کی جاتی ہے جمہور امت کے نزدیک اسکے دن متعین ہیں انہیں متعینہ دنوں میں قربانی کی جاتی ہے۔

غیر مقلدین :- ان کے نزدیک قربانی کے دن چار ہیں۔ وہ ہیں دسویں، گیارہویں، بارہویں، اور تیرہویں ذی الحجہ۔
جمہور امت :- ان کے نزدیک قربانی کے دن تین ہیں۔ وہ ہیں دسویں، گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ۔

غیر مقلدین کے دلائل

اصل میں غیر مقلدین کے پاس قربانی کے دنوں کے سلسلہ میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسکے بعد بھی دلیل کے نام پر غیر مقلدین دو قسمیں پیش کرتے ہیں (۱) قرآن مجید کی آیتوں سے قیاس (۲) روایات غیر صحیحہ و صریحہ
(۱) **قرآن مجید کی آیتوں سے قیاس** :- غیر مقلدین کے نزدیک صرف قرآن کریم یا احادیث حجت ہیں۔ اور قیاس (رائے) انکے نزدیک حجت نہیں ہے۔ مزید یہ کہ قیاس یا رائے کے متعلق غیر مقلدین کا موقف ہے کہ (۱) قیاس شیطان کا کام ہے (۲) رائے سے جو بات کہی جائے اس پر پیشاب کر دو۔ اسکے بعد بھی غیر مقلدین قیاس کرتے ہیں۔ گویا ان کا موقف جھوٹ یا دھوکہ پڑتی ہے۔

قربانی کے چار دن کے سلسلہ میں غیر مقلدین قرآن کریم کی دو آیات کے دو الفاظ سے قیاس کرتے ہیں۔

(۱) ایام معدودات (۲) ایام معلومات۔

آیت **وَادْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ** سے قیاس :- **وَادْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ**

فَلَا اِنَّكُمْ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِنَّكُمْ عَلَيْهِ لَمَنِ التَّقَىٰ، تَوَاتَّفُوا لِلَّهِ وَاعْلَمُوا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُونَ.

ترجمہ: اور اللہ کا ذکر کرو گنتی کے چند دنوں میں پھر کوئی جلد ہی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو کوئی رہ گیا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک تم سب اسی کے پاس جمع ہوں گے۔

(سورہ بقرہ آیت-۲۰۳، پارہ ۲)

غیر مقلدین ”وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ يَعْنِي اللّٰهَ كَاذْكُرُوْا“ سے قربانی مراد لیتے ہیں اور اپنے اس قیاس پر کوئی حدیث نہیں پیش کرتے ان کا یہ قیاس تفسیر بالرائے کے مانند ہے جو کہ حرام ہے۔ حالاں کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ اَيَّامٌ مَّعْدُودَاتٍ یعنی ایام تشریق (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۲)۔

جبکہ ایام تشریق پانچ دن ہیں نویں ذی الحجہ سے تیرھویں ذی الحجہ تک۔ اسلئے اس قیاس پر بھی کہ ایام تشریق ایام قربانی ہیں غیر مقلدین کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ قربانی چار دن کہتے ہیں اور ایام تشریق پانچ دن ہیں۔ ”لَيَسْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ“ سے قیاس:- غیر مقلدین اپنے استدلال میں درج ذیل آیت بھی پیش کرتے ہیں۔

لَيَسْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ۔ **ترجمہ:** تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کیلئے حاضر ہوں۔ اور قربانی کے ایام معلوم میں چہار پایاں مویشی کے ذبح کے وقت جو خدا نے ان کو دیئے ہیں ان پر خدا کا نام لیں۔ اس میں سے تم خود بھی کھاؤ اور فقیر در ماندہ کو بھی کھاؤ۔ (سورہ حج آیت ۲۸) غیر مقلدین یہاں اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ کو قربانی کے ایام پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری میں ہے ”وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ اَيَّامُ الْعُسْرِ۔ یعنی اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ دس دن ہیں“ (صحیح بخاری باب فضل العمل فی ایام التشریق ج ۱ ص ۱۳۲)۔

معلوم ہوا کہ ایام معلومات یکم ذی الحجہ سے دس ذی الحجہ تک ہیں۔ جبکہ غیر مقلدین قربانی کے چار دن کہتے ہیں گویا یہ بھی ان کا قیاس غلط ہے۔ دراصل یہاں ذکر سے مراد تکبیرات ہیں۔

(صحیح بخاری باب فضل العمل فی ایام التشریق ج ۱ ص ۱۳۲)

غیر مقلدین کا ایک فرقہ منکر حدیث (جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے) ان آیات سے بیس یا اکیس دن یا پورا مہینہ قربانی کا قائل ہے۔

غیر مقلدین کا وطیرہ ہے کہ اپنی بات کو کہیں قرآن کے نام سے پیش کرتے ہیں اور کہیں حدیث کے نام سے۔ جسے کہا جاتا ہے ”بات اپنی نام قرآن کا“ اور ”بات اپنی نام حدیث کا“

تو معلوم ہوا کہ یہ غیر مقلدین کا اپنا قیاس ہے جس کا حقیقت (قربانی) سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس لئے ”قربانی کے چار دن ہیں“ کے استدلال میں غیر مقلدین کا یہ قیاس غلط ناقابل قبول ہے۔

(۲) روایات غیر صریحہ اور صریحہ :- ● حَدَّثَنَا هَنَادُنَاوَكِيْعٌ عَنْ مُوسَى بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمُ عَرَفَةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ عِنْدَنَا أَهْلُ الْإِسْلَامِ وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلِ وَشُرْبٍ - ترجمہ :- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یوم عرفہ اور یوم نحر اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید ہے اور وہ کھانے اور پینے کے دن ہیں۔ (ترمذی باب ما جاء فی کراہیۃ صوم ایام التشریق ج ۱ ص ۱۶۰)

اس روایت سے غیر مقلدین کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ

(۱) اس حدیث میں قربانی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ لیکن غیر مقلدین ”ایام اکلی وشرب یعنی کھانے پینے کے دن“ پر ایام قربانی کو قیاس ہے۔ جبکہ اس روایت سے قربانی کے ایام کی دلیل میں قیاس غلط ہے۔

(۲) امام ترمذی نے اگلا جملہ ترمذی میں یہ نقل فرمایا ہے ”وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَكُونُ صِيَامَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ترجمہ :- اہل علم کا اس (حدیث) پر عمل ہے کہ وہ ایام تشریق میں روزہ رکھنا مکروہ سمجھتے ہیں (ترمذی باب ما جاء فی کراہیۃ صوم ایام التشریق ج ۱ ص ۱۶۰)۔ امام ترمذی صراحتاً ایام اکل وشرب سے افطار (روزہ نہ رکھنا) مراد لیتے ہیں۔ اگر غیر مقلدین جمہور کے خلاف اس روایت کو قربانی پر محمول کرنے پر بضد ہوں تو پہلے اپنے چار دن کی قربانی کے دعویٰ سے دستبردار ہو جائیں کیوں کہ اس روایت میں صریحاً پانچ روز یعنی یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ، یوم النحر) (دسویں ذی الحجہ) اور ایام تشریق (گیارہویں، بارہویں، اور تیرہویں ذی الحجہ کا بھی) حکم ہے۔ اگر غیر مقلدین یوم عرفہ کو ایام اکل وشرب کے صریح حکم سے خارج کرتے ہیں تو ان کا یہ فعل اپنے قیاس غلط کو حدیث پر ترجیح دینا ہے۔

استدلال پر اعتراض :-

موسیٰ بن علی :- موسیٰ بن علی کے متعلق ساجی نے یحییٰ ابن معین کا یہ قول نقل کیا ہے ”لیس بالقوی“ کہ یہ قوی نہیں ہیں، اور ابن عبد البر نے کہا کہ جب یہ روایت کرنے میں منفرد ہوں تو قوی نہیں ہیں۔

اگر غیر مقلدین دلیل میں دوسری غیر صریح روایات بھی پیش کرتے ہیں تو انکی حیثیت بطور استدلال قیاس کی ہے

جس سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

● عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ : أَيَّامُ التَّشْرِيقِ كُلُّهَا أَيَّامٌ ذَبْحٌ، پورے ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔ (مسند احمد، ابن حبان، مسند بزار، بیہقی فی المعرفہ، سنن داقطنی، بحوالہ نصب الراية ج ۴، ص ۲۱۳)

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ علامہ ناصر الدین البانی نے کہا ہے کہ ”یہ حدیث اسناد کے تمام طریقوں سے میرے نزدیک صحیح ہے۔“ یعنی اس حدیث کو اصول حدیث سے صحیح ثابت کرنے کے بجائے ناصر الدین البانی کے قول سے ثابت کرتے ہیں۔ ویسے شیخ البانی کی تحقیق کا درجہ کیا ہے؟ یہ بات جاننے کیلئے محدث جلیل ابوالماثر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی کی کتاب ”الْبَانِيُّ شَذُوذُهُ وَآخِطَاةُ يَعْنِي الْبَانِي، ان کی شذوذ اور غلطیاں“ کا مطالعہ کیجئے۔ شیخ البانی کا کہنا ہے کہ یہ

حدیث اسناد کے تمام طریقوں سے میرے نزدیک صحیح ہے۔

ابن قیمؒ نے علت کو پیش کرتے ہوئے اس روایت پر کلام کیا ہے چنانچہ علامہ ابن قیمؒ کی کتاب ”الہدیٰ“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جبیر ابن مطعم کے طریق سے جو حدیث ہے وہ منقطع ہے کیونکہ ابن ابی حسین کی جبیر ابن مطعم سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ اور کہا کہ اس کی اصل ثابت نہیں ہے اور علامہ شوکانیؒ ”النیل“ میں اسی بات کو قبول کرتے ہیں (ج ۴ ص ۳۵۸)۔ بیہقی نے عن سلیمان بن موسیٰ عن جبیر بن مطعم کے طریق سے روایت کی ہے اور کہا کہ سلیمان بن موسیٰ کی اور جبیر بن مطعم کی ملاقات نہیں ہے۔ ابن عدی نے الکامل میں عن معاویہ بن یحییٰ الصدفی عن الزہری عن ابن المسیب عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ کے طریق سے پیش کی ہے ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں کہا ہے کہ اس سند کے ساتھ یہ حدیث موضوع ہے۔ اور دیگر طریق سے روایات کے راویوں پر بھی کلام ہے۔

غرض مسند احمد کی مذکورہ روایت میں تین علتیں ہیں

(۱) وہ منقطع ہے (۲) غیر محفوظ ہے (۳) غیر صحیح ہے

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اعلیٰ السنن ج ۷ ص ۲۳۰..... ۲۳۶)

غرض غیر مقلدین کے پاس ایک بھی دلیل نہیں ہے نہ قرآن کریم سے اور نہ احادیث صحیحہ سے، اسلئے ”قربانی کے دن چار ہیں“ یہ دعویٰ رد ہے۔

جمہور کے دلائل

قربانی کے ایام تین دن (دسویں، گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ) ہیں اس پر اجماع ہے۔ اس کے خلاف نہ حضور اکرم ﷺ کے کسی فعل سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ و کبار تابعین (جو حضورؐ کے زمانے میں پیدا ہوئے) سے اس کے خلاف سنا گیا۔ خود غیر مقلدین بھی ان تین دنوں کے قائل ہیں ایک دن کے اضافہ کے ساتھ۔ اسلئے تین دن میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے پھر بھی استحساناً تین دن کی روایات ملاحظہ ہوں۔

● عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ۖ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: أَلَا ضَحَّى، يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْأَضْحَى. مَا لَكَ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كَانَ يَقُولُ مِثْلَ ذَلِكَ. ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ”قربانی، یوم الاضحیٰ اور اسکے بعد دو دن ہے اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ ان تک اسی کے مثل حضرت علیؓ سے بھی روایت پہنچی ہے۔“

(موطا امام مالک ص ۱۸۸، ۱۸۹، سنن کبریٰ بیہقی ۲۹۷۹)

اس روایت کی سند اصح الاسانید ہے۔

اگرچہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔ ہدایہ میں ہے: حضرات صحابہ کرامؓ

اجمعین نے یہ بات کہ ایام اضحیہ تین دن ہیں۔ حضور اکرم ﷺ سے سن کر ہی کہا ہے کیونکہ مقادیر شرعی میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ (ہدایہ علی فتح القدر ج ۸ ص ۴۳۲)

● عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَلَا ضُحَى يَوْمَ مَانَ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ. **ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ”قربانی یوم النحر اور اس کے بعد دو دن ہے“ (طحاوی فی احکام القرآن بحوالہ اعلاء السنن ص ۲۳۲ ج ۱۷) یہ سند جید ہے۔

● وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَلَا ضُحَى يَوْمِ النَّحْرِ وَيَوْمَ مَانَ بَعْدَهُ. **ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ”قربانی یوم النحر اور اس کے بعد دو دن ہے۔“ (بحوالہ المحلی ص ۷۷ ج ۷) (ابن ابی لیلیٰ بحوالہ اعلاء السنن ص ۲۳۲ ج ۱۷) یہ سند صحیح ہے۔

جائزہ: غیر مقلدین کے پاس چار دن کی قربانی کی حجت میں شرط کے مطابق کوئی دلیل نہیں ہے۔ ”قربانی کے ایام تین دن ہیں“، جمہور امت کے پاس اسکی دلیل میں اصح الاسانید سے حضرت ابن عمرؓ، سند جید سے حضرت ابن عباسؓ، سند صحیح سے حضرت انسؓ اور سند حسن سے حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمرؓ سے اقوال منقول ہیں جو مرفوع کے حکم میں ہیں۔

ان دلائل سے ”قربانی کے ایام تین دن ہیں“ ثابت ہوتا ہے۔

دعویٰ اتحاد کا اور عمل اختلاف کا

غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید چھوڑ دیں اور سب غیر مقلد بن جائیں تو اختلاف ختم ہو جائیگا۔ لیکن ہوتا اس کے الٹا ہے۔ جمہور امت کے نزدیک قربانی کے ایام تین دن ہیں۔ اس کے بالمقابل پوری دنیا کو نکتہ اتحاد پر لانے والے مدعیوں کا عمل یکساں نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرز الگ الگ ہے۔ غیر مقلدین کا ایک فرقہ جو بے انتہا ہی گمراہ ہے۔ وہ تو قربانی کا قائل ہی نہیں ہے۔ فرقہ منکر حدیث میں سے بعض ۲۰/۲۱ دن اور بعض پورے ماہ قربانی کے قائل ہیں۔ اور فرقہ اہلحدیث چار دن کا قائل ہے۔

جو اس بات کا ثبوت ہے کہ غیر مقلدیت میں اختلاف و انتشار ہے اور تقلید میں نظم و ضبط امت ہے۔

سوالات

- (۱) قرآن کریم کی صریح آیت پیش کیجئے جس میں چاروں کی قربانی کا حکم ہو۔
 (۲) صرف ایک صحیح صریح حدیث پیش کیجئے جس میں چاروں کی قربانی کا ذکر ہو؟

ایک بکرایا ایک بکری پورے گھر کی طرف سے کافی نہیں

ہر صاحب نصاب پر الگ الگ قربانی واجب ہے، ایک بکرا، یا ایک بکری، یا ایک حصہ سارے گھروالوں کی طرف سے کافی نہیں ہو سکتی۔ ایک بکرایا ایک بکری صرف ایک شخص کی طرف سے ہو سکتی ہے اور بس۔ اس لئے کہ قربانی دیگر عبادات کی طرح ایک عبادت ہے۔ عبادت میں ایک آدمی دوسرے کی طرف سے قائم مقامی نہیں کر سکتا۔

(۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُضَحِّي بِكَبْشٍ أَقْرَنَ فَحِيلٌ يَنْظُرُ فِي سَوَادٍ وَيَأْكُلُ فِي سَوَادٍ وَيَمْشِي فِي سَوَادٍ **ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سینک والے موٹے تازے زردنے کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھتا (یعنی اس کی آنکھوں میں سیاہی ہوتی تھی) سیاہی میں کھاتا تھا (یعنی منہ اس کا سیاہ ہوتا تھا) اور وہ سیاہی میں چلتا تھا (یعنی اس کے گھر کالے ہوتے تھے)

(ترمذی باب ما يستحب من الاضاحی ج ۱ ص ۲۷۵، ابوداؤد ج ۱ باب ما يستحب من الاضاحی ۲ ص ۳۸۶، نسائی ج ۲ ص ۲۰۴، بن ماجہ ج ۲ ص ۲۲۶)۔

فائدہ: اسی طریقہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے دو موٹے تازے سینک والے مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ ضَحَّى ﷺ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے دو موٹے تازے سینک والے مینڈھوں کی قربانی فرمائی (صحیح بخاری باب نحر البدن قائمة ج ۱ ص ۲۳۱ صحیح مسلم باب استحباب استحسان الضحية و ذبحها الخ ج ۲ ص ۱۵۶، اللفظ، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۳۷۹)۔

(۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ ضَحَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِكَبْشٍ أَعْيَنَ أَقْرَنَ فَحِيلٍ. **ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بڑی بڑی آنکھوں والے سینگوں والے موٹے تازے زردنے کی قربانی کی۔ (مصنف عبدالرزاق باب الضحایا ج ۲ ص ۳۸۰ حدیث نمبر ۸۱۳۲)

(۳) عَنْ حَنْشٍ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهِ فَقِيلَ لَهُ قَالَ أَمَرَنِي بِهِ يَعْزِي النَّبِيُّ ﷺ فَلَا أَدْعُهُ أَبَدًا. **ترجمہ:** حضرت علی رضی اللہ عنہ دو مینڈھوں کی قربانی فرماتے

تھے۔ ایک نبی کریم ﷺ کی طرف سے اور دوسرا اپنی طرف سے۔ آپ سے اسکے بارے میں عرض کیا گیا تو فرمایا کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے اس بارے حکم فرمایا ہے اس کو میں کبھی بھی ترک نہیں کروں گا۔

(ترمذی ابواب الاضاحی، باب الاضحیۃ بکبشین ج ۱ ص ۲۷۵، ابوداؤد ج

باب الاضحیۃ عن المیت ۲ ص ۳۸۵، مصنف عبدالرزاق باب الضحایا ج ۲ ص ۳۸۱، حدیث نمبر ۸۱۳۷)۔

(۴) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالْحُدَيْبِيَّةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةِ وَالبَقَرَةَ عَنْ

سَبْعَةٍ. **ترجمہ:** حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی معیت میں حدیبیہ میں اونٹ کی سات لوگوں کی طرف سے اور گائے کی سات لوگوں کی طرف سے قربانی کی (صحیح مسلم باب جواز الاشتراک فی

الهدی و اجزاء البدنة و البقرة کل واحدة منهما عن سبعة ج ۱ ص ۴۲۲، ترمذی باب الاشتراک فی الاضحیۃ

ج ۱ ص ۲۷۶، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۲۶، نسائی ج ۲ ص ۱۸۱، ابوداؤد ج ۲ ص ۳۸۸، موطا امام مالک ص ۱۸۸، سنن کبریٰ بیہقی ۲۹۵۹)

(۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ ذَبَحَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَمْنِ اعْتَمَرَ مِنْ نِسَائِهِ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ

بَقَرَةً بَيْنَهُنَّ. **ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی

عمرہ کر نیوالی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے ذبح فرمائی۔ (ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۲۶، باب عَنْ كَمْ تُجْزَى الْبَدَنَةُ وَالبَقَرَةُ)

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی

قربانی فرمائی۔ قَالُوا أَضَحَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَزْوَاجِهِ بِالبَقَرَةِ.

(صحیح بخاری باب الاضحیۃ للمسافر و النساء ج ۲ ص ۸۳۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مکرّمات کی طرف سے قربانی فرمائی۔ عَنْ أَبِي

الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ نَحَرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ نِسَائِهِ. (صحیح مسلم باب جواز الاشتراک

فی الهدی و اجزاء البدنة و البقرة کل واحدة منهما عن سبعة ج ۱ ص ۴۲۲)۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ عَائِشَةَ بَقَرَةً يَوْمَ النَّحْرِ. یعنی آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے

گائے کی قربانی فرمائی (صحیح مسلم باب جواز الاشتراک فی الهدی و اجزاء البدنة و البقرة کل واحدة

منهما عن سبعة ج ۱ ص ۴۲۲)۔

فائدہ: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کی اجازت سے ان کی طرف سے قربانی فرمائی ہے

اسلئے کہ غیر کی طرف سے بغیر اسکی اجازت کے واجب قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ قَالَ النَّوَوِيُّ هَذَا مُحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ

ﷺ اسْتَأْذَنَهُنَّ فِي ذَلِكَ فَإِنَّ تَضَحِيَةَ الْإِنْسَانِ عَنْ غَيْرِهِ لَا تَجُوزُ إِلَّا بِإِذْنِهِ. (عمدة القاری ج ۲ ص ۱۳۷)

(۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ آتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّ عَلَى بَدَنَةً وَأَنَا مُوسِرٌ بِهَا وَلَا

اجِلْهَا فَاشْتَرِيَهَا فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَتَّاعَ سَبْعَ شِيَاةٍ فَيَذْبَحُھُنَّ. **ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ میرے ذمہ اونٹ یا گائے کی قربانی لازم ہے، مجھے اس کے خریدنے کی وسعت ہے، لیکن میں اس کو نہیں پارہا ہوں کہ اس کو خرید لوں، تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ (اس کی جگہ پر) سات بکریاں خرید کر ذبح کر ڈالیں۔

(سنن ابن ماجہ باب عَنْ كَمْ تُجْزَى الْبَدَنَةُ وَالْبَقَرَةُ ج ۲ ص ۲۲۶، رواہ احمد وابن ماجہ)
(۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نَتَمَتُّعُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَذْبَحُ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةِ وَالْجُزُورَ عَنْ سَبْعَةِ نَشْتَرِكُ فِيهَا. **ترجمہ:** حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں حج تمتع کرتے تھے تو گائے کو سات لوگوں کی طرف سے اور اونٹ کو سات لوگوں کی طرف سے ذبح کرتے تھے۔ (قربانی کرتے تھے) اس میں ہم لوگ شریک ہوتے تھے۔

(ابوداؤد باب البقر و الجزور عن كم تجزى ج ۲ ص ۳۸۸)
فائدہ: ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے قربانی الگ فرماتے تھے اور اپنی ازواج کی طرف سے قربانی الگ فرماتے تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک بکری ایک مینڈھا صرف ایک شخص کی طرف سے کافی ہو سکتا ہے اور گائے اونٹ سات لوگوں کی طرف سے کافی ہو سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے بدنہ کو سات بکریوں کے برابر قرار دیا ہے۔ اور بدنہ کو سات لوگوں کی طرف سے کافی قرار دیا ہے۔ تو ان دونوں باتوں سے صاف ثابت ہوا کہ ایک بکری ایک شخص کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے۔ اس پر اجماع منقول ہے۔ وَحَكَى فِيهِ أَيضًا أَنَّ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالشَّاةَ عَنْ وَاحِدَةٍ إجماعاً (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۱۶)

غیر مقلدین کا موقف: غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ ایک بکری اہل خانہ کی طرف سے یا ایک جماعت کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے۔ بعض روایات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے مثلاً

● عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْأَضْحَى فِي الْمُصَلَّى فَلَمَّا قَضَى خُطْبَتَهُ نَزَلَ مِنْ مَنْبَرِهِ أَتَى بِكَبْشٍ فَذَبَحَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدِهِ وَقَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ هَذَا عَنِّي وَعَمَّنْ ثُمَّ يَضْحَكُ مِنْ أُمَّتِي. **ترجمہ:** حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی معیت میں عید الاضحیٰ کے موقع پر عید گاہ میں تھا جب آپ ﷺ نے منا خطبہ پورا فرمایا۔ آپ اپنے منبر سے اترے ایک مینڈھا لایا گیا اس کی آپ ﷺ نے اپنے دست اقدس سے قربانی فرمائی اور بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر ذبح فرمایا اور فرمایا کہ یہ میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان لوگوں کی جانب سے ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے۔

(ابوداؤد باب فی الشاة یضحی بها عن جماعة ج ۲ ص ۳۸۸)

● عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ يَطَاءُ فِي سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِي سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ فَاتَى بِهِ لِيُضْحِيَ بِهِ قَالَ يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدِيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ أَخَذَهَا وَأَخَذْتُ الْكَبْشَ فَاضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحَّى بِهِ. ترجمہ:- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ایسا سینگ والا مینڈھالانے کا حکم فرمایا جو سیاہی میں چلتا ہے، سیاہی میں بیٹھتا ہے، سیاہی میں دیکھتا ہے۔ (یعنی اسکا سر، پیٹ اور آنکھ کا حلقہ سیاہ تھا) پھر فرمایا: اے عائشہ! میرے پاس چھری لاؤ پھر ارشاد فرمایا اسکو پتھر سے تیز کر دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تیز کیا۔ پھر آپ نے چھری کو اور مینڈھ سے کولیا اس کو لٹا کر ذبح کر کے فرمایا بسم اللہ اے اللہ (اسکو) محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کی طرف سے اور امت محمد ﷺ کی جانب سے قبول فرما اسکی آپ نے قربانی فرمائی۔ (تلخیص الخیر ج ۴ ص ۹۲۸۴، صحیح مسلم باب استحباب الضحیۃ و ذبحها مباشرة بلا توکیل و التسمیۃ و التكبير ج ۲ ص ۱۵۶، ابوداؤد باب مَا يَسْتَحَبُّ مِنَ الضَّحَايَا ج ۲ ص ۳۸۶، طحاوی ج ۲ ص ۳۰۲، شرح السنن ج ۳ ص ۱۹۶)

در اصل مذکورہ روایات اور ان کے ہم معنی روایات کا صحیح محمل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے آل محمد اور پوری امت کو صرف ثواب میں شریک فرمایا ہے۔ يُحْمَلُ الْحَدِيثُ عَلَى الْإِشْتِرَاكِ فِي الثَّوَابِ قِيلَ وَهُوَ الْأَوْجَهُ فِي الْحَدِيثِ عِنْدَ الْكُلِّ (فتح الودود بحوالہ بذل المجہود ج ۴ ص ۷۵، عون المعبود ج ۸ ص ۳) علامہ ربلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک بکری تو صرف ایک شخص کی طرف سے کافی ہوگی، رہا آپ ﷺ کا فرمان: اللَّهُمَّ هَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّةٍ مُحَمَّدٍ تَوْبَةٍ نَفْسِ ثَوَابٍ فِي شَرِكَةٍ بِمَحْمُولٍ هُوَ اِدَاءُ قَرْبَانِي بِرَبِّهِمْ۔ وَقَالَ الرَّمْلِيُّ فِي نَهَايَةِ الْمُحْتَاجِ (ج ۸ ص ۱۲۶) وَالشَّاءُ عَنْ وَاحِدٍ فَقَطْ وَأَمَّا خَبَرُ اللَّهِ هَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّةٍ مُحَمَّدٍ فَمَحْمُولٌ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ التَّشْرِيكَ فِي الثَّوَابِ لَا فِي الْأُضْحِيَّةِ (تكملة فتح الملہم ج ۳ ص ۵۶۴) اور ثواب میں شریک کرنے سے سب کی طرف سے وجوب ساقط نہیں ہوگا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثُمَّ الْمُشَارَكَةُ أَمَّا مَحْمُولَةٌ عَلَى الثَّوَابِ وَأَمَّا عَلَى الْحَقِيقَةِ فَيَكُونُ مِنْ خُصُوصِيَّةِ ذَلِكَ الْجَنَابِ، يَعْنِي أَنَّ قَرْبَانِي فِي امْتِ كُشْرِكٍ كَرْنَا ثَوَابٍ فِي شَرِكَةٍ كَرْنَةٍ بِمَحْمُولٍ هُوَ يَحْقِيقُ بِمَحْمُولٍ هُوَ تَوْبَةٍ أَنْخَضَتْ ﷺ كِي خُصُوصِيَّةٍ هُوَ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۵۶۸)

تہذیب میں ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض کم فہم لوگوں نے آپ ﷺ کے ارشاد گرامی: هَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ وَعَمَّنْ وَجَدَ مِنْ أُمَّتِي سے یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ نے ان کو اپنی نفس قربانی میں شریک کیا ہے۔ لہذا ایک جماعت ایک بکری میں شریک ہو سکتی ہے۔ اور اس پوری جماعت کو ایک بکری کی قربانی کافی ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو اس امت کے کسی فرد کو کسی قربانی کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور آپ ﷺ کے ارشاد گرامی: مَنْ وَجَدَ سَعَةً فَلَمْ يُضَحِّ كَا كُوِي مَطْلَبِ نَحِيں رہ جاتا ہے۔ اگر ایک بکری کی قربانی پوری جماعت کی طرف سے کفایت کر جاتی تو نہ کرنے والوں کے بارے میں کوئی وعید

نہ ارشاد فرمائی جاتی۔ اسلئے کہ آپ ﷺ نے انکی طرف سے قربانی کر دی ہے۔ (الجواز التقی علی سنن البیہقی ج ۹ ص ۲۶۵)
 علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بکری میں ایک سے زائد کی شرکت جائز نہیں ہے اس پر اجماع ہے۔ قَالَ النَّوَوِيُّ
 وَاجْمَعُوا عَلٰی اَنَّ الشَّاةَ لَا يَجُوزُ الْاِشْتِرَاكُ فِيْهَا (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۲۴)
خلاصہ :- ہر صاحب نصاب پر قربانی کرنا واجب ہے، ایک بکری یا ایک بکری ایک پورے گھروالوں کی طرف سے کافی نہیں
 ہو سکتی۔ بلکہ صرف ایک شخص کی طرف سے وجوب ساقط ہوگا۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں کا حکم

فرقہ غیر مقلدین ایک محدث (نیا) فرقہ ہے، جس کی عمر ابھی کچھ زیادہ نہیں ہے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث
 دہلویؒ اور شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کے کثیر التعداد تلامذہ و متعلقین میں سے ایک صاحب نے سب سے الگ ڈیڑھ
 انیٹ کی مسجد بنائی، اور پھر اسی ڈیڑھ اینٹ پر مزید اینٹیں بڑھتی گئیں، اس فرقہ نے چند اختلافی مسائل کو شناخت اور علامت
 بنایا۔ اور یہی طریقہ ہر اس گروہ کا رہا ہے۔ جو صراط مستقیم سے منحرف ہوا ہے۔ روافض اور خوارج سے لیکر زمانہ حال کے تمام
 فرقوں اور گروہوں پر نظر ڈال لیجئے کہ کسی کے پاس اَدْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَافَّةً (اسلام میں پورے طور سے داخل ہو جاؤ)
 کا پروگرام نہیں ملے گا، ہر ایک اپنی اپنی شناخت بنا کر اسکو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اس طرح ایک ایسا مسئلہ جو
 پورے مجموعہ اسلام کے پس منظر میں زیادہ اہمیت کا حامل نہیں رہا ہے۔ حق و باطل کا امتیاز بن جاتا ہے، اسکی ایسی مثال ہے
 ، جیسے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں قدرت نے ہر ایک کی ایک مقدار بنا دی ہے، اس مقدار میں وہ خوب صورت اور بر محل
 معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ان پانچوں انگلیوں میں سے ایک انگلی اگر گز بھر کی ہو جائے تو وہ اس شخص کی شناخت بن جائیگی، مگر
 پھو ہڑ اور بد صورت۔ آپ دیکھ لیجئے کسی نے صحابہ کرام میں چند مخصوص اصحاب کو چن کر انہیں بہت اونچا اٹھادیا، اور دوسروں کو
 گرا دیا، کہیں گناہ کبیرہ کی حیثیت کو اسکے مقام سے بلند کر کے اسے کفر کے ہم پایہ بنا کر اپنی شناخت قائم کی گئی۔ تفصیل کا موقع
 نہیں ہے۔ ورنہ ہر فرقہ کی ایک ایک شناخت دکھائی جاسکتی ہے۔ فرقہ غیر مقلدین نے بھی چند جزئی مسائل کو اپنی شناخت
 بنایا، نمازوں میں رفع یدین، آمین بالجہر، قراءۃ خلف الامام، آٹھ رکعات تراویح، ان میں سے کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس پر
 حق و باطل کا مدار ہو، مگر اس عجیب و غریب فرقہ نے ان مسائل کو انکے رتبہ سے اٹھا کر کہیں سے کہیں پہونچا دیا، اور اسکو اپنی
 شناخت بنالیا، پھر اس پردہ شور و شر مچایا، اتنے رسالے نکالے، مناظرے اور مجادلے کے وہ بازار گرم کئے کہ الامان والحفیظ۔

انہیں علاماتی مسائل میں ایک اہم مسئلہ ایک مجلس کی تین طلاقیں کا ہے، علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم علیہما الرحمة
 نے پہلی مرتبہ ایسی تین طلاقیں کو ایک قرار دیا مگر انکے علاوہ کسی عالم نے اسے تسلیم نہیں کیا، اس نومولود فرقہ کو اپنی شناخت
 کیلئے یہ مسئلہ پسند آیا۔ اور اسے پوری قوت سے اس مسئلہ کو اچھالا۔ اور دلائل کے نام سے عجیب عجیب قلابازیاں کھائیں۔

ابتداء میں غیر مقلدین خود ایک مجلس کی تین طلاقوں کے نافذ ہونے کے قائل تھے۔ چنانچہ فتاویٰ ثنائیہ میں فرقۃ الہدایت کے ایک عالم مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب دہلوی کا فتویٰ ہے جس کا اقتباس ہے ”اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلس واحد کی محدثین کے نزدیک ایک حکم میں ہیں، یہ مسلک صحابہ و تابعین و تبع تابعین وغیرہ ائمہ محدثین معتقدین کا نہیں ہے۔ یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں۔ یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی کے اخیر یا اوائل آٹھویں میں دیا تھا تو وقت کے علماء اسلام نے انکی سخت مخالفت کی تھی۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاد النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں اس فہرست میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تین طلاق کے ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا، شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ پر مصائب برپا ہوئے، انکو اونٹ پر سوار کر کے ڈرے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی، قید کئے گئے اسلئے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامت روافض کی تھی ص ۳۱۸۔ اور سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبع فاروقی دہلی ج ۲ ص ۹۸ اور التاج المکمل مصنفہ نواب صدیق حسن خاں صاحب ص ۲۸۶ میں ہے کہ امام شمس الدین ذہبیؒ باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت مخالف ہیں۔ التاج المکمل (ص ۲۸۸، ۲۸۹) ہاں تو جب کہ متاخرین علماء الہدایت نے جو عموماً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ کے معتقد ہیں، اسلئے وہ بے شک اس مسئلہ میں شیخ الاسلام سے متفق ہیں اور وہ اسی کو محدثین کا مسلک بتاتے ہیں، اور مشہور کر دیا گیا کہ یہ مذہب محدثین کا ہے اور اس کا خلاف مذہب حنفیہ کا ہے، اسلئے ہمارے اصحاب اسے فوراً تسلیم کر لیتے ہیں اور اس کے خلاف کور کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ فتویٰ یا مذہب آٹھویں صدی ہجری میں وجود میں آیا ہے.....

(بحوالہ فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۴۵، ۴۶)۔ لیکن کچھ عرصہ بعد غیر مقلدین کو جدید انکشاف ہوا کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے حکم میں آج تک جمہور امت جس پر عمل کرتے آئے ہیں اور جس پر وہ خود بھی عمل کرتے آئے ہیں وہ غلط تھا۔ صحیح وہ ہے جو سات سو سال بعد علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے اس سلسلہ میں پیش کیا (جو دراصل روافض کی علامت ہے)۔

غیر مقلدین:۔ ان کا موقف ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے تو ایک ہی واقع ہوتی ہے اور مطلقہ اس کیلئے حلال ہے رجوع کر سکتا ہے۔

جمہور امت:۔ قرآن کریم کا صریح حکم ہے ”فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ“ **ترجمہ:** پس اگر اس کو (تین) طلاق دیدے تو اس کیلئے حلال نہیں ہے اس کے بعد جب تک کہ وہ (عورت) دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے“ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰) اس آیت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے جمہور امت کا موقف درج ذیل ہے ”ایک مجلس کی تین طلاقیں بیک لفظ دی جائیں یا بالفاظ متعددہ، واقع ہو جاتی ہیں۔ اور تین طلاقوں کے بعد چاہے وہ جس طرح دی گئی ہوں رجعت کرنا شرعاً ممکن نہیں ہے۔ شریعت کا یہ وہ مسئلہ ہے جس پر اہلسنت والجماعت کے ہر

چہار امام ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کا اتفاق ہے، اور نہ صرف یہی بلکہ دیگر اکابر ائمہ فقہ و حدیث مثلاً امام اوزاعی، امام نخعی، امام ثوری، امام اسحاق، امام ابو ثور، امام بخاری کا بھی یہی قول ہے، بلکہ جمہور صحابہ و تابعین و جمہور ائمہ سلف و خلف اسی کے قائل ہیں۔“

نکتہ اختلاف:- چونکہ غیر مقلدین کا موقف قرآن کریم کے صریح حکم ”فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ تَرْجُمَهُ:- پس اگر اسکو (تین) طلاق دیدے تو اس کیلئے حلال نہیں ہے اس کے بعد جب تک کہ وہ (عورت) دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰)“ کے خلاف ہے۔ قرآن کریم تین طلاقیں دی ہوئی عورت کو طلاق دینے والے پر ”حرام“ قرار دیتا ہے اور غیر مقلدین اسے ”حلال“ قرار دیتے ہیں اس لئے انہیں اپنی دلیل میں نص صریح (قرآن کریم کی آیت) یا کم از کم احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ پیش کرنا چاہئے۔

غیر مقلدین کے دلائل

غیر مقلدین جو ایک مجلس کی تین طلاقیں کو رجعی قرار دیتے ہیں وہ دلیل میں دو روایات ذکر کرتے ہیں۔ اور دونوں عبد اللہ ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ ایک روایت مسلم شریف کے حوالے سے اور دوسری روایت مسند احمد کے حوالے سے۔ ان کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

● حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ طَاوُسٍ أَنَّ أَبَا الصَّهْبَاءِ قَالَ لَا بَنٍ عَبَّاسٍ هَاتِ مِنْ هُنَا تِكَّ أَلَمْ يَكُنِ الطَّلَاقُ الثَّلَاثَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَاحِدَةً فَقَالَ قَدْ كَانَ ذَلِكَ فَلَمَّا كَانَ فِي عَهْدِ عُمَرَ تَنَاسَلَ النَّاسُ فِي الطَّلَاقِ فَأَجَازَهُ عَلَيْهِمْ. **ترجمہ:-** ”أَبُو الصَّهْبَاءِ“ نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی میں عہد فاروقی کے ابتدا میں تین طلاق ایک تھی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں لیکن جب لوگوں نے بکثرت طلاق دینا شروع کی تو حضرت عمرؓ نے تینوں کو نافذ کر دیا۔

(صحیح مسلم باب طلاق الثلاث ج ۱ ص ۴۷۸)

استدلال پر اعتراضات:- مذکورہ روایت نہ قول رسول ہے نہ فعل رسول ہے نہ تقریر رسول ہے۔ جب کہ حدیث مرفوع کی تعریف ہے کہ ”جس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہو“۔ اس لئے مذکورہ روایت سرے سے حدیث (مرفوع) ہی نہیں ہے۔ اصول کی رو سے غیر مقلدین کو ”حلال“ کی دلیل میں احادیث صحیحہ متواترہ پیش کرنا چاہئے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی تو قابل حجت نہیں تھی کیونکہ غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول و فعل حجت نہیں ہے جب کہ یہ روایت متعدد وجوہ کی بناء پر بھی ناقابل استدلال ہے۔ کیونکہ..... (۱) یہ روایت وہم و غلط ہے چنانچہ بڑے

جلیل القدر حافظ و محدث ابن عبد البر نے فرمایا ہے **هَذِهِ السَّرِيَّةُ وَهُمْ وَغَلَطُوا** یعنی یہ روایت وہم و غلط ہے (الجواہر النقی ص ۱۱۳)..... (۲) یہ روایت شاذ و منکر ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل اور بیہقی نے یہی فرمایا ہے کہ ابن عباسؓ کے جملہ شاگرد اسکے خلاف روایت کرتے ہیں۔ (دیکھو نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۵۷ اور اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۶ اور فتح الباری ص ۲۹۱)..... (۳) علامہ ابن العربی مالکی شارح ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں کلام ہے پس وہ اجماع پر کیسے ترجیح پاسکتی ہے۔ (دیکھو فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۱)..... (۴) امام شافعی و نووی وغیرہا نے فرمایا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے (فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۱)..... (۵) اس روایت کا مدار طاؤسؓ پر ہے اور انکی نسبت علامہ ابو جعفر بن النحاس نے کتاب النسخ و المنسوخ میں لکھا ہے کہ طاؤسؓ اگرچہ مرد صالح ہیں مگر ابن عباسؓ سے انکی کئی روایتیں منکر و نامقبول ہیں..... (۶) روایت کا پورا مضمون غور سے پڑھئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے خود اسکا جواب دیدیا ہے۔ کبھی کسی وجہ سے ایسا ہوتا تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسکے خلاف پراجماع ہو گیا لہذا اب تینوں طلاقوں کے بعد رجعت جائز نہیں ہے۔..... (۷) علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ روایت مضطرب ہے (فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۲)۔ بہت زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ طاؤسؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کیا ہے اور خود ابن عباسؓ نے اسکے خلاف فتوے دیئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سنن سعید بن منصور حدیث نمبر ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶ اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو **الْأَلَا غُلَامُ الْمَرْفُوعَةِ** اور **الْأَزْهَارُ الْمَتْبُوعَةُ** مؤلف محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ روایت کسی راوی کا وہم ہے جیسا کہ ابن عبد البر کا خیال ہے یا پھر منسوخ ہے ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فتوائے نبوی ﷺ کا علم رکھتے ہوئے اسکے خلاف فتویٰ دیدیں۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ ابوالصہباءؓ (جسکی شخصیت بالکل مجہول ہے اور بالکل یقینی ہے کہ وہ صحابی نہیں ہے اس) کو تو معلوم تھا کہ عہد نبوی و عہد صدیقی میں طلاق ثلاث ایک تھی لیکن صحابہ کا جم غفیر اس حکم سے واقف نہ تھا ورنہ کیا وجہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے تینوں کو نافذ کیا اور اسکا اعلان فرمایا تو کسی صحابہ نے نہ ٹوکا۔ کسی نے مخالفت نہ کی کسی نے نہ بتایا کہ عہد صدیقی کے خلاف ہے اور اگر کسی نے مخالفت کی ہو تو کوئی صاحب ہمت کر کے ذرا ان کا نام لیں اور ثابت تو کریں۔

غرض مذکورہ روایت تین طلاق کے بعد رجعت کی دلیل میں ہرگز قابل قبول نہیں۔

● حضرت رکانہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر بہت پچھتائے آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ تم نے کیسی طلاق دی ہے انہوں نے کہا تین آپ نے پوچھا کہ ایک جلسے میں؟ کہا ہاں! آپ نے فرمایا کہ وہ ایک ہی ہے اگر تمہارا جی چاہے تو رجعت کر لو (مسند احمد) کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث حسن و صحیح دونوں طریق سے مروی ہے مگر درحقیقت یہ مغالطہ ہے حضرت رکانہ نے تین طلاق نہیں دی تھی بلکہ لفظ بتہ کیساتھ طلاق دی تھی، اور پانچ زبردست محدثوں نے طلاق بتہ والی حدیث کی تصحیح کی ہے۔ پس مسند احمد والی حدیث کیسے صحیح یا حسن ہو سکتی ہے؟ جب رکانہ کا لفظ بتہ کے ساتھ طلاق دینا محدثین کے نزدیک صحیح واقعہ ہے

تو پھر اسی واقعہ میں تین طلاق کا ہونا کون صحیح کہہ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی محدث نے مسند احمد والی حدیث کی تصحیح یا تحسین نہیں کی ہے، بلکہ محدثین نے اسکو حد درجہ کمزور بتایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا ہے وَهُوَ مَعْلُولٌ اَيْضًا یعنی مسند احمد والی حدیث بھی بہت مجروح و ضعیف ہے (ص ۳۱۹)۔ اور حافظ ذہبی نے بھی اسکو داؤد بن الحصین کے مناکیر میں شمار کیا ہے۔ پس اس حالت میں اگر اسکی اسناد حسن یا صحیح بھی ہوں تو استدلال نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اسناد کی صحت استدلال کی صحت کو مستلزم نہیں ہے۔

بات یہ ہے کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی حدیث کی اسناد بہت ٹھیک ہوتی ہے لیکن اسکے مضمون میں کوئی ایسی باریک علت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نامقبول ہو جاتی ہے ایسی حدیث کو اصطلاح میں معلول کہتے ہیں، لہذا اسناد کے رجال کے ساتھ ایک محدث کی نظر اس پر بھی ہونی چاہئے کہ مضمون حدیث میں کوئی علت خفیہ تو نہیں ہے لیکن نہ ہر شخص کو یہ سلیقہ ہوتا ہے نہ ہر شخص اس کا لحاظ ہی کرتا ہے۔ بہر حال مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ علامہ ابن القیمؒ نے صرف اسکی اسناد دیکھی اور یہ دیکھا کہ یہی سند ایک دوسری حدیث کی بھی ہے اور اس جگہ اس سند کو امام احمد نے صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے، لہذا یہ سند بھی صحیح ہے اور جب سند صحیح ہے تو یہ حدیث حجت ہے لیکن علامہ ابن القیمؒ نے یہ خیال نہ کیا کہ صرف اسناد کے صحیح ہونے سے کام نہ چلے گا بلکہ متن کا بھی علت سے خالی ہونا ضروری ہے اور یہ بھی نہ سوچا کہ جہاں پر اس اسناد کو امام احمد نے صحیح کہا ہے وہاں متن میں کوئی خرابی نہ ہوگی اسلئے اس حدیث کو قابل عمل کہا ہے تو کچھ ضروری نہیں کہ ہر حدیث جو اس اسناد سے مروی ہو قابل عمل ہو جائے۔ یہ اصول حدیث کا ایسا بدیہی اور مشہور مسئلہ ہے کہ اس کیلئے کسی خاص حوالہ کی ضرورت نہیں۔ صرف اسناد کی صحت استدلال کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ متن کا بھی علت سے خالی ہونا ضروری ہے۔ پس اگر اس حدیث کی اسناد صحیح بھی ہوں تو چونکہ حافظ ابن حجر نے اس کو معلول کہا ہے اس لئے اس سے استدلال جائز نہیں ہو سکتا۔

یہ سب اس وقت ہے جب کہ حدیث کی اسناد کو صحیح یا حسن تسلیم کر لیا جائے لیکن ابھی اسی میں بہت گفتگو ہیکہ اسناد بھی صحیح ہے یا نہیں رجال اسناد میں محمد بن اسحاق واقع ہیں ان میں بہت زیادہ کلام ہے اور محدثین نے نہایت سخت سخت جرحیں ان پر کی ہیں۔ حافظ ذہبی نے انکی جرح و تعدیل کے اقوال ذکر کر کے اپنا فیصلہ یہ لکھا ہے کہ ”انکے حافظہ میں کچھ خرابی ضرور ہے، اور یہ کہ جس چیز کے روایت کرنے میں وہ تنہا ہوں وہ منکر ہے“ دوسرے راوی اس اسناد کے داؤد بن الحصین ہیں ان میں بھی بہت زیادہ کلام ہے اور محدثین کی ان پر مختلف جرحیں ہیں اگر ان سب جرحوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو کم از کم اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ انکی وہ روایتیں جو عکرمہ سے لاتے ہیں منکر ہوتی ہیں۔ امام بخاری کے استاد علی بن المدینی نے فرمایا ہے مَا رَوَاهُ عَنْ عِكْرِمَةَ فَمُنْكَرٌ یعنی انہوں نے عکرمہ سے جو روایتیں کی ہیں وہ منکر ہیں۔ اور امام ابو داؤد صاحب سنن کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ انکی اور حدیثیں تو ٹھیک ہیں لیکن عکرمہ سے جو روایتیں لاتے ہیں وہ منکر ہوتی ہیں (دیکھو میزان ذہبی)۔ اور مسند احمد والی حدیث داؤد نے عکرمہ ہی سے سنی اور بیان کی ہے، لہذا امام بخاری کے استاد اور ابو داؤد کے

فیصلہ کے مطابق بھی یہ منکر ہے۔ اور غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ انکی دلیل صرف صحیح احادیث ہوتی ہیں اسلئے یہ حدیث انکی دلیل نہیں ہو سکتی۔

آثار :- غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول و فعل حجت نہیں ہے اسلئے دلیل میں وہ آثار پیش کر سکتے ہی نہیں۔ اگر وہ حجت میں آثار پیش کرتے ہیں تو قابل قبول نہیں۔

چونکہ غیر مقلدین کے پاس دلائل نہیں ہیں اور وہ خود اپنے مسلک کی کمزوری محسوس کرتے ہیں اسلئے اس پر پردہ ڈالنے کیلئے غلط بیانیوں سے کام لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، اور زبیرؓ، اور جابرؓ، اور دیگر بڑے بڑے صحابہ کرام یہی فرماتے ہیں (یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک کہتے ہیں) جب کہ مخالفین کے امام جنکے انکشاف کی یہ تقلید کر رہے ہیں یعنی علامہ ابن قیمؒ نے اِغَاثَةُ اللُّهُفَانِ میں نہایت صفائی کیساتھ یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سوا اور کسی صحابی سے اس قول کی نقل صحیح ہم کو معلوم نہیں ہوئی اسوجہ سے ہم نے اسکو اختلاف کی وجہوں میں شمار نہیں کیا۔ (اغاثۃ ص ۱۷۹) (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اَلْاَعْلَامُ الْمَرْفُوعَةُ) دوسری غلط بیانی یہ کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہی مذہب ہے۔ جب کہ علامہ ابن قیمؒ خود اقرار کرتے ہیں اور تحقیق کہ حضرت ابن مسعودؓ علیؓ و ابن عباسؓ سے اکٹھی تین طلاقوں کا لازم کرنا بے شک و شبہ ثابت ہے (اغاثۃ ص ۱۷۹)۔

غرض اپنی دلیل میں غیر مقلدین جتنی روایات پیش کرتے ہیں وہ قابل حجت نہیں ہیں۔

جمہور کے دلائل

قرآن کریم کا صریح حکم ہے ”فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدِ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ تَرْجُمَہ:۔ پس اگر اس کو (تین) طلاق دیدے تو اس کیلئے حلال نہیں ہے“ کے بعد جب تک کہ وہ (عورت) دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے“ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰)۔

آیت میں مطلق حکم ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے۔ لیکن غیر مقلدین ایک مجلس کی بحث نکال کر اس آیت کی تخصیص کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ قرآن کریم کا یہ صریح حکم ایسا اجماعی ہے کہ اس کی تخصیص کسی نے نہیں کی۔ جب کہ شوافع کے نزدیک قرآن کریم کی آیت کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے۔ لیکن جو روایات تخصیص کیلئے پیش کی جاتی ہیں وہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ان سے تخصیص کی جائے۔ اس لئے غیر مقلدین کا موقف اس آیت کے خلاف ہے جس کی وجہ سے ان کا کہنا کہ مطلقہ حلال ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

● حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا عَلِيُّ ابْنُ مُسْهَرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَهَا رَجُلٌ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا فَارَادَ زَوْجَهَا الْأَوَّلُ أَنْ

يَتَزَوَّجَهَا فُسَيْلَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ لَا حَتَّى يَذُوقَ الْآخِرَ مِنْ عُسَيْلَتِهَا مَا ذَاقَ الْأَوَّلَ - ترجمہ: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی اسنے دوسرے سے نکاح کر لیا دوسرے شوہر نے قبل خلوت کے طلاق دیدی آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ اب پہلے کیلئے حلال ہوگی یا نہیں، فرمایا نہیں تاوقتیکہ دوسرا شوہر پہلے کی طرح لطف اندوز صحبت نہ ہو پہلے کیلئے حلال نہیں ہو سکتی۔ (صحیح بخاری باب من اجازا لطلاق الثلاث ج ۲ ص ۹۱، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۳) امام بخاری اس حدیث کو باب من اجازا لطلاق الثلاث کے تحت لائے ہیں یعنی تین طلاق کے ایک ساتھ واقع ہونے کی دلیل میں لائے ہیں۔

● ابن ابی شیبہ بیہقی اور دارقطنی نے حضرت ابن عمرؓ کے طلاق کے مشہور قصہ میں روایت کیا ہے۔ فَقُلْتُ (الْقَائِلُ ابْنُ عُمَرَ) يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرَأَيْتَ لَوْ أَنِّي طَلَقْتُهَا ثَلَاثًا كَانَ يَحِلُّ لِي أَنْ أُرْجِعَهَا قَالَ لَا كَانَتْ تَبِينُ مِنْكَ وَتَكُونُ مَعْصِيَةً یعنی ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فرمائیے، اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو میرے لئے رجعت کرنا حلال ہوتا یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں، وہ تم سے بائند ہو جاتی اور ایسا کرنا گناہ ہوتا، سنن دارقطنی میں اس کی اسناد یوں ہے حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ عَبْدِ الْحَافِظِ نَا مُحَمَّدُ بْنُ شَاذَانَ الْجَوْهَرِيُّ نَا مُعَلَّى بْنُ مَنصُورٍ نَا شُعَيْبُ بْنُ رُزَيْقٍ أَنَّ عَطَاءَ الْخُرَّاسَانِيَّ حَدَّثَهُ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ۔ حدیث مذکور کی اسناد قوی ہیں اور اس حدیث سے حجت صحیح ہے۔ (بعض لوگوں نے اسکی اسناد میں جو کلام کیا ہے نہایت لغو اور اصول محدثین سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوا الاعلام المرفوعہ ص ۱۱..... ۱۷)۔

● امام شافعی ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وابن حبان وحاکم ودارقطنی وغیرہ نے حضرت رکانہ سے روایت کیا ہے أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَا أَرَدْتُ قَالَ وَاحِدَةً قَالَ اللَّهُ قَالَ اللَّهُ قَالَ اللَّهُ قَالَ هُوَ عَلَى مَا أَرَدْتُ یعنی حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو بتہ کے ساتھ طلاق دی اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے پوچھا کہ اس لفظ سے تم نے کیا ارادہ کیا ہے انہوں نے کہا ایک طلاق کا آپ نے کہا بخدا؟ انہوں نے کہا بخدا! آپ نے فرمایا کہ جو تم نے ارادہ کیا وہی ہے، اس حدیث کے دوسرے طریق میں ہے کہ آپ نے ان سے تین بار قسم لی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ ورنہ رکانہ سے بار بار قسم دے کر یہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی کہ اللَّهُ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً خدا کی قسم کھا کر کہو کہ ایک کے سوا اور کچھ ارادہ نہیں کیا ہے۔ یہ سوال تو جب ہی درست ہو سکتا ہے جب ایک کا ارادہ کرنے سے ایک اور تین کا ارادہ کرنے سے تین واقع ہوں۔ اور اگر دونوں صورتوں میں ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہو تو ایک اور تین میں سے ایک کی تعیین کرنا بے معنی بات ہوگی (اور حضور ﷺ کے تعلق سے بے معنی سوال کا تصور فضول ہے)۔

ابوداؤد نے اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا هَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ (یعنی یہ حدیث ابن جریج کی

حدیث سے اصح ہے)۔ اور دارقطنی نے اس کو ذکر کر کے لکھا ہے قَالَ أَبُو دَاوُدَ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ (یعنی ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے)۔ اور ابن ماجہ نے ص ۱۴۹ میں اس کو ذکر کر کے لکھا ہے سَمِعْتُ أَبَا الْحَسَنِ عَلِيَّ بْنَ مُحَمَّدٍ الطَّنَافُسِيَّ يَقُولُ مَا أَشْرَفَ هَذَا الْحَدِيثُ (یعنی میں نے اپنے استاذ طنافسی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ حدیث کتنی شریف و بہتر ہے)۔ اور حافظ ابن حجر نے تلخیص ص ۳۱۹ میں لکھا ہے صَحَّحَهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ (یعنی اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے)۔ ابوداؤد و ابن ماجہ و دارقطنی میں اس حدیث کی مشترک اسنادیوں ہے جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَّانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ مِنْ أَصْحَابِ صَاحِبِ سِتِّهِ فِي حِجَّتِ الْبَارِي (مقدمہ فتح الباری)۔ زبیر بن سعید کی ابن معین نے توثیق کی ہے، ہاں نسائی نے ان کی تضعیف کی ہے۔ مگر اولاً تو ان کی جرح مبہم ہے۔ دوسرے وہ متعنت (متشدد) ہیں لہذا ان کی تضعیف نامعتبر ہے۔ (حضرت رکانہ کے واقعہ طلاق سے متعلق ایک دوسری روایت جو مسند احمد میں ہے اس کی سند ضعیف و مجروح ہے اور روایت مرجوح ہے)۔

● دارقطنی نے بروایت عائشہ صدیقہ مرفوعاً ذکر کیا ہے قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَةً ثَلَاثًا فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ وَيَذُوقُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا غُسْلَةَ الْآخِرِ (ص ۴۳۸) یعنی جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو جب تک وہ عورت کسی دوسرے سے نکاح کر کے ہم صحبت نہ ہو لے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث کی اسنادیوں ہے حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ الْعَلَاءِ نَا أَبُو عُيَيْدَةَ بْنُ أَبِي السَّفَرِ نَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ زَائِدَةَ بْنِ قَدَامَةَ عَنْ عَلِيٍّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أُمِّ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ۔

بعض لوگوں نے علی بن زید میں کلام کیا ہے مھر۔ وہ مسلم و سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں۔ اور ترمذی نے ان کو صدوق (بہت راست گو) کہا ہے۔ اور ان کی حدیث کی ایک جگہ تصحیح اور دوسری جگہ تحسین کی ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ اور دارقطنی نے کہا ہے کہ وہ متروک نہیں ہے ہاں کچھ نرمی ان میں ہے۔ بہر حال ان کی حدیث اگر صحیح نہیں تو حسن ضرور ہے۔ اور حدیث حسن بھی حجت ہو سکتی ہے۔

● دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن بن علی نے اپنی بیوی عائشہ ثعمیہ کو اس لفظ سے طلاق دی۔ إِذْهَبِي فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا یعنی تو چلی جا تجھ کو تین طلاق ہے۔ عائشہ چلی گئیں بعد میں جب حضرت حسن کو معلوم ہوا کہ عائشہ کو جدائی کا بڑا رنج ہے تو روئے اور فرمایا لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ أَوْ حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ جَدِّي يَقُولُ أَيَّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَةً ثَلَاثًا نَأْمِيَهُمْ أَوْ ثَلَاثًا عِنْدَ الْأَقْرَاءِ لَمْ تَحِلَّ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ لَرَأَيْتُهَا (ص ۴۳۷)۔ یعنی اگر میں نے اپنے جد امجد حضور ﷺ سے نہ سنا ہوتا یا یوں فرمایا کہ اگر میں نے اپنے والد سے اور انہوں نے میرے جد امجد آنحضرت ﷺ سے نہ سنا ہوتا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین مبہم (یعنی بیک لفظ) طلاق دیدے یا تین طہروں میں تین طلاقیں دے تو جب تک

وہ عورت دوسرے سے نکاح نہ کر لے پہلے کے لئے حلال نہیں ہو سکتی تو میں عائشہ سے رجعت کر لیتا۔
یہ حدیث حسن سے کم نہیں ہے لہذا یہ بھی حجت ہو سکتی ہے خصوصاً جب کہ سنن دارقطنی میں یہ حدیث ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے جس سے اس کی تائید و متابعت حاصل ہوتی ہے۔

● دارقطنی میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ طَلَّقَ فِي بَدْءِ عَةٍ وَاحِدَةٍ أَوْ ثِنْتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا أَلْزَمْنَاهُ بَدْءَ عَتِهِ. یعنی جو شخص بدعی طریقے پر طلاق دے گا چاہے ایک طلاق (مثلاً بحالت حیض) دے یا دو تین طلاق بیک لفظ دے تو ہم اس کی بدعت اس کے ساتھ لازم کر دیں گے۔ یعنی ان سب صورتوں میں طلاق واقع ہو جائیگی۔
اس حدیث کی اسناد میں اسماعیل بن امیہ واقع ہوئے ہیں۔ یہ اسماعیل بن امیہ دارع بصری ہیں۔ اور انکو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ بعض حضرات نے انکو اسماعیل بن امیہ قرشی یا کوئی سمجھ کر کلام کر دیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بہر حال یہ حدیث بھی قابل احتجاج ہے۔ اور اس کی مؤید ایک دوسری حدیث ہے جو سنن دارقطنی میں بروایت علیؓ مروی ہے اس کی اسناد ضعیف ہے۔ لیکن جو حدیث کسی دوسری حدیث کی تائید کے لئے پیش کی جائے وہ اگر ضعیف بھی ہو تو کچھ حرج نہیں۔
● دارقطنی و مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دے ڈالیں اس کے لڑکوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا اور پوچھا کہ اب کوئی مخلص ہے یا نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ اللہ سے ڈرتا ہوتا تو اللہ اس کے لئے کوئی مخلص نکالتا۔ (جاؤ) اس کی بیوی تین طلاقیں سے بائہ ہو گئی اور نو سو ستانوے طلاقیں کا گناہ تمہارے باپ کے گردن پر رہا۔

دوسری اسناد اس حدیث کی یوں ہے عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ الْوَلَيْدِ الْوَصَّافِيُّ عَنْ دَاوُدَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ
یہ حدیث بطور تائید کے ہے اس لئے اگر ضعیف بھی ہو تو مضر نہیں۔

● عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قُلْتُ لِفَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ حَدَّثَنِي عَنْ طَلْقِكَ قَالَتْ طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا وَهُوَ خَارَجَ إِلَى الْيَمَنِ فَأَجَازَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَرْجُمَهُ: شعبی کہتے ہیں میں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا کہ مجھ سے اپنے طلاق کا قصہ بیان کیجئے انہوں نے کہا میرے شوہر یمن گئے ہوئے تھے وہیں سے انہوں نے مجھ کو تین طلاقیں بھیج دیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان تینوں طلاقیں کے واقع ہو جانے کا فتویٰ دیا۔

(ابن ماجہ باب مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ ۱۴۷)

اس روایت کو ابن ماجہ نے ”بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ“ یعنی یہ باب ہے اس شخص کے بارے میں جس نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں، اس روایت کے علاوہ صحاح و خارج صحاح کی متعدد روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فاطمہ کو ان کے شوہر نے تین طلاقیں ایک ہی وقت میں دی تھیں۔

وقوع ثلاث پر صحابہ کرام کا اجماع

فتح القدیر میں ہے کہ تین طلاقیں واقع ہونیکا حکم اجماعی اور حق ہے، لہذا اسکے خلاف کرنے میں سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں، اگر کوئی قاضی شرع اس کے خلاف فتویٰ دے تو معتبر نہیں، مرد و دو باطل ہے کیونکہ تین طلاقیں واقع ہو جانے کا مسئلہ اجتہادی نہیں اجماعی ہے (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۰)۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، پس رائج دونوں مقام میں (یعنی بحث متعہ اور طلاق میں) متعہ کی حرمت اور تین طلاقیں کا وقوع اس اجماع کی وجہ سے جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں منعقد ہوا اور کسی کو یاد نہیں کہ ان میں سے کسی مسئلہ میں کسی نے انکے زمانہ میں مخالفت کی ہو صحابہ کا اجماع دلالت کرتا ہے کہ ضرور کوئی ناسخ تھا جو اس سے پہلے اگرچہ بعض لوگوں پر مخفی رہا ہو لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں سب پر ظاہر ہو گیا پس اس اجماع کے بعد جو مخالفت کرے وہ اجماع کا مخالف ہے اور اتفاق کے بعد اختلاف پیدا کرنے والے کا جمہور قطعاً اعتبار نہیں کرتے۔

لمحہ فکر یہ

فرقہ اہل حدیث کی قسموں میں سے ایک قسم طلاق اہل حدیث بھی ہے۔ کہ عورت کو تین طلاق دیدیا اور صرف اس عورت کو رکھنے کیلئے اپنا مسلک تبدیل کر کے اہل حدیث بن گئے۔ معاشرے میں اس قسم کے کچھ واقعات رونما ہوئے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم کی رو سے تین طلاق دینے کے بعد عورت حرام ہوگئی، بغیر شرعی حلالہ کے اس کیلئے حلال نہیں ہوگی۔ لیکن فرقہ اہل حدیث کے پاس سے فتویٰ لے آتے ہیں اور عورت ایسے ہی رکھ لیتے ہیں، اور زندگی بھر حرام کاری کرتے ہیں۔ اولاد بھی حرام کی پیدا ہوتی ہیں۔ اس طرح معاشرہ کو خراب کرتے رہتے ہیں۔ معاشرہ کو صحت مندر کھنے کیلئے اسپر گرفت ضروری ہے۔ آخرت کے لحاظ سے بھی بڑی خرابی کا اندیشہ ہے۔

ایک بار نواب قطب الدین صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص خفی ہے اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی لیکن غیر مقلد بنکر بیوی رکھ لی اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟۔ انہوں نے اپنا سر جھکایا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا کہ مجھے اس شخص پر موت کے وقت ایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے۔ غالباً اسلئے ایسا کہا ہوگا کہ اس شخص نے عورت کیلئے حرام کو حلال کر لیا۔

وسیلہ کی حقیقت

وسل بمعنی تقرب ہے، تو سل لغت میں تقرب اور نزدیکی کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً دعا میں وسیلہ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کی رحمت کا مستحق ہے اور جو رحمت کا مستحق ہو، اس سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی باعث رحمت ہے اور

ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ پس ہم پر بھی رحمت فرما۔
توسل کے اقسام :- توسل بالخلق کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) مخلوق سے دعا اور التجاء کرنا جیسے مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے۔

(۲) مخلوق (زندہ) سے دعا کی درخواست کرنا۔ مردہ سے دعا کی درخواست کے بارے میں اختلاف ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا مقبول مخلوق کی برکت سے، اور اس کو جمہور نے جائز کہا ہے۔

غیر مقلدین کا موقف: ابن تیمیہؒ اور اس معاملہ میں ان کے متبعین غیر مقلدین اسے بھی ناجائز کہتے ہیں۔ یعنی مقبول مخلوق کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا بھی غیر مقلدین کے نزدیک جائز نہیں۔

فقہی حکم کے اعتبار سے یہ وسیلہ مباح یا مستحب ہے، فرض اور واجب نہیں۔ نہ کرنیوالوں کو ملامت نہیں کی جاسکتی، کرنے پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور، یہ کہنے کی اجازت نہیں کہ یہ سب چیزیں غلط ہیں اسکا قرآن و سنت سے ثبوت نہیں۔ توسل کی ایک خاص صورت یہ بھی ہے کہ یوں دعاء کرنا کہ یا اللہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے ہماری مراد پوری کر (اس کو توسل بالاعیان کہتے ہیں)۔ اس کو جمہور جائز کہتے ہیں۔ اور ابن تیمیہؒ منع کرتے ہیں۔

ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ توسل بالاعمال (اعمال صالحہ سے توسل) تو مطلقاً جائز ہے۔ اور توسل بالاعیان (شخصیتوں) کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ (اعیان یا شخصیات) زندہ ہیں تو اس معنی میں جائز ہے کہ ان سے دعاء کی درخواست کی جاتی ہے اور اموات (مردہ) سے ناجائز ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کہتے ہیں کہ اگر میں اس زمانہ میں ہوتا یا وہ میرے زمانہ میں ہوتے تو نہایت ادب سے عرض کرتا کہ حضرت! اس توسل بالاعمال کی حقیقت ہے کیا؟ میری سمجھ میں تو اس کی حقیقت یہ آئی ہے کہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اے اللہ فلاں عمل کے طفیل وصدقہ میں یہ کام کرا دے تو اس کے یہ معنی آتے ہیں کہ اے اللہ یہ عمل آپ کے نزدیک محبوب ہے اور آپ کا وعدہ ہے کہ آپ کے عمل سے جس کو تلبس (تعلق) ہو، اس پر خاص رحمت ہوتی ہے اور اس عمل کے ساتھ ہم کو بھی کسب وصدقہ کا تلبس (عمل کرنے کا لگاؤ) ہے۔ لہذا اس تلبس پر۔ جو رحمت کا وعدہ ہے ہم آپ سے اس رحمت کو طلب کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر کوئی تلبس بالاعیان (شخصیات) بھی کرے تو اس توسل بالاعمال اور (اس) توسل بالاعیان میں کیا فرق ہے۔ پھر خواہ وہ اعیان احیاء (زندہ) ہوں یا اموات (مردہ)۔ کیوں کہ اب توسل بالاعیان کا حاصل یہ ہوگا کہ اے اللہ یہ بزرگ زندہ یا مردہ آپ کے محبوب ہیں اور آپ کا وعدہ ہے کہ آپ کے محبوب سے جس کو تلبس ہو، اس پر رحمت ہوتی ہے اور ہم کو ان بزرگ کے ساتھ عقیدت و محبت کا تلبس ہے اسلئے ہم آپ کی اس رحمت موعودہ (جس رحمت کا وعدہ ہے) کے طلب گار ہیں۔ اب فرمائیے کہ اس میں اموات و احیاء کا کیا فرق رہ گیا۔ مجھ کو یقین ہے کہ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد ابن تیمیہؒ زندہ ہوتے تو علی لاطلاق توسل

بالاعیان الموتی کی ممانعت سے رجوع فرما لیتے۔

وسیلہ احادیث کی روشنی میں

حضرت مصعب بن سعدؓ کی حدیث میں ہے۔

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّمَا يُنْصَرُ اللَّهُ هَذِهِ الْأُمَّةُ بِضَعْفَائِهَا وَدَعْوَتِهِمْ وَإِخْلَا صِهِمْ (نسائی کتاب الجہاد: بَابُ الْإِسْتِغَاثَةِ بِالصُّعْفِ ج ۲ ص ۶۴) وَهُوَ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ بِلَفْظٍ هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضَعْفَائِكُمْ **ترجمہ:** رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جو نصرت اس امت کیساتھ ہے وہ اسکے عاجزوں (کمزوروں) اور ان کی دعا و اخلاص ہی کی بدولت ہے (تو مالدارانکے محتاج ہوئے نہ کہ اسکا الثا) اور بخاری شریف میں یہ الفاظ ہیں کہ تمہاری جو نصرت کی جاتی ہے اور تم کو جو رزق ملتا ہے وہ صرف تمہارے عاجزوں کی بدولت ہے۔

(صحیح بخاری بَابُ مَنْ اسْتَعَانَ بِالضُّعْفَاءِ ج ۱ ص ۴۰۵)

فائدہ:۔ یہ حدیث دو امر پر دلالت کرتی ہے ایک تو عاجزوں (کمزوروں) کی فضیلت پر اور دوسرے اللہ کے مقبول بندوں سے توسل (توسل بالاعیان) کا ثبوت ان کی ذات سے بھی اور انکے ظاہری و باطنی اعمال سے بھی (توسل بالاعمال)۔ چنانچہ اس مجموعہ پر الفاظ ”بِضَعْفَائِهَا وَدَعْوَتِهِمْ وَإِخْلَا صِهِمْ“ دلالت کرتے ہیں (یعنی یہ کہ عاجزوں اور ان کی دعا و اخلاص کی بدولت) لفظ عاجز ذات پر دلالت کرتا ہے اور دعاء عمل ظاہر پر، اور اخلاص عمل باطن پر۔

حضرت عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دعاء کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت پڑھے اور یہ دعاء کرے،، اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں محمد ﷺ کے وسیلہ سے،،

(سنن ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجہ ص ۱۰۰)

فائدہ:۔ اس حدیث سے صراحتاً وسیلہ (توسل بالاعیان) ثابت ہے۔

غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز ہے:۔ حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ جب لوگوں پر قحط ہوتا تو حضرت عمرؓ حضرت عباس بن عبدالمطلب سے بارش کی دعاء کراتے اور فرماتے کہ،، اے اللہ ہم آپ کے دربار میں اپنے نبی ﷺ کا توسل کیا کرتے تھے، آپ ہم کو بارش دیتے تھے اور اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر کے چچا کا توسل کرتے ہیں۔ سو ہم کو بارش دیجئے۔ چنانچہ بارش ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری بَابُ سُؤْلِ النَّاسِ الْإِمَامَ إِلَّا سِتْسَفَاءَ إِذَا قَحِطُوا ج ۱ ص ۱۳۷)

فائدہ:۔ اس حدیث سے غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز نکلا جب کہ اس کو نبی سے کوئی تعلق ہو، قرابت حسیہ کا (یعنی رشتہ داری کا) یا قرابت معنویہ کا۔ تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی۔

اور اہل فہم نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے توسل اسلئے کیا (تا کہ لوگ سمجھ لیں) کہ غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔ اسلئے نہیں کیا تھا کہ پیغمبر ﷺ کے ساتھ وفات کے بعد توسل جائز نہ تھا۔ وہ تو وفات کے بعد بھی جائز تھا لیکن لوگ یہ سمجھ لیں کہ غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔ (نبی کا توسل اس کی وفات کے بعد بھی جائز ہے اس لئے کہ صراحۃً حدیث میں موجود ہے)۔ اور چونکہ اس توسل پر (غیر نبی کے توسل پر) کسی صحابہ سے نکیر منقول نہیں اس لئے اس میں اجماع کے معنی آگئے۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد توسل کرنے کا ثبوت :- انجاء الحاجۃ میں کہا ہیکہ طبرانی نے کبیر میں عثمان بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس کسی کام کو جایا کرتا تھا اور وہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے۔ اس نے عثمان بن حنیفؓ سے کہا کہ انھوں نے فرمایا کہ تو وضو کر اور دو رکعت پڑھ اور یہ دعاء کر کہ ”اے اللہ میں آپ سے محمد ﷺ نبی رحمت کے وسیلہ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ میں محمد ﷺ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تا کہ وہ پوری ہو جائے،“۔ چنانچہ اس نے یہی کیا، اور حضرت عثمانؓ کے پاس پھر گیا تو انھوں نے بڑی تعظیم و تکریم کی اور کام پورا کر دیا۔ یہی نے اس کو دو طریق سے بیان کیا ہے۔ (طبرانی فی الکبیر، بیہقی بحوالہ انجاء الحاجۃ)

فائدہ :- اس سے وفات کے بعد بھی توسل ثابت ہوا۔ اور ثبوت بالروایۃ کے علاوہ درایۃ بھی ثابت ہے کیوں کہ اوپر جو توسل بیان کیا گیا ہے وہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے۔

توسل کا بالفعل ثبوت :- ابوالجوزاء سے روایت ہے کہ مدینہ میں سخت قحط ہوا، لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے شکایہ کی۔ آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کو دیکھ کر اسکے مقابل آسمان کی طرف اس میں ایک منفذ (سوراخ) کر دو، یہاں تک کہ اس کے اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے چنانچہ ایسا ہی کیا، تو بہت زور کی بارش ہوئی۔ (روایت کیا اس کو داری نے، کذا فی خیر المواعظ باب الکرامات)۔

فائدہ :- اوپر توسل بالقول ثابت ہوا تھا، اس سے توسل بالفعل بھی جائز ثابت ہوا۔ اسکے معنی بھی بزبان حال یہ تھے کہ یہ آپ کے نبی کی قبر ہے جس کو ہم تلبس جسد نبوی کی وجہ سے متبرک سمجھتے ہیں اور نبی کی ملابس چیز کو متبرک سمجھنا نبی کے اعتقاد و عظمت کی علامت اور موجب رحمت ہے پس ہم پر رحم فرمائیے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”احکام الدعا والوسیلہ“ از افادات حکیم الامت۔ مرتب مفتی محمد زید مظاہری ندوی)

ایصال ثواب

ایصال ثواب کے لفظی معنی ہیں ثواب پہنچانا۔ اصطلاحاً کسی نیک عمل کا ثواب کو ہبہ (ہدیہ) کر دینے کو ایصال

ثواب کہتے ہیں۔ ایصالِ ثوابِ زندوں کو بھی کر سکتے ہیں اور مردوں کو بھی۔ مردوں کو ایصالِ ثواب کا اہتمام اسلئے کیا جاتا ہے کہ وہ خود عمل کرنے سے قاصر ہیں اس کی مثال کہ آپ برسرِ روزگار کو کچھ ہدیہ بھیج دیں تو اس کو بھی پہنچ جائے گا مگر زیادہ اہتمام ایسے لوگوں کو دینے کا کیا جاتا ہے جو خود کمانے سے معذور ہوں۔

فقہی طور پر ایصالِ ثواب کی حقیقت یہ ہے کہ جو نیک عمل آپ کریں اسکے کرنے سے پہلے نیت کریں کہ اسکا ثواب جو حاصل ہو وہ اللہ تعالیٰ افلاں (میت) کو عطا کریں اسی طرح کسی نیک عمل کرنے کے بعد بھی یہ نیت کی جاسکتی ہے۔ کچھ لوگوں نے اسکے خلاف میں اتنا غلو کیا کہ سرے سے ایصالِ ثواب ہی کے منکر ہو گئے اور اپنی دلیل میں قرآن شریف کی آیت ”وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ“ ترجمہ: ”نہیں ہے انسان کیلئے مگر وہی جس کی اس نے کوشش کی“ (سورہ نجم آیت ۳۹) پیش کرنے لگے۔ منکرین ایصالِ ثواب کہتے ہیں کہ ”اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر انسان کو وہی ملیگا جسکی وہ کوشش کرے۔ دوسرے کی کوشش سے اسے کچھ نہیں ملیگا، لہذا ثابت ہوا کہ ایصالِ ثواب وغیرہ ناجائز و حرام ہے“ اسکے مفسرین نے کئی جواب دیئے ہیں۔ مثلاً

(۱) یہ کہ یہاں سعی (کوشش) سے سعی ایمانی مراد ہے۔ یعنی ایک کا ایمان دوسرے کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔

(۲) نیز اگر ایک آدمی مومن نہیں ہے تو دوسرا اس کی طرف سے خواہ جتنا بھی صدقہ و خیرات کر دے، حج کرادے، قربانی کرادے، مال و دولت لٹا دے، اسکے لئے نفع بخش ثابت نہیں ہو سکتیں جب تک وہ ایمان نہ لے آئے۔ یہ ساری چیزیں دوسرے کی طرف سے نفع بخش اس وقت ہوں گی جب وہ شخص ایمان کی دولت سے مالا مال بھی ہو۔

(۳) امام رازیؒ لکھتے ہیں۔ وَالْجَوَابُ مِنْهُ إِنَّ الْإِنْسَانَ إِنْ لَّمْ يَسْعَ فِي أَنْ يَكُونَ لَهُ صَدَقَةٌ لِّقَرِيبٍ بِأَلَّا يَمَانٌ لَا يَكُونُ لَهُ صَدَقَتُهُ فَلَيْسَ لَهُ إِلَّا مَا سَعَىٰ“ ترجمہ: ”اسکا جواب یہ ہے کہ اگر انسان اپنے ایمان لانے کے ذریعہ یہ کوشش نہ کرے کہ اعزاء و اقرباء کا صدقہ اس کیلئے مفید ثابت ہو تو اعزاء و اقرباء کا صدقہ مفید ثابت نہ ہوگا اسلئے کہ انسان کو وہی ملے گا جس کی وہ (ایمان لانے کے ذریعہ) کوشش کرے۔“ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۶۸)

(۴) تفسیر ابوسعود میں ہے۔ وَأَمَّا شَفَاعَةُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَاسْتِغْفَارُ الْمَلَائِكَةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَدُعَاءُ الْأَحْيَاءِ لِلْأَمْوَاتِ وَصَدَقَتُهُمْ عَنْهُمْ وَغَيْرُ ذَلِكَ مِمَّا لَا يَكَاذُ يُحْصَى مِنَ الْأُمُورِ النَّافِعَةِ لِلْإِنْسَانِ مَعَ أَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ عَمَلِهِ فَطَعَفَ حَيْثُ كَانَ مَنْ أَطْ مَنَفَعَةٍ كُلِّ مَنَّا عَمَلُهُ الَّذِي هُوَ الْإِيمَانُ وَالصَّلَاحُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ مِنْهَا نَفْعٌ مَابِدُونِهِ“ ترجمہ: ”بہر حال انبیاء کرام کی شفاعت، ملائکہ کا استغفار اور زندوں کی دعاء مردوں کیلئے اور زندوں کا صدقہ مردوں کی طرف سے اور انکے علاوہ بہت سے امور نافعہ جو شمار سے باہر ہیں انسان کیلئے مفید ثابت ہوں گے۔ حالانکہ وہ قطعی طور سے اس کا عمل نہیں ہیں لیکن ان امور کے نفع بخش ہونے کا مدار اس چیز پر ہے جس پر ہر عمل کے نفع بخش ہونے کا مدار ہے۔ اور وہ ہے ایمان و عقائد کی درستگی اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو (اپنا یا دوسرے کا) کسی کا بھی کوئی عمل نفع

نہیں پہنچا سکتا۔

(۵) اس آیت کی تفسیر میں علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں۔ وَأُجِيبَ بِأَنَّ الْغَيْرَ لِمَا نَوَىٰ ذَالِكَ الْفِعْلَ لَهُ صَارَ بِمَنْزِلَةِ الْوَكِيلِ عَنْهُ الْقَائِمُ مَقَامَهُ شَرْعًا فَكَانَهُ بِسَعْيِهِ. **ترجمہ:** اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب دوسرے نے وہ کام مردہ کی طرف سے کرنے کی نیت کر لی تو وہ شرعاً مردہ کے وکیل اور قائم مقام کے درجہ میں ہو گیا پس گویا یہ کام بھی اسی مردے کی سعی سے ہو رہا ہے (کیونکہ وکیل اور قائم مقام کا کام اصل میں اس کا مانا جاتا ہے جس کا یہ وکیل قائم مقام ہے) علامہ آلوسی نے اس آیت کا ایک دوسرا مطلب وہی بتایا ہے جو تفسیر ابوسعود کے حوالہ سے گزرا۔

(۶) ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں۔ وَاسْتَدْلَاهُ بِقَوْلِهِ سُبْحَانَهُ وَأَنَّ لَيْسَ لِلنَّاسِ إِلَّا مَا سَعَىٰ مَذْفُوعٌ بِأَنَّهُ لَمْ يَنْفَعِ انْتِفَاعُ الرَّجُلِ بِسَعْيِ غَيْرِهِ وَإِنَّمَانَفَىٰ مِلْكُهُ بِغَيْرِ سَعْيِهِ وَبَيْنَ الْأَمْرَيْنِ فَرْقٌ بَيْنَ فَخْبَرَ اللَّهُ تَعَالَىٰ أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ إِلَّا سَعْيُهُ وَأَمَّا سَعْيُ غَيْرِهِ فَهُوَ مِلْكٌ لِّسَاعِيهِ فَإِنْ شَاءَ يَبْذُلُهُ لِغَيْرِهِ وَإِنْ شَاءَ يَبْقِيهِ لِنَفْسِهِ وَهُوَ سُبْحَانَهُ لَمْ يَقُلْ لَا يَنْتَفِعُ إِلَّا بِمَا سَعَىٰ.

ترجمہ: منکرین ایصال ثواب نے آیت کریمہ وَأَنَّ لَيْسَ لِلنَّاسِ إِلَّا مَا سَعَىٰ سے استدلال کیا ہے مگر ان کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس آیت میں کہیں پر موجود نہیں کہ ایک آدمی کی سعی اور کوشش دوسرے کو نفع نہیں پہنچا سکتی، بلکہ آیت میں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی کوشش (یعنی عمل) کا مالک نہیں صرف اپنے عمل کا مالک ہے اس بات اور پہلی والی بات میں بہت بڑا فرق ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں یہ بتایا ہے کہ ہر شخص اپنی سعی و کوشش (یعنی عمل) کا مالک ہے دوسرا ہے اب وہ چاہے تو اپنی کوشش (عمل) کو غیر کو دیدے یا اپنے لئے باقی رکھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ انسان کے انتفاع کیلئے بس وہی ہے جس کی کوشش کرے (یعنی نفع اٹھانے کی نفی نہیں مالک ہونیکلی نفی ہے)

ایک کے عمل کا دوسرے کو فائدہ پہنچنے کی دلیل

(۱) سورہ طور میں ایک جگہ یہ بتاتے ہوئے کہ نیک لوگوں کی اولاد، اگر ان کی پیروی متبع ہو تو اگرچہ وہ ان سے عمل میں کچھ کم ہی ہوں مگر اپنے آباء و اجداد کے نیک اعمال کی بدولت، ان کی عزت افزائی کے بطور، جنت میں انہیں لوگوں کا درجہ پائے گی۔ ارشاد باری ہے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ. **ترجمہ:** اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انکی اولاد نے ایمان میں انکی پیروی کی پہنچا دیا ہم نے ان تک ان کی اولاد کو، اور نہیں گھٹایا ہم نے انکے عمل میں سے کچھ۔ یعنی یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب اولاد کو آباء و اجداد والا درجہ دے دیا گیا تو اس کا مطلب یہ بھی کہ آباء و اجداد کی کچھ نیکیاں کاٹ کر اولاد کو دی گئی ہوں گی۔ اس شبہ کا ازالہ اللہ تعالیٰ نے وَمَا أَلَتْنَاهُمْ

مَنْ عَمِلَهُمْ مِنْ شَيْءٍ سِوَاكَ اَبَاءُ وَاَجْدَادُ كِيُنِيُوں مِيں كُوئِي كِي نِهِيں كِي جَايَ كِي۔ بلكه اولاد كو اَبَاءُ وَاَجْدَادُ والا درجہ، مالِك اَرْض و سماء كے بے پايَاں فضل و كرم كا نتيجه ہوگا۔

بهر حال اس آيت كريمہ سے واضح طور پر پتہ چلتا هيڪه ايك آدمي كے عمل سے دوسرے كو فائده پہنچتا هے، اس ميں زندہ اور مردہ كِي بھي قيد نِهِيں، حقيقت بھي يهي هے كه ايك كِي نيكي كا دوسرے كو فائده پہنچنے كيلئے يه ضروري نِهِيں هے كه جس كو نفع پہنچايا جارها هے وه فوت ہو چكا هو، بلكه زندہ آدمي زندہ كو بھي اپني نيكي كا فائده پہنچا سكتا هے۔ زندہ كو بھي ثواب بخش سكتا هے۔
(۲) وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔ ترجمہ:- اور وه لوگ جو كه ان (مہاجرین و انصار) كے بعد آئیں اور يوں دعا كريں اے ہمارے پروردگار ہماري مغفرت فرما اور ہمارے ان بھايوں (انصار و مہاجرین) كِي بھي مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ايمان لائے۔

(۳) حضور ﷺ كِي دعائے مغفرت امتي كے لئے:- حضور ﷺ كِي دعائے مغفرت كے بارے ميں قرآن كريم ميں ارشاد رباني هے۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ۔ آپ ان كيلئے دعا كيجئے آپ كِي دعا ان كِي تسكين خاطر كا سبب هے۔ تسكين خاطر كا مطلب يهي يهي هے كه حضور ﷺ جس مومن كيلئے دعائے مغفرت كر ديتے تھے اسكي مغفرت ہو جاتي تھی ورنہ اگر مغفرت نہ ہوتی تو تسكين ہونے كا سوال يي پيدا نِهِيں ہوتا۔ جس مصيبت ميں آدمي گرفتار هے اگر اس سے نجات نہ ملے تو تسكين خاطر كيا؟

(۴) حضور ﷺ كا نماز جنازہ پڑھ دينا چونكه مسلمان ميت كيلئے مغفرت كا ذريعہ بن جايا كرتا تھا اسي لئے حضور ﷺ كے سامنے جب كوئِي جنازہ لايَا جاتا تو آپ دريافت فرماتے كه يه قرض دار تو نِهِيں هے؟ اگر قرض نہ ہوتا تو آپ نماز جنازہ پڑھتے۔ اگر قرض دار ہوتا تو آپ ﷺ صحابہ كرام سے فرما ديتے كه تم لوگ نماز جنازہ پڑھ دو۔ ميں نِهِيں پڑھوں گا۔ ليكن اگر كوئِي دوسرا اس قرض دار ميت كا قرض اپنے ذمہ لے ليتا تب حضور ﷺ نماز جنازہ پڑھا ديتے۔ بخاري شريف ميں هے۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَتَى بِجَنَازَةٍ فَقَالُوا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَالُوا لَا قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوا لَا فَصَلَّى عَلَيْهِ ثُمَّ أَتَى بِجَنَازَةٍ أُخْرَى فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلِّ عَلَيْهَا قَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قِيلَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوا ثَلَاثَةٌ دَنَانِيرَ فَصَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ أَتَى بِالثَّلَاثَةِ فَقَالُوا صَلِّ عَلَيْهَا قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوا لَا قَالَ فَهَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوا ثَلَاثَةٌ دَنَانِيرَ قَالَ صَلُّوا عَلَيَّ صَاحِبِكُمْ قَالَ أَبُو قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعَلَى دَيْنِهِ فَصَلَّى عَلَيْهِ۔ ترجمہ:- حضرت سلمہ ابن اکوع سے مروی هے كه ہم لوگ حضور ﷺ كے پاس بيٹھے ہوئے تھے اتنے ميں ايك جنازہ لايَا گیا لوگوں نے عرض كيا حضور ﷺ اس كِي نماز جنازہ پڑھ دیجئے۔ حضور ﷺ نے دريافت كيا كه كيا اس پر قرض هے؟ لوگوں نے جواب ديا نِهِيں، پھر حضور ﷺ نے دريافت كيا كچھ چھوڑا هے؟ لوگوں نے عرض كيا نِهِيں، اسكے بعد حضور ﷺ نے اسكي نماز جنازہ پڑھی۔ اسكے بعد

پھر دوسرا جنازہ لایا گیا تو اسکے متعلق بھی حضور ﷺ نے وہی سوالات کئے، لوگوں نے بتایا کہ اس پر قرض ہے اور اس نے تین دینار چھوڑے ہیں، حضور ﷺ نے اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی، اسی دوران تیسرا جنازہ لایا گیا۔ حضور ﷺ نے اسکے متعلق بھی یہی دونوں سوالات کئے، لوگوں نے بتایا کہ وہ تین دینار کا قرض دار ہے اور مال کچھ بھی نہیں چھوڑا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ہی لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھ لو، حضرت قتادہؓ نے عرض کیا حضور ﷺ اسکے قرض کا میں ذمہ دار ہوں نماز جنازہ پڑھا دیجئے تب حضور ﷺ نے پڑھائی (بخاری باب اذا احال دين الميت على رجل جاز ج ۱ ص ۳۰۵)

احادیث میں کثرت کے ساتھ صدقہ، حج بدل، قربانی، نفلی نماز و روزہ، دعا و استغفار وغیرہ کا ثواب پہنچنا منقول ہے

مردہ کیلئے صدقہ و خیرات

مردہ کی طرف سے اگر صدقہ و خیرات کیا جائے تو اسے اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ أُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ وَأَنَا غَائِبٌ عَنْهَا فَهَلْ يَنْفَعُهَا شَيْءٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنِّي أَشْهَدُكَ أَنَّ حَائِطِي الْمَخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا۔ ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کا انکی غیر موجودگی میں انتقال ہو گیا حضرت سعد حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میری غیر موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے، کیا اگر میں ان کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کر دوں تو انہیں اس کا فائدہ پہنچے گا، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں، اس پر حضرت سعدؓ نے کہا کہ حضور آپ گواہ رہئے کہ میں نے اپنا باغ ان پر صدقہ کر دیا۔

(بخاری باب اذا قال ارضى او بستانى صدقة لله عن امي فهو جائز وان لم يبين لمن ذالك ج ۱ ص ۳۸۶)

عَنْ عِيسَى بْنِ جُلَافٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمِّي أُفْتِلَتْ نَفْسُهَا وَلَمْ تُوصَ وَاطْنُهَا لَوْ تَكَلَّمْتُ تَصَدَّقْتُ أَفَلَهَا أَجْرًا تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ۔ ترجمہ:- حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس آیا، اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا اور وہ کوئی وصیت نہیں کر سکیں اور میرا خیال یہ ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو صدقہ ضرور کرتیں تو کیا انہیں ثواب ملیگا اگر میں انکی طرف سے صدقہ کر دوں، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ (مسلم باب وصول ثواب الصدقات الى الميت ج ۲ ص ۴۱)

مردہ کیلئے قربانی

امام ابوداؤد نے ابوداؤد شریف میں ایک عنوان قائم کیا ہے بَابُ الْأُضْحِيَّةِ عَنِ الْمَيِّتِ (مردہ کی طرف سے قربانی کا بیان) اس عنوان کے تحت حدیث طویل روایت نقل کی ہے۔

عَنْ حَنْشٍ قَالَ رَأَيْتُ عِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ مَا هَذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَوْصَانِي أَنْ

أَصْحَى عَنْهُ فَإِنَّا أَصْحَى عَنْهُ. ترجمہ:- حضرت حنشؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ دو مینڈھوں کی قربانی کر رہے تھے میں نے کہا یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اسکی وصیت کی ہے کہ میں انکی طرف سے قربانی کر دوں۔ (ابوداؤد باب الأ ضحیۃ عن المیت ج ۲ ص ۳۸۵)

مردہ کا حج بدل

عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً مِّنْ خَثْعَمٍ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبِي أَدْرَكَتْهُ فَرِيضَةُ اللَّهِ فِي الْحَجِّ وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيرٌ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى ظَهْرِ الْبَعِيرِ قَالَ حُجَّيْ عَنْهُ. ترجمہ:- حضرت فضل بن عباسؓ سے مروی ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے باپ پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن وہ اتنے بوڑھے ہیں کہ سواری پر بھی اچھی طرح نہیں بیٹھ سکتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم ان کی طرف سے حج کرو۔

(ترمذی باب ما جاء في الحج عن الشيخ الكبير والمیت ج ۱ ص ۱۱۲)

مردہ کیلئے دعاء واستغفار

مردہ کیلئے دعاء واستغفار کے متعلق بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةَ تُلْحِقُهُ مِنْ أَبِي وَأُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيُدْخِلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ إِلَّا سَتَغْفَارُ لَهُمْ. ترجمہ:- عبد اللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قبر میں مردہ کی مثال ڈوبتے ہوئے فریادی کے مانند ہوتی ہے، وہ ان دعاؤں کا منتظر رہتا ہے جو اسے اس کے باپ، ماں، بھائی، دوست (یا کسی بھی عزیز) کی طرف سے پہنچے۔ جب وہ دعا اسکے پاس پہنچتی ہے تو وہ اسکے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل قبور کو زمین والوں کی دعاؤں کی بدولت پہاڑوں کے مانند ثواب عطا فرماتا ہے۔ مردوں کیلئے زندوں کا ہدیہ ان کے حق میں استغفار ہے۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۰۶)

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دعاء واستغفار وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ (مشکوٰۃ باب ۱ الاستغفار و التوبۃ ج ۱ ص ۲۰۶)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْعَلَاءِ بْنِ اللَّجْلَاجِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ اقْرَأْ وَأَعِنْدَ رَأْسِي أَوَّلَ الْبَقَرَةِ وَخَاتَمَتِهَا فَإِنِّي رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَحِبُّ ذَلِكَ. ترجمہ:- حضرت عبد الرحمن اپنے والد علاء بن الجلاج سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت الجلاج نے اپنے بیٹوں سے کہا: میرے سر ہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیتیں پڑھو اسلئے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو دیکھا ہے کہ وہ اسکے استحباب کے قائل تھے۔ (الطبرانی فی الکبیر ج ۹ ص ۲۲۱ حدیث ۴۰۱،

مجمع الزوائد، کتاب الجنائز، باب ما يقول عند ادخال الميت القبر ج ۳ ص ۴۴)

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا و استغفار، نفلی نماز و روزہ، صدقہ، قربانی، حج بدل، وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ حَسَنَاتُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عِلْمَهُ وَنَشْرَهُ أَوْ وَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ أَوْ مَصْحَفًا وَرَّثَهُ أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِبْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ يَلْحَقَهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ. **ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کو مرنے کے بعد اسکے عمل میں سے جن کا ثواب ملتا ہے وہ علم ہے جس کو دوسروں کو سکھایا ہو اور اسکی اشاعت کی ہو یا وہ نیک اولاد ہے جس کو وہ چھوڑ گیا ہو۔ یا وہ قرآن کریم ہے جسکا اس نے وارث بنایا ہو یا وہ مسجد جس کو اس نے تعمیر کیا ہو یا کوئی سرائے مسافروں کیلئے بنوایا ہو یا کوئی نہر جاری کرادی ہو یا اپنی صحت و حیات میں اپنے مال میں سے صدقہ کرگیا ہو۔ (ابن ماجہ باب ثواب معلم الناس النجیر ص ۲۱)

ایصال ثواب کی حیثیت: مردے کے فائدے کیلئے کوئی نیک کام کرنا مستحب ہے۔ یہ فرض اور واجب نہیں، لازمی اور ضروری نہیں، اگر اپنے مردہ سے محبت ہے تو ایصال ثواب کرے نہیں چاہتا نہ کرے۔ ایصال ثواب بھی ایک مستحب عمل ہے۔ اسکی حیثیت بھی بالکل وہی ہے، اس کے نہ کرنے والے کو غلط کار نہیں کہا جاسکتا، لیکن اسکی شرعی حیثیت سے ہی انکار کرنیکی گنجائش نہیں دی جاسکتی۔

ایصال ثواب کا منکر کون؟ ایصال ثواب کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان میں سے کچھ اتفاقی ہیں کچھ اختلافی۔ مگر فی نفسہ ایصال ثواب کے جواز و استحباب میں اہلسنت والجماعت کے کسی فرقہ یا ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کا اختلاف نہیں۔ البتہ ایک گمراہ فرقہ، معتزلہ، ضرور اسکا قائل ہے کہ ایصال ثواب سرے سے جائز ہی نہیں۔ ملا علی قاری حسی لکھتے ہیں۔
وَمِنْهَا دُعَاءُ الْأَحْبَاءِ لِلْأَمْوَاتِ وَصَدَقَتُهُمْ عَنْهُمْ نَفْعٌ لَهُمْ فِي غُلُوبِ الْحَالَاتِ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ. **ترجمہ:** اہل سنت کے عقائد میں سے ہیکہ زندوں کی دعا مردوں کیلئے اور ان کا صدقہ مردوں کیلئے نفع بخش اور بلند درجات کا سبب ہے لیکن اس مسئلہ میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۵۵)

وَنَقَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْبِدْعِ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ إِلَى عَدَمِ وُضُوعِ شَيْءٍ الْبَيِّنَةِ لِالدُّعَاءِ وَغَيْرِهِ. **ترجمہ:** حکمین میں سے بعض اہل بدعت اس بات کے قائل ہے کہ مردے کو کچھ نہیں پہنچتا نہ دعاء نہ کوئی اور چیز۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۵۷) جب حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا، استغفار، نفلی نماز و روزہ، صدقہ، حج بدل، قربانی وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے تو تلاوت قرآن کا پہنچنے سے کیا مانع ہے۔ مانع ان مذکورہ اعمال کے ساتھ ساتھ تلاوت قرآن کا ثواب پہنچتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْجَلَّاحِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ أَقْرَأُ وَأَعِنْدُ رَأْسِي أَوَّلَ الْبَقَرَةِ وَخَاتَمَهَا فَيُرَى رَأْيُ بَنِي عُمَرَ يُسَجِّدُ ذَلِكَ. **ترجمہ:** حضرت عبد الرحمن اپنے والد علاء بن الجلاح سے نقل

کرتے ہے کہ حضرت لجلال نے اپنے بیٹوں سے کہا: میرے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیتیں پڑھو اسلئے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا ہے کہ وہ اسکے استجاب کے قائل تھے۔ (الطبرانی فی الکبیر ج ۹ ص ۲۲۱ حدیث ۴۰۱، مجمع الزوائد، کتاب الجنائز، باب ما یقول عند ادخال المیت ج ۳ ص ۴۴) نماز جنازہ میں غیر مقلدین کا سورہ فاتحہ پڑھنے کا فائدہ۔

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اقْرَءُوا آيِسَ عَلَى مَوْتَانِكُمْ. ترجمہ:- حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مردے کے پاس سورہ یاسین پڑھا کرو۔ (ابودود الجنائز باب القراءة عند المیت ج ۲ ص ۴۴۵، ابن ماجہ باب مَا جَاءَ مَا يُقَالُ عِنْدَ الْمَوْتِ ج ۱ ص ۱۰۴)

امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد، اور دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ ایصالِ ثواب ہوتا ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک میت کو صرف دعا اور صدقات کا ثواب پہنچتا ہے اور دیگر ثواب نہیں پہنچتا۔ جب کہ امام شافعیؒ کے بعد خود ان کے مسلک کے محققین علماء مذکورہ دیگر ایصالِ ثواب کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں، آپ کے مسائل اور ان کا حل، مولف حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ کے فتویٰ سے کچھ حصہ نقل کرنا بہتر ہے۔

”امام شافعیؒ کے نزدیک میت کو صرف دعا اور صدقات کا ثواب پہنچتا ہے۔ تلاوت قرآن اور دیگر بدنی عبادات کا ثواب نہیں پہنچتا۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہر نفلی عبادت کا ثواب میت کو بخشا جاسکتا ہے۔ مثلاً نفلی نماز، روزہ، صدقہ، حج، دعا، استغفار، ذکر، تسبیح، درود شریف، تلاوت قرآن وغیرہ۔ حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ شافعی مذہب کے محققین نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے، اسلئے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہر قسم کی عبادت کا ثواب مرحومین کو پہنچایا جاتا رہے مثلاً قربانی کے دنوں میں اگر آپ کے گنجائش ہو تو مرحوم والدین یا اپنے دوسرے بزرگوں کی طرف سے بھی قربانی کرتے رہیں۔ بہت سے اکابر کا معمول ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کرتے ہیں اسی طرح نفلی حج و عمرہ بھی کیا جائے۔ ہم لوگ چند روز مردہ پر روپیٹ کر ان کو بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ یہ بڑی بے مروتی کی بات ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قبر میں میت کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص دریا میں ڈوب رہا ہو وہ چاروں طرف سے ایصالِ ثواب کی منتظر رہتی ہے۔ اور جب اسے صدقہ و خیرات وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے تو اسے اتنی خوشی ہوتی ہے گویا اسے دنیا بھر کی دولت مل گئی۔“

غرض ایصالِ ثواب ہوتا ہے۔ نفلی نماز، روزہ صدقہ، حج و عمرہ، قربانی، دعا و استغفار، ذکر، تسبیح، درود شریف کی طرح تلاوت قرآن کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ لیکن لوگوں کو ایصالِ ثواب کیلئے بحیر و اکراہ (زبردستی) جمع کرنا اور اس کا اعلان اور اس قسم کی دیگر رسوم سے پرہیز کرنا چاہئے۔ جو شخص تلاوت قرآن کا ثواب نہیں پہنچنے کا مدعی ہے اسے صحیح حدیث پیش کرنا چاہئے کہ تلاوت کا ثواب نہیں پہنچتا۔ (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ”مسئلہ ایصالِ ثواب مصنف مولانا مفتی جمیل احمد صاحب ندیری)

مراجعات

نمبر شمار	اسماء کتب (ایڈیشن)	مصنف	مکتبہ
۱			
۲	صحیح البخاری مع حواشی احمد علی سہارنپوری	امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ	ناشران مختار اینڈ کمپنی دیوبند سن طباعت ۱۹۸۵ع
۳	الصحیح المسلم مع شرح کامل للنوایوم مع حاشیہ لامہ فی الحسن السندی	امام ابو الحسین مسلم بن حجاج القشیریؒ	ناشران مختار اینڈ کمپنی دیوبند سن طباعت ۱۹۸۶ع
۴	جامع الترمذی (مع حاشیہ العرف الشدی وغیرہ)	الامام محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذیؒ	ناشران مختار اینڈ کمپنی دیوبند سن طباعت ۱۹۸۵ع
۵	سنن ابی داؤد مراسیل ابی داؤد	الامام سلیمان بن الاشعث ابو داؤد السجستانیؒ	دارالاشاعت اسلامیہ کلکتہ
۶	سنن نسائی (مع شرح حافظ جلال نقی سیوطی وحاشیہ الامام السندی)	الامام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی بن بحر النسائیؒ	مختار اینڈ کمپنی دیوبند
۷	سنن ابن ماجہ (مع حاشیہ مصباح الزجاجة)	حافظ ابو عبد اللہ بن یزید الربیعی ابن ماجہ القزوینی	مکتبہ رشیدیہ دہلی
۸			
۹	اعلاء السنن (مع تعلیق عبد الفتاح ابو غدة)	علامہ ظفر احمد عثمانی تھانویؒ	ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۱۰	نصب الراية (طبع ثانی ۱۴۰۸ھ)	علامہ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	مکتبہ المجلس العلمی ڈاھا بیل سورن سلسلہ نمبر ۲۱
۱۱	مصنف ابن ابی شیبہ (مع التعلیق محمد عوامہ) الطبعة الثانية ۱۳۲۸ھ	امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ	ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۱۲	مصنف عبد الرزاق (مع التعلیق حبیب الرحمن الاعظمی)	حافظ ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	سلسلہ نمبر ۳۹ اداره القرآن والعلوم کراچی پاکستان

۱۳	تہذیب التہذیب (مع التعليق مصطفیٰ عبد القادر عطاء)	احمد بن علی بن حجر العسقلانی	دار الكتب العلمیہ بیروت لبنان
۱۴	ایضاح الادلہ (مع حاشیہ جدید)	شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب	شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند
۱۵	ہملوۃ الرسول (مع تخریج و تعلیق)	حضرت مولانا حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی	منزہ پبلیکیشنز دہلی طبع دوم ۹۳
۱۶	دین کے بنیادی مسائل حدیث کی روشنی میں	مولانا مفتی محمد آزاد بیگ قاسمی	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری جو نمبر ۱۰۲
۱۷	تجلیات صفدر	مولانا امین صفدر صاحب اوکاڑوی	مکتبہ مدنیہ، سفید مسجد سر اول سنہ ۱۴۰۲ھ
۱۸	آثار السنن (مع التعليق الحسن)	محمد بن علی النیموی	المکتبہ المدنیہ دیوبند طبع اول ۳
۱۹	احسن الکلام فی ترک القرآۃ خلف الامام	حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر	مکتبہ علمیہ سہارنپور
۲۰	رکعات تراویح	محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی	مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ مونا تھ بھجن
۲۱	احکام الدعاء والوسیلہ	حضرت مولانا محمد زید صاحب مظاہری ندوی	ادارہ افادات اشرفیہ دو بگا ہر دوئی رود لکھنؤ
۲۲	مسئلہ ایصال ثواب	مولانا مفتی جمیل احمد صاحب ندیری	مکتبہ صداقت نوادہ مبارک پور
۲۳	نصرۃ الحدیث	محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی	دارالماثر الاسلامیہ مونا تھ بھجن
۲۴	فتاویٰ رحیمیہ	مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری	مکتبہ رحیمیہ راندر سورت
۲۵	عورتوں کا طریقہ نماز (۱۴۱۱ھ فتویٰ)	مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی	دارالافتاء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈاھیل
۲۶	نماز احناف (۲۰۰۱ء)	مفتی حبیب الرحمن صاحب قاسمی آبادی	مکتبہ رحمانیہ محلہ اعظم پور قصبہ منوآئمہ ضلع الد
۲۷	اختلاف امت صراط مستقیم	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی	مکتبہ رشیدیہ سہارنپور و مکتبہ مدنیہ دیوبند

اور دیگر بہت سی کتابوں و رسائل کی مراجعت سے